حرفِ آغاز

تناول ہزارہ ڈویژن کا تاریخ ساز علاقہ ہے ۔ لیکن بد قسمتی سے آج تک کسی نے اس علاقے کے حالات و واقعات پر قلم نہیں اٹھایا ۔ اس لئے یہ تاریخی دور افتادہ علاقہ قارئین کی نظروں سے اوجھل رہا درحقیقت ایسے تحقیقی اور لٹریری کام حکومت کی سرپرستی کے بغیر مشکل و کٹھن ہیں ۔ میں نے بھولے بسرے اور منتشر واقعات کو مختلف ذرائع اور ماخذوں سے حاصل کرکے ایک کتاب ترتیب دی ہے ۔
زیر نظر کتاب کی ترتیب و تالیف میں حقائق کو من حیث الحقائق پیش کیا گیا ہے. تعصبات کی رو میں بہہ کر رائے زنی کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اجتناب کیا ہے کتاب میں جو کچھ بھی پیش کیا گیا ہے حوالاجات سے پیش کیا گیا ہے اس کے حوالاجات مستند مصدقہ کتب اور معتبر ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں ۔ میں نے خود کتاب لکھنے کے دوران تناول کے طویل سفر کئے اور کئی لوگوں سے ملاقات کی یہ بات بڑی حوصلہ افزائی کہ تمام افراد نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا کسی نے بھی عدم دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ۔ میں اُن تمام افراد کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے تحقیقی و معلوماتی کام کو آگے بڑھانے میں میری ہر ممکن مدد کی ۔ آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کتاب میں تاخیر کی وجہ میری رفیقہ حیات کی علالت اور انتقال تھا مرحومہ میو ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج تھیں جن کا گذشتہ سال ۲۰ ر اگست ۱۹۹۱ء کو انتقال ہو گیا. میرے لئے یہ جانکاہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا جس کی وجہ سے کچھ عرصہ تک پیپر ورک نہ ہو سکا ۔ امید ہے قارئین اس کتاب سے ضرور مستفید ہوں گے ۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف
نیاز مند ۔۔۔۔۔ فدا حسین

دسمبر ۱۹۹۲ء
بی ۱-۲۷ مسلم ٹاؤن راولپنڈی
ٹیلی فون نمبر :۔ ۴۲۴۵۰۹



کچھ مؤلف کے بارے میں

جناب فدا حسین ۴ فروری ۱۹۳۲ کو ضلع ایبٹ آباد کے ایک گاؤں کوٹھیالہ میں پیدا ہوئے میٹرک تک ایبٹ آباد میں پڑھے امتحان نور محمد ہائی سکول حیدر آباد سے پاس کیا ایف ایس سی گورنمنٹ کالج حیدر آباد سے کیا این ای ڈی انجینئرنگ کالج کراچی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حکومت صوبہ سندھ کی ملازمت اختیار کی ۔ دوران ملازمت اپنی اعلیٰ کارگردگی و قابلیت کی بدولت حکومت کی طرف سے بیرون ملک مزید تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجے گئے

سندھ سرکار کی ملازمت میں مختلف عہدوں پر کام کیا کچھ عرصہ تک مشرقی پاکستان موجودہ (بنگلہ دیش) میں بھی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں یہ مختصر خاکہ اُن کی پیدائش تعلیم و تربیت و ملازمت کا تھا ۔ اب شخصیت کے ادبی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں ۔ گو آپ پیشہ ور لکھاری نہیں ہیں اس کے باوجود آپ کے پاس جو وقت بچا ہے اس وقت میں آپ نے دور حاضرہ کے موضوعات پر قلم اٹھا کر قارئین کو مفید معلومات بہم پہنچائیں ہیں ۔ آپ کی پہلی کتاب "زنگ آلودہ" جو خالی اقدار سے محروم معاشرہ پر ایک کڑی چوٹ تھی ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی اس کے بعد دوسری کتاب "سادہ زندگی" جو مغربی بنگال اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی اس کتاب کا ساتھ بنگالی ترجمہ بھی شائع ہوا ۔ دورہ حاضرہ کی شہرت یافتہ کتب آلودگی ۔ ٹوڈے بی ہائنڈ دی ایونٹس (انگریزی) ذیابیطس اور خوراک آپ کی تحریر کردہ ہیں آپ کی اب تک سات کتب چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ۔ اور مختلف موضوعات پر مدلل مضامین ہند و پاک کے اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں ۔

قصہ یہاں ختم نہیں ہوتا میں اُن مضامین کا ذکر ضرور کروں گا جو آپ نے نہایت محنت اور نیک

نیتی سے نوکر شاہی کا قبلہ سیدھا کرنے کے لئے لکھے تھے جن کے حالات وواقعات بالکل سچ اور حقیقت پر مبنی تھے۔ انگریزی مضامین بلائنڈر رائٹڈر آن دی لیم ہارس اور ایک دوسرا مضمون وائٹ ایلیفنٹ امنگ دی بلیک شیپ" عام مضامین تھے جن میں سچے حالات پیش کئے گئے تھے اور انتظامیہ بہتر بنانے کی کچھ تجاویز پیش تھیں۔ لیکن اردو کے ایک مضمون جس کا عنوان اس طرح کا تھا" اللہ کی شان پاکستان کا قاتل صدر پاکستان" اس مضمون کا تعلق اسکندر مرزا سے تھا مضمون کا ایک ایک حرف بالکل سچا اور صحیح تھا۔ لیکن اسکندر مرزا اس سچ اور حقیقت کو برداشت نہ کر سکے اس مضمون نے آپ کی جان مصیبت میں ڈال دی مجھے اچھی طرح یاد ہے میں ان دنوں کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو مجرم بننا پڑا میں ان کا آمین ہوں نام ظاہر نہیں کروں گا جس طرح انہوں نے صاحب موصوف کا نام ظاہر کر دیا تھا۔ اور ان کو کراچی روپوش ہونا پڑا۔ اللہ کی شان پاکستان کا قاتل صدر پاکستان کا واقعہ یوں ہے۔ برصغیر میں ایبٹ آباد شہر کو یہ اعزاز حاصل ہے۔ سب سے پہلے یہاں سے ۱۹۳۶ء میں پاکستان نامی ہفت روزہ باقاعدہ دو سال اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ سید غلام حسین شاہ کاظمی کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا۔ جسے اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر اسکندر مرزا نے بند کر دیا تھا تقسیم ہند سے قبل اسکندر مرزا ہزارہ اور پشاور کے ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے. وہ بعد میں سکرٹری وزارت دفاع ہوئے بعد میں وہ صدر کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ اللہ کی شان پاکستان کا قاتل صدر پاکستان کے عنوان پر اوپر سے حکم صادر ہوا کہ دیدہ دلیر گستاخی کا مرتکب فرد کہیں جانے نہ پائے سرکاری کارندے آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے تھے۔ انہوں نے ہمت ہار کر اپنی رپورٹ دے دی کہ یہ شخص بیرون ملک فرار ہو گیا ہے لیکن آپ اپنے ایک پرانے کالج کے دوست عبدالکریم خاضیلی کے ہاں ٹھٹھہ میں زیر زمین مکیں تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ کی قسمت اچھی تھی کہ مارشل لاء لگ گیا اور یوں اس ہولناک داستان کا ڈراپ سین ہو گیا ورنہ خدا جانے آپ کا کیا حشر ہوتا اب آپ کی شخصیت کے اس پہلو کی طرف آتے ہیں جو ادھورا رہ گیا ہے۔ آپ صاف ستھرے ذہن کے مالک ہیں خاموش طبیعت، نہایت محنتی باعمل ممتاز سماجی شخصیت ہیں تحریک انسداد جبری مشقت صوبہ سندھ کے بانی ممبران میں سے ایک ہیں۔ آپ نے ساری زندگی انسانی فلاح و بہبود اور دکھی انسانیت کے لئے کام لیا لیکن کبھی بھی نام و نمود کی نمائش نہیں کی ساری عمر قانون جبری مشقت پاس کرانے کیلئے کوشاں رہے.

راہ عمل میں جذبہ کامل ہو جس کے ساتھ

انہوں نے پاکستان کو بنتے دیکھا ہے اور مشرقی پاکستان کو اجڑتے دیکھا ہے نظریہ پاکستان کی مخالفت برداشت نہیں کرتے ابن الوقت آستین کے سانپوں کے ہمیشہ سخت مخالف رہے ہیں ان سے دور ہی رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں. زندگی کے نشیب و فراز میں دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں جب دکھ کے بعد دکھ ہی آئے تو کچھ عرصہ کے لئے انسانی معمولات میں فرق پڑھ جانا قدرتی امر ہوتا ہے اپنے باصلاحیت بیٹے ناصر احمد کی موت سے اُن کو کافی صدمہ برداشت کرنا پڑا بڑی مشکل سے سنبھلے تھے کہ رفیقہ حیات داغ مفارقت دے گئیں پہلے ہی مصروفیات آپ نے بہت کم کر دی تھیں اب بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئیں لیکن آپ نے تاریخ تناول مکمل کر کے اپنی پرانی روایات کو قائم رکھا ہے جو قابلِ ستائش ہے.

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب موصوف (فدا حسین)، کی عمر دراز کرے اور انہیں کام کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے تاکہ ان کے ادھورے اشاعتی منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچ سکیں

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۲ء

پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق علوی
داتا گنج بخش روڈ۔ لاہور

تاریخ کیا ہے

بابائے تاریخ یونانی مورخ ہیروڈوٹس جس کو ابوالمورخین بھی کہا جاتا ہے کہتا ہے انسانوں کی تمدنی، مذہبی، اخلاقی تعلقات معاشرت کے بیان کو تاریخ کہتے ہیں۔

مشہور مقنّن و خطیب سسرو (۴۲-۱۰۶ ق م)

اطالوی کا قول ہے تاریخ مختلف گذشتہ زمانوں کا گواہ، حق و صداقت کی روشنی، عبرت و بصیرت کی روح، حیات انسانی کا مشیر اور قدرت کا پیامبر ہے۔ وہ شخص جو اپنے گذشتہ حالات و واقعات سے بے خبر ہے چھوٹے بچے کی طرح سمجھا جائے گا۔ انسانوں کی زندگی ہی فضول ہے جبکہ گذشتہ واقعات اور قدیم نسلوں کی یاد زندہ نہ رہے۔

سنوسیس فرانسیسی مصنف

انسانی زندگی کے گذرے ہوئے واقعات بیان کرنے کو اصطلاح میں تاریخ کہتے ہیں۔ تاریخ مختلف قوموں کے ظہور تنزل، ترقی، آثار، حالات، آداب، رسوم و عقائد اور مشہور لوگوں کے کارنامے بیان کرتی ہے اور جو اہم امور ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کے اسباب اور نتائج بتاتی ہے۔ تاریخ میں آدمی کے لئے بہت کچھ فوائد ہیں مختصر یہ تاریخ جاننے والا ان تمام تجربات سے تھوڑے عرصہ میں واقف ہو جاتا ہے جنہیں اگلے لوگوں نے تمام عمر صرف کرکے حاصل کیا تھا۔ اور تاریخ نہ جاننے والوں سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ کہ کیا کام کرنا چاہئے اور کس سے بچنا چاہئے

مشہور آفاق عالم کارلائل

کا قول ہے کہ عہد حاضرہ کے واقعات کی ریشہ دار جڑیں عہد قدیم کی خاک سے تعلق رکھتی ہیں تمام گذشتہ صدیاں فنا کے گھاٹ اتر کر خاموش ہو گئیں موجودہ صدی بھی اسی پر آمادہ ہے۔ تاریخ اسی قدر کامل ہوتی ہے جس قدر مورخ عاقل ہوتا ہے تاریخ ایک بے زبان انجیل ہے کسی قوم کی تاریخ تو ایک

بڑی چیز ہے صرف ایک شخص کے حالات زندگی میں بھی خدا کا ایک پیغام پوشیدہ ہوتا ہے بس مورخ کا فرض ہے کہ تہذیب انسانی اور تحفظ قومی کے لئے پیغام کو بلاکم و کاست واضح طور پر بیان کر دے جس کے پیچھے دنیا عظیم انسان لوگوں کی شخصیتیں پوشیدہ ہیں۔

مشہور فلاسفر لارڈ بیکن

کا قول ہے انسان کے قوائے عقلیہ تین ہیں، حافظہ، متخیلہ، فہم ان تینوں قوائے عقلیہ میں قوت حافظہ کے بغیر متخیلہ اور فہم برابر بے کار ہیں لہٰذا یہ دونوں حافظہ کے محکوم و محتاج ہیں بس علم تاریخ جو حافظہ سے تعلق رکھتا ہے شاعری اور فلسفہ پر فائق ہے۔ جو دونوں علی الترتیب قوت متخیلہ اور قوت فہم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بزرجمہر ایرانی

کا قول ہے علم تاریخ صحیح اور درست رائے قائم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ متقدمین کے حالات سے متاخرین کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

لالہ لاجپت رائے صاحب

اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کوئی شخص تعلیم یافتہ کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا جو کہ کم از کم اپنے ملک اور اپنی قوم کی تاریخ سے واقف نہ ہو ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے مذہب، رسم و رواج اپنی قوم کی اخلاقی و معاشی و سیاسی یعنی ملکی تاریخ سے واقف ہو۔ اس پر یہ لازم ہے کہ موجودہ حالتیں کن اسباب کا نتیجہ ہیں اور وہ اسباب بذات خود پہلے کس طرح پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ ان معلومات سے ہی وہ آگے ترقی کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنے ملک اور اپنی قوم کی تاریخ سے ہی اس کو ان خصوصیات کا پتہ چل سکتا ہے جن کے سبب وہ دیگر ملکوں کے انسانوں سے تمیز کیا جا سکتا ہے

علامہ ابن خلدون

کاقول ہے: تاریخ حکمت کا سبق پڑھاتی ہے واقعات عالم اور اُن کے اسباب سے اگاہ کرتی ہے کائنات اور اس کے مبادی کی غلتیں بتاتی ہے۔ ابن خلدون کو تاریخ کی سائنس کا بانی سمجھا جاتا ہے اس سے پہلے کسی مورخ کو اتنی شہرت نصیب نہیں ہوئی ابن خلدون تاریخ میں مسلسل تغیر و تبدل پر یقین رکھتا ہے اُس کے نزدیک ہر زمانے میں قوموں کی زندگی اُن کے اخلاق و عادات و اطوار بدلتے رہتے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی قوم یا معاشرہ ایک ہی حالت میں برقرار رہا ہو۔
معاشرے کا یہ تغیر و تبدل حکومتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ لوگ حکمرانوں کی تقلید کرتے ہیں اس لئے حکومتوں کے بدلنے سے لوگوں کے افکار خیالات و نظریات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ہر حکومت اپنے ساتھ جداگانہ قدریں لاتی ہے۔

مشہور مورخ ضیاالدین برنی

کاقول ہے۔ انبیاء، خلفا و سلاطین و بزرگان دین کے حالات معلوم کرنے کا نام تاریخ ہے علم تاریخ کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ رذیلوں اور کم اصلوں کو تاریخ کی طرف رغبت اور توجہ نہیں ہوا کرتی مگر جو لوگ عالی نسب اور شریف النسل ہوتے ہیں وہ علم تاریخ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ گزرے ہوئے لوگوں کے خیر و شر عدل و علم عیب و صواب، فضائل و دلائل کا اس کے نقل کرنا کہ متاخرین کے لئے موجب عبرت و موعظت ہو تاریخ کہلاتا ہے۔

انگریز عالم مسٹر بیرل

کاقول ہے۔ انسان دنیا کے بڑے بڑے واقعات کے پڑھنے میں قدرت اور دلچسپی رکھتا ہے اور ہمیشہ رکھے گا اس لئے تاریخ کا فن کبھی مردہ نہیں ہو سکتا

یونانی مورخ پالسیں (۱۲۰ - ۲۱۰ ق م)

کاقول ہے انسان ایک اپنے ذاتی تجربے دوسرے اوروں کے تجربے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پہلی صورت میں بہت سی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں دوسری صورت میں دشواری پیش نہیں آتی اور نفع بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ پس ہر شخص کو تسلیم کر لینا چاہیئے تاریخ کا مطالعہ زندگی کے تمام مراحل کو بخوبی طے کرا دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر موسیو لیبان فرانسیسی

فرماتے ہیں تاریخ اپنی تثلیث عومی میں اُن نتائج کی شرح ہے جن کو قوموں کی روح نے پیدا کیا ہے اس لئے جس طرح مچھلی کے اعضائے تنفس کی نشو نما پانی کے بغیر نہیں ہوتی اسی طرح تاریخ کا سرچشمہ بھی قوموں کی روح ہے

مولانا محمد اسلم جے راجپوری شیخ التاریخ جامعہ ملیہ

کاقول ہے۔ مطالعہ تاریخ سے ہزار ہا سال کے واقعات انسان کی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں — اور مختلف زمانوں کے لوگوں سے وہ معنوی طور پر ملاقات کرتا ہے اُن کی باتیں سنتا ہے اور اُن کے حالات دیکھتا ہے لہٰذا یہ علم انسانی عمر کو علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑھاتا ہے۔
علاوہ بریں شخصی زندگی نام ہے اس تسلسل واقعات کا جو اس شخص کے دماغ میں محفوظ ہے اور جو اُس کے ماضی کو حال سے اور مستقبل سے ملاتا ہے بعینہ اسی طرح قومی زندگی کے واقعات کے سلسلے کو تاریخ محفوظ رکھتی ہے

چند مشہور شہرت یافتہ علمائے تاریخ کے نظریات

ژیام باتتا ویچو ۱۶۶۸ ، ۱۷۴۴

ویچو کے نزدیک خدا یا کوئی پراسرار طاقت نہیں جو تاریخی عمل جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ اس کا خالق خود انسان ہے جو اپنی تاریخ خود بناتا ہے ویچو کی مشہور کتاب نیو سائنس ۱۷۲۵ء میں شائع ہوئی۔

جارج ولیم فریڈرش ہیگل ۱۷۷۰ ، ۱۸۳۱ء

آخری عمر میں ہیگل کے لیکچروں نے تاریخ کے نظریات میں ایک انقلابی اضافہ کیا ہیگل کے نزدیک ہر قوم اپنی ترقی و عروج کے بعد ایک ورثہ چھوڑ دیتی ہے جو تاریخی ترقی کے عمل میں کام آتا ہے۔ ہیگل ان اسباب و علل اور دلائل کے غور کرنے پر زور دیتا ہے جنہوں نے واقعات پیدا کئے۔

ایمانوئل کانٹ ۱۷۲۴ - ۱۸۰۴

پروفیسر ایمانوئل کانٹ نے تاریخ میں آٹھ نظریات پیش کئے اُن کے مطابق تاریخ کا موضوع فطرت کے منصوبے ہیں تاریخ قوانین کے دائرے میں عمل پذیر ہے۔ اور انسان ان قوانین کے تحت فطرت کے سوچے سمجھے اور متعین منصوبے کو بغیر سوچے سمجھے پورا کر رہا ہے۔ فطرت اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ انسان کو آگے دھکیل رہی ہے اور انسان لاشعوری طور پر فطرت کے تمام منصوبوں کی تکمیل کر رہا ہے۔

بنی ۔ ڈی ۔ ٹو ۔ کروچے ۱۸۶۶ - ۱۹۵۲

کروچے کے نزدیک تاریخ اُن واقعات کا علم ہے جو وقوع پذیر ہو چکے ہیں جن کی شہادتیں اور روایتیں موجود ہیں کروچے تاریخ کو آرٹ شمار کرتا ہے اور اس دلیل سے نفی کرتا ہے۔ کہ تاریخ کسی ایک خاص متعین منصوبہ پر عمل کرتی ہے یا کسی خاص مقصد کی تکمیل کرتی ہے۔

اُس کا کہنا ہے کسی ایک متعین راستہ پر چلنا فطرت کا طریقہ ہے تاریخ کا نہیں۔

ول ڈیورانٹ

ول ڈیورانٹ نے ۱۹۲۷ء میں ملازمت ترک کر کے تمدن کی کہانی لکھنا شروع کی اسے گیارہ جلدوں مکمل کیا ول ڈیورانٹ کے نزدیک فطرت تمام انسانوں کو مساوی طور پر ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں دے کر پیدا نہیں کرتی کسی کو نعمتوں سے نوازتی ہے اور کسی کو محروم رکھتی ہے۔ ہر شخص ذہنی و جسمانی اور شعوری طور پر جدا ہوتا ہے۔ انسانوں میں یہ فرق اور امتیاز فطرتی عمل ہے قدرت ذہانت کی تقسیم میں بہت بخیل ہے معاشرے میں صرف ۳۰ فی صد ایسے ذہین افراد ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کے ذہنوں کے برابر ہوتے ہیں۔

ہرڈر ۱۷۴۴ - ۱۸۰۲

ہرڈر نسلی اعتبار سے کسی قوم کی برتری کا قائل نہیں ہرڈر کے نزدیک ماحول اور آب و ہوا ہر قوم کے کردار کی تشکیل کرتی ہے ہرڈر پہلا فلاسفر ہے جس نے تاریخ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ انسانی فطرت ایک جیسی نہیں ہے بلکہ مختلف ماحول اور حالات میں یہ فطرت بدلتی رہتی ہے۔

رابن جارج کولنگ وڈ ۱۸۸۹ء، ۱۹۴۹

رابن جارج کولنگ وڈ کی مشہور کتاب "آئیڈیا آف ہسٹری" اس کی وفات کے بعد ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی کتاب شائع ہونے کے بعد کولنگ وڈ کے نظریات بہت مشہور ہوئے۔ کولنگ وڈ تاریخ کو تحقیق کی ایک قسم بتاتا ہے اور اُسے سائنس کا درجہ دیتا ہے۔ کیونکہ سائنس بھی ایک نظام فکر ہے جو ہمارے اذہان میں پیدا سوالات کے جوابات دیتی ہے فرق یہ ہے سائنس ان واقعات جو پہلے سے وقوع پذیر ہو چکے ہیں انکو جمع کر کے غور نہیں کرتی بلکہ ان اشیاء کی ماہیت اور ہیت کو دریافت کرتی ہے۔ جنہیں ہم نہیں جانتے پس تاریخ ایسی سائنس ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو سمیٹ کر ترتیب دیتی ہے اس لئے انسان کی ذہنی اور شعوری ترقی میں اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

کارل مارکس ۱۸۱۸ - ۱۸۸۸

کارل مارکس کو اس بات سے کچھ مطلب نہیں کہ انسان کیا کہتا ہے کیا سوچتا ہے یا تصور کرتا ہے یا اس نے کیا کہا کیا سوچا اور کیا تصور کیا اس کے برعکس وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ دیکھنا چاہیئے انسان نے کیا مادی ترقی کی ہے۔ اور اس مادی ترقی کے نتیجے میں اخلاق، مذہب، سیاست اور دوسرے نظریات پیدا کئے۔ افکار و نظریات مادی ترقی کی پیداوار ہوتے ہیں اس لئے یہ خود مختار نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی اپنی تاریخ ہوتی ہے اور نہ ان کی نشو و نما و ترقی علیحدہ طور سے ہوتی ہے ان کے ارتقا میں انسان کی مادی ترقی اور پیداوار کے ذرائع ہیں جنہوں نے اُن کی ہیت اور ساخت میں تبدیلی کی۔ انسانی تاریخ مبالغہ امیزی کا مجموعہ نہیں بلکہ انسان کی حقیقی زندگی کا عکس اور تصویر ہے۔

ارنلڈ جوزف ٹائن بی ۱۸۸۹ - ۱۹۷۶ء

ٹائن بی اپنی مشہور کتاب "مطالعہ تاریخ"، میں ۲۶ تمدنوں کے عروج اور زوال کی داستان بیان کرتا ہے اور ان تمدنوں کو چار حصّوں میں تقسیم کرتا ہے ٹائن بی کے نزدیک تاریخ کی تشکیل میں انسان کا ہاتھ نہیں بلکہ تاریخی عمل پراسرار قوت یا خدا کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ اس لئے ٹائن بی کے ہاں شخصیات پر زیادہ زور ہے جو اس عمل کو جاری رکھتی ہیں عوام کی اکثریت اس عمل میں محض مقلد ہے۔

اوسوالڈ اشپنگلر ۱۸۸۰

کیا انسان قدرت کی پراسرار طاقت کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہے۔
کیا وہ شطرنج کے بے جان مہرے کی طرح ہے۔
کیا وہ جس راستے پر چل رہا ہے وہ اس کے لئے پہلے سے متعین کیا جا چکا ہے۔
کیا انسان کی اپنی مرضی اور خواہش نہیں ہے۔

کیا تقدیر اور تاریخ لازم و ملزوم ہیں۔
کیا تاریخ بھی تقدیر کے بدھنوں میں بندھی ماضی کے انبار کو اٹھائے ایک ہی راستے پر رواں دواں ہے۔
دنیا کے ہر حصّے اور ہر دور میں کھیلا جانے والا یہ ڈرامہ آخر کیا ہے اس کا فیصلہ پہلے سے مرتب ہو چکا ہے۔
کیا انسان تقدیر کے اُٹل قانون کو تبدیل نہیں کر سکتا۔
کیا وُہ تقدیر کا مالک نہیں ہے تقدیر کی بھاری زنجیروں میں بندھا و جکڑا انسان حرکت و آزادی سے محروم مستقل ایک نپے تلے راستہ پر چلا جا رہا ہے۔ اشپنیگلر ان تمام سوالات کے جوابات اثبات میں دیتا ہے۔ وہ تقدیر اور تاریخ کو ایک مضبوط رشتہ میں جکڑا ہوا دیکھتا ہے ایک مضبوط اور آہنی رشتہ جسے توڑنا انسان کی قوت و طاقت سے باہر ہے۔

برٹنڈ رسل

علم تاریخ پر ایک عرصہ سے یہ بحث چل رہی ہے۔ کہ تاریخ آرٹ ہے یا کہ سائنس برٹنڈ رسل کے نزدیک تاریخ سائنس نہیں ہے کیونکہ سائنس میں واقعات فیکٹس (FACTS) کی جو اہمیت ہے اس کا اطلاق تاریخ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ فیکٹس سائنس ان ڈکیٹو کے لئے اہم ہوتے ہیں۔

جکیب کرسٹوف بورک ہارڈنٹ ۱۸۱۸ - ۱۸۹۷

بورک ہارڈنٹ کے نزدیک جس طرح ایک سرسبز کھیت کو بری طرح پائمال کر دیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بنجر ہو جاتا ہے اسی طرح افراد کو پوری طرح سختی سے تباہ و برباد کر دیا جائے تو اُن کی تخلیقی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں وہ کبھی صحت مند قوم کی صورت میں دوبارہ پیدا نہیں ہوتے بورک ہارڈنٹ اس نظریہ کا قائل نہیں ہے کہ ہر تباہی کے بعد تعمیر ہوتی ہے اور خاکستر سے ایک جہاں پیدا ہوتا ہے۔

اہم واقعات

۱ ۱۴۷۲ء دریائے سندھ عبور کر کے ہزارہ میں تنولیوں کی آمد

۲ ۱۸ر اپریل ۱۴۷۲ء ترکوں اور تنولیوں کے درمیان خونریز جنگ

۳ ۲۸ر جون ۱۴۷۲ مہاراجہ چنڈیرا اور تنولیوں کے درمیان جنگ

۴ ۱۴۷۲ء مفتوح غیر آباد سنگلاخ علاقے کا نام تناول رکھا گیا

۵ ۱۴۸۴ء ریاست پلال کا قیام

۶ ۱۵۷۹ء سردار معالخان پلال کی وفات

۷ ۱۵۸۱ء سردار قبول کی شہنشاہ اکبر سے ملاقات

۸ ۳۱ر اگست ۱۵۸۹ء شہنشاہ اکبر کے نورتن حکیم عبدالفتح گیلانی کا دھمتوڑ کے مقام پر انتقال

۹ ۱۶۶۶ء سردار قبول خان پلال کی وفات

۱۰ ۱۶۸۶ء ترکوں اور تنولیوں کی دوسری جنگ

۱۱ ۱۷۲۳ء سردار بہادر خان پلال کی حضرت شاہ ولی اللہ سے ملاقات

۱۲ ۱۷۶۱ء پانی پت کی تیسری لڑائی

۱۳ ۱۷۷۲ء ریاست ہندوال امب کا قیام

۱۴ ۱۷۸۲ء زبردست خان المعروف صوبہ خان کی وفات

۱۵ ۱۸۰۰ء سکھ ریاست کا قیام

۱۶ ۱۸۰۰ء ریاست پلال کی تقسیم

۱۷ ۱۸۰۵ء سردار فتح شیر خان پلال کا انتقال

۱۸ ۱۸۰۹ء سردار گل شیر خان پلال کی وفات

۱۹ ۱۸۱۰ء سردار ہاشم خان ہندوال کا قتل

۲۰ ۱۸۱۲ء سردار محمود خان کا انتقال

۲۱ ۱۸۱۳ء نواب خان ہندوال اور امیر خان درّانی پسر دوست محمد خان والئی کابل کا سردار احمد علی خان پر حملہ

۲۲ ۱۸۱۳ء سادات کا سردار احمد علی خان پر حملہ

۲۳ ۱۸۱۴ء سردار احمد علی کا قتل

۲۴ ۱۸۱۴ء سردار پائندہ خان اور مدد خان کا چھہڑ پر حملہ

۲۵ ۱۸۱۴ء نواب خان ہندوال کا قلعہ بھوہار پر حملہ

۲۶ ۱۸۱۶ء نواب خان ہندوال اور عظیم خان پسر دوست محمد خان والئی کابل کے درمیان کش مکش

۲۷ ۱۸۱۶ء جنگ بھوج درہ عظیم خان درانی اور نواب خان ہندوال کے درمیان

۳۰ ۲۸ر جنوری ۱۸۱۷ء عظیم خان کے حکم سے نواب خان ہندوال دریائے جہانگیرہ میں غرقابی

۳۱ ۱۸۱۸ء سکھوں کی ہزارہ میں آمد

۳۲ ۱۸۲۰ء سرحد کا کچھ حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے امیر دوست محمد خان کے تین بھائیوں سلطان محمد خان، یار محمد خان، اور فتح خان کو بعوض سالانہ ٹیکس دیا۔

۳۱ ۱۸۲۲ء ہزارہ پر سکھوں کا مکمل قبضہ۔

۳۲ ۱۸۲۳ء جنگ منگور سربلند خان مابین ہری سنگھ نلوہ

۳۳ ۱۸۲۳ء شنگڑی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنانا ہری سنگھ نلوہ کا انتقام

۳۴ ۱۸۲۳ء جنگ ہرتاڑہ

۳۵ ۷ر مئی ۱۸۲۴ء پائندہ خان کا قلعہ قادر آباد پر دھاوا

۳۶ ۱۸۲۴ء پائندہ خان کے جمعداروں کی صوابی میں گرفتاری

۳۷ ۵ر دسمبر ۱۸۲۴ء پائندہ خان کے قتل کا ناکام منصوبہ

۳۸ ۱۸۲۶ء پائندہ خان کا تربیلا پر شب خون

۳۹ ۲۱ر نومبر ۱۸۲۶ء سید احمد شہید کی سرحد میں آمد

۴۰ ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء سیّد احمد شہید کا اکوڑہ خٹک پر شب خون

۴۱ ۱۰ر جنوری ۱۸۲۷ء سرحد میں آزاد حکومت کا اعلان

۴۲ ۱۸۲۷ء پائندہ خان اور ہری سنگھ کے مابین جنگ

۴۳ ۱۸۲۸ء سیّد احمد شہید اور پائندہ خان کی ملاقات

۴۴ ۱۸۲۸ء تناول پر سیّد احمد شہید کا قبضہ

۴۵ ۱۸۲۹ء جنگ پھلڑہ

۴۶ ۱۸۳۰ء پائندہ خان کی ہری سنگھ نلوہ سے مدد کی درخواست

۴۷ ۱۸۳۰ء جنگ چیتر بائی تناول پر پائندہ خان کا دوبارہ قبضہ

۴۸ ۱۸۳۰ء یوسف زئیوں کی سازش مجاہدین کا قتل

۴۹ ۱۸۳۱ء مجاہدین کے مرکز کی تبدیلی

۵۰ ۶ر مئی ۱۸۳۱ء جنگ بالاکوٹ، سیّد احمد شہید کی شہادت

۵۱ ۱۸۳۱ء ہری سنگھ نلوہ کی وعدہ خلافی اور جہان داد خان کی واپسی سے گریز

۵۲ ۱۸۳۲ء قلعہ قادر آباد کی دوسری جنگ پائندہ خان مابین ہری سنگھ نلوہ

۵۳ ۲۶ر مارچ ۱۸۳۷ء پائندہ خان کا بہارگوکوٹ پر حملہ

۵۴ ۱۸۳۹ء راجہ رنجیت سنگھ کا انتقال

۵۵ ۱۲ر جون ۱۸۴۱ء دریائے سندھ میں طغیانی

۵۶ ۱۸۴۳ء پائندہ خان کی وفات

۵۷ ۹ر مئی ۱۸۴۵ء سربلند خان کی وفات

۵۸ ۱۸۴۵ء برصغیر میں پہلی اسلامی حکومت کا مختصر عرصہ قیام

۵۹ ۱۸۴۵ء سکھوں اور انگریزوں کی پہلی جنگ

۶۰ ۱۸۴۶ء میجر جیمس ایبٹ کی ہزارہ میں پہلی دفعہ آمد

۶۱ ۱۸۴۸ء بغاوت ملتان

۶۲ ۱۸۴۹ء میجر جیمس ایبٹ ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے

۶۳ ۱۸۵۱ء کوہ سیاہ کی پہلی مہم

۶۴ ۱۸۵۷ء ہندوستان کی آزادی کا اعلان

۶۵ ۱۴ر اگست ۱۸۵۷ء مہاراجہ گلاب سنگھ کا بمقام سری نگر انتقال

۶۶ ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء سیّد اکبر شاہ ستھانوی کا ستھانہ میں انتقال

۶۷ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء مردان میں مقیم ۵۵ نمبر رجمنٹ کی بغاوت

۶۸ ۱۸۷۳ء سردار مدد خان پھلڑہ کا انتقال

۶۹ ۲۶ مئی ۱۸۷۶ء نواب خان رئیس شنگڑی کا انتقال

۷۰ ۱۸۹۸ء میجر جیمس ایبٹ کا جزیرہ وائیٹ میں انتقال

۷۱ ۸ فروری ۱۸۹۸ء نہایت اللہ خان رئیس جہنڈ کا انتقال

۷۲ ۱۹۰۷ء سردار محمد اکرم خان کی وفات

۷۳ ۱۹۱۶ء منشی قلندر خان کی وفات

۷۴ ۱۹۲۱ء بابا بہرام خان تنولی کا انتقال

۷۵ ۱۴ر اپریل ۱۹۳۹ء مولانا محمد عرفان کا بمبئی میں انتقال

۷۶ ۱۹۳۵ء خان بہادر سلطان محمد خان رئیس بیڑ کا انتقال

۷۷ ۱۹۵۸ء محمد فرید خان (سابق وزیر صحت) کا قتل

۷۸ ۱۹۷۰ء محمد فرید خان والئی امب کا انتقال

۷۹ ۱۹۷۸ء ملک محمد عالم خان اعوان کا انتقال

۸۰ ۱۴ر اگست ۱۹۸۶ء ڈاکٹر سید عبد اللہ کی وفات

۸۱ ۲۳ر جنوری ۱۹۹۱ء محمد یوسف خان تنولی کی وفات

۸۲ ۲۴ مئی ۱۹۹۱ء کرنل عبد الغفور خان کا انتقال

۸۳ جنوری ۱۹۸۸ء ملک غلام ربانی کا انتقال

ایک ہی نام کے کچھ تاریخی مقامات آپس میں نام کی مطابقت سے ملتے جلتے ہیں جن کی تشریح یہاں پیش ہے ماضی میں امب ہندوؤں کا ایک مشہور و معروف مندر تھا یہ مند، سیکیر کے مقام پر واقع ہے۔ دوسرا امب جو قدیم امبولنیا کے نام سے مشہور تھا۔ تربیلا ڈیم بننے کے سبب اس کا نام نشان مٹ چکا ہے بعض کتب میں امبولیما ہی تحریر کیا گیا ہے۔ کتاب الیگزینڈر آن دی انڈس ٹریک" میں اس کا نام امبولیما ہی تحریر ہے۔ بھلٹرہ ایک مشہور و معروف قصبہ بیکانیر انڈیا میں واقع ہے۔ اسی طرح دربند کا مشہور شہر بحرہ کیسپین کے کنارے واقع ہے۔ تناول عربی میں کھانا کھانے کو کہتے ہیں یہ عربی کا لفظ ہے جو اردو میں مستعمل ہے تناول فرمانا۔ تناول فرمائیے۔ وغیرہ ماضی میں تناول کی نسبت متعلقہ قوم کو تناولیاں لکھا اور پکارا جاتا رہا ہے

مطبوعات فدا حسین

موضوعات	اشاعت	صفحات	نام کتب
معاشرت	۱۹۵۷	۴۲۵	زنگ آلودہ
معاشرت انعام یافتہ	۱۹۶۰	۲۶۰	سادہ زندگی
تاریخ	۱۹۸۶	۱۲۰	آئینہ ایبٹ آباد لاثانی
طب د تحقیق	۱۹۸۹	۲۲۵	ذیابیطس اور خوراک
ماحولیات	۱۹۸۹	۲۲۵	آلودگی
تاریخ - عالمی واقعات	۱۹۹۰	۴۰۰	ٹوڈے بی ہا ہینڈ دی انویس (طرز انگریزی)

زیرِ قلم - دُرِ نایاب، آوارہ زلیست، تاریخ ہزارہ، بشام سے مارگلہ

قدیم کتب، سکوں، نقشوں اور کتبوں سے
ہزارہ اور اس کے ملحق علاقے پر روشنی

تناول ہزارہ کا تاریخ ساز علاقہ ہے آج تک کسی نے اردو زبان میں اس کے حالات اور واقعات رقم نہیں کئے اس لئے آج کا قاری اس دور افتادہ علاقے سے نابلد ہے۔ سکندر اعظم کے حملے کے وقت یونانی مورخین نے ہزارہ کے شمال میں اس علاقہ کا ذکر اپنی کتب میں کیا ہے جو آج کل تناول کے نام سے منسوب ہے۔ یونانی مورخین قرطس لکھتا ہے سکندر اعظم نے راک سے امبولیا کی طرف مارچ کیا امبولیما ماڈرن امب تھا جو تربیلا بند کی وجہ زیر آب ہے۔ مشہور و معروف یونانی سفیر میگاستھنز نے اپنی کتاب انڈیکا" میں اس علاقہ کا ذکر کیا تھا جس سے امبولیما اور اس کے گرد و نواح کے مقامات اور پہاڑی قبائل اور ان کی عادات و خصائل پر روشنی پڑتی تھی۔ لیکن یہ کتاب اب ناپید ہو چکی ہے اب تک جو کچھ دستیاب ہوا ہے وہ بے جوڑ ٹکڑوں میں مختلف مسودوں سے دستیاب ہے یونانی مورخ کی دوسری کتاب انابیسس آف دی الیگزینڈر"، میں سکندر اعظم کے حملہ کی روئیداد درج ہے ایرین سب یونانی مورخین میں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ ہزارہ بشمول تناول پانچ ہزار سال قبل مسیح کشمیر کے ساتھ ملحق ہندو راجوں اور مہاراجوں کے زیر تسلط چلا آیا ہے اب یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کسی زمانے میں یہ علاقہ بختاری یونانیوں کی عملداری افغانستان (کابل) میں بھی شامل تھا۔ ان بختاری یونانی بادشاہوں کی قلمرو کی وسعت ہزارہ کی پہاڑیوں جو اب تناول کے نام سے موسوم ہیں پھیلی ہوئی تھی ہزارہ کی تاریخ بہت پرانی ہے مہابھارت میں اس کا ذکر ارگ کے نام سے کیا گیا ہے جس کو ارجن نے فتح کیا تھا۔ انگریز مورخین نے ارجن کو ارجونا کے نام سے لکھا ہے مہابھارت اور رامائن کا ترجمہ شہنشاہ اکبر کے حکم سے فارسی میں ہوا بلکہ کشمیر کی قدیم تاریخ راج ترنگنی کا ترجمہ بھی ان کے حکم سے فارسی میں کیا گیا۔ مہابھارت اور رامائن کی حیثیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ یہ دونوں کتب رزمیہ زمانے کی معاشرتی زندگی کی مکمل عکاس ہیں راج ترنگنی میں اوراسہ (ہزارہ) کا ذکر دوسری تاریخی کتب سے زیادہ ملتا ہے اس قدیم تاریخی کتاب کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قدیم اوراسہ اور کشمیر کے راجوں اور مہاراجوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی

رہتی تھیں جو راجہ بھی ذرا طاقت ور ہو جاتا تھا وہ سرکشی اختیار کر لیتا تھا اور کئی راجے گٹھ جوڑ سے بھی آپس میں ایکا کر لیتے تھے کہ ہم کسی کے باج گزار نہیں رہیں گے اگر کسی نے ہم پر حملہ کیا تو ہم مل کر مقابلہ کریں گے اس طرح اوراسہ کے دارالخلافہ کی طرف سامکارا ورہمن کی بدقسمت مہم کا ذکر ملتا ہے کئی ایسے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ہزارہ کے حکمران ہندو مہاراجے اپنے باغیانہ رویے کے باعث کشمیری حکمرانوں کے لئے مصیبت کا باعث بنے اور مطلق العنان ہو گئے راج ترنگنی میں لکھا ہے مالاجو کہ آقا بن کر کشمیر میں ابھرا جلدی اوراسہ کے حکمران ابھیر راجہ کے باغیانہ رویہ کی وجہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا مالا نے ابھیر راجہ پر حملہ کر دیا مالا کے ابھیر راجہ پر حملہ کرنے کے دو مقصد تھے ایک تو اسے اس کی سرکشی کی سزا دینا دوسرا اس کے بہترین گھوڑوں کے گلہ سے اسے محروم کرنا تھا۔ اوراسہ (ہزارہ) کا ایک اور حکمران راجہ سانگاتا ہے جس کی حکومت تناول کے علاوہ جنوب کی جانب دور تک پھیلی ہوئی تھی مختلف مسودوں میں زیر بحث رہا ڈاکٹر سر اول سٹین نے اسے سانگاجا کے نام سے لکھا ہے۔ قدیم اوراسہ تلمر و کا بڑا حصہ دتاستا جہلم اور انڈس دریاؤں کے درمیان واقع تھا ہیون سانگ چینی سیاح نے اس کا ذکر وو۔ لا۔ شی کے نام سے کیا ہے جو کہ کشمیر کی باج گزار تھی۔ ہیون سانگ ہزارہ کے جنوب مشرق کی طرف سے کشمیر میں داخل ہوا اس نے کشمیر میں پہلی رات وارام مولا موجودہ جدید بارہ مولا ہوسک پورہ جدید عسکور بارہ مولا کے بالکل مقابل گزاری اس کے بعد وہ کشمیر کے دارالخلافہ کی طرف بڑھا دو سال تک وہ کشمیر میں مہمان رہا ست راس اور ساست راس کا مطالعہ کرتا رہا۔ راج ترنگنی کا کنکن پورہ جو آج کل کاغان کے نام سے موسوم ہے اس کی ملکہ دیدا اپنے زمانہ کی مشہور و معروف ملکہ تھی جس کا دور دور تک چرچہ تھا ملکہ دیدا نے اپنے خاوند کیسم گپتا کی ایک یادگار تقریب کنکن پورہ کے دارالخلافہ کنکنا ورسا میں منائی تھی۔ کننگھم کی تحقیق کے مطابق گانگیر جو کاغان سے تھوڑا اوپر سطح سمندر سے ۷۰۰۴ فٹ کی بلندی پر ۱۵ء ۷۵ درجے سے لیکر ۱۸ء ۳۴ درجے عرض بلد میں واقع ہے بلاشبہ جونا راجہ کی گانگیری ہے راجہ جونا اپنے وقت کا مشہور و معروف راجہ ہو گزرا ہے۔ ہیون سانگ چینی سیاح اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے ہزارہ کا دارالخلافہ مانگل تھا ہیون سانگ نے راجہ درلبھ وردھن کے عہد حکومت میں کشمیر اور پونچھ کی سیاحت کی وہ لکھتا ہے ہزارہ اور پونچھ کشمیر میں شامل ہیں ہیون سانگ ساتویں صدی عیسوی میں ہزارہ میں آیا۔ قدیم زمانے میں ہندو ہزارہ کے پہاڑوں کو بہت متبرک سمجھتے تھے ان پہاڑوں پر ارجن نے تن تنہا ایک بہت بڑے دیوتا سے

جنگ کی تھی گو شکست کھائی تھی لیکن دیوتا سے ایک ایسا ہتھیار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا دیندار ہندوؤں کے لئے یہ پہاڑ بیرتھ بنے رہے ہے۔ موریہ خاندان چندر گپت کے زمانے سے لیکر راجہ رسالو کے عہد تک اس علاقہ کو بہت اہمیت حاصل رہی راجہ رسالو جو سالباہن کا بیٹا تھا اس کا عہد دو صدی بعد از مسیح ہے۔

سالباہن کی حکومت سیالکوٹ میں تھی لیکن راجہ رسالو نے بزور شمشیر، شجاعت اور بہادری سے بہت سے علاقے فتح کئے جن میں ہزارہ بھی شامل تھا راجہ رسالو کے متعلق بہت سی روایت مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے جب اس نے ہزارہ فتح کیا تو پھر وہ مستقل یہاں رہنے لگا اس امر کے واضح ثبوت اس کے بیٹے، رانی اور گھوڑے سے منسوب مقامات ہیں مانگل کا شہر راجہ رسالو کے بیٹے مانگل نے آباد کیا تھا تناول میں واقع مقامات کو کلاں راجہ رسالو کی چہیتی رانی تھی اور لولی پیاری گھوڑی تھی کئی صدیاں گزرنے کے باوجود بھی ان الفاظ میں ذرا بھر فرق نہیں پڑا اور اسی نام سے منسوب چلے آ رہے ہیں اور اپنے قدیم آقاؤں کا بھرم قائم رکھے ہوئے ہیں پنجاب کی لوک کہانیاں آر سی ٹمپل نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ جمع کیں اس وقت صوبہ سرحد بھی پنجاب کا ایک حصہ تھا۔ پنجاب سے ان کی تبدیلی جزیرہ انڈیمان میں ہوئی جو پنجاب سے بہت دور تھا لیکن انہوں نے اسی لگن اور محنت کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا یالآخر ۱۹۰۰ میں جزیرہ انڈیمان پورٹ بلیئر سے حکایات پنجاب تین جلدوں میں شائع کیں۔ انہوں نے راجہ رسالو کی کہانی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا اور ان مقامات کو خود دیکھا جن کا تعلق راجہ رسالو سے تھا انہوں نے ۱۸۹۶ میں عثمان کھٹڑ کے پاس راجہ رسالو کا ٹوپ دیکھا۔ ایبٹ آباد سربن پہاڑ میں واقعہ راجہ رسالو کی غار دیکھی جب گائیڈ کے ذریعہ راجہ رسالو کی ایک دوسری غار کا معلوم ہوا تو ایبٹ آباد سے گھوڑوں کے ذریعے یہ سفر طے کر کے تناول میں واقع دوسری غار اور مقامات دیکھے آر۔ سی ٹمپل پہلا غیر ملکی تھا جس نے غیر معروف دور افتادہ علاقے میں سفر کر کے اپنی کتاب کے ان تاریخی مقامات کو خود دیکھا جانچا اور پرکھا۔

ہندو کہتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کے تمدنی کمالات اور ملکی عروج کی داستانیں مہابھارت اور رامائن جیسی رزمیہ کتب اور پرانوں و ویدوں میں قلمبند ہے لیکن ہندوؤں نے ان تمام داستانوں کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ ہندوؤں کے برعکس یورپین مورخین اور سکالروں نے ہندوؤں کی قدیم کتب پر تحقیق کا کام بہت زیادہ کیا ہے ان داستانوں کو سہل اور آسان

بنانے میں اور ترجمہ کرنے میں مغربی سکالروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ راج ترنگنی ۱۱۴۹ء میں پنڈت کلہن نے تحریر کی تھی پنڈت کلہن کو انگریز کلنا لکھتے ہیں۔ سر اورل سٹین نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ ٹھاکر اچھر چند شاہ پوری نے انگریزی کے اس ترجمہ کو ۱۹۱۵ء میں اردو میں منتقل کیا اور اس پر مزید حاشیے لکھے راج ترنگنی سے بھی قدیم شہرت یافتہ کتاب الہند ہے۔ یہ کتاب سلطان محمود کے عہد کے ایک نامور شہرت یافتہ محقق و عالم ابو ریحان البیرونی نے ۱۰۳۰ء میں تالیف کی۔ البیرونی نے ہندوستان میں رہ کر سنسکرت سیکھی اور ہندو تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کیا ہندوؤں نے اسے ودیا ساگر کا خطاب دیا یعنی علم کا دریا۔ البیرونی کی کتاب "الہند" سے ہزارہ کے ایک قدیم شہر اور ایک قدیم راستہ کی تفصیل کا ذکر ملتا ہے جو ہزارہ سے ہوتا ہوا کشمیر جاتا تھا یہ راستہ بربان سے دھمتوڑ ببرن گلی سے پتن۔ راڑہ مظفر آباد جاتا تھا۔ افغانستان کابل سے کشمیر جاتے ہوئے ہزارہ سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ اور یہ شاہراہ قدیم زمانے میں بہت معروف تھی بدھ مت کے پیروکار اشوک اعظم کے نصب کردہ کتبے بھی اس شاہراہ پر واقع ہیں جو آج بھی اس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کسی زمانے میں یہ شاہراہ بہت مصروف تھی ہر روز یہاں سے قافلوں کا گزر ہوتا تھا۔ البیرونی نے اپنے مذکورہ راستے پر ایک مشہور بارونق شہر بابربان کا بھی ذکر کیا ہے جو ببرن گلی ہے یہ شہر کافی عرصہ تک متنازعہ رہا بالآخر سر۔ اے کنگھم نے ڈپٹی کمشنر ہزارہ کے تعاون سے صحیح صورت واضح کی اور اپنی کتاب انشنٹ جگرافی آف کشمیر میں صحیح واقعات کو جگہ دی۔ البیرونی اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے ہندوستان کے لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگوں میں دو چیزوں کا شوق زیادہ پایا جاتا ہے ایک بوڑھوں کو جوان بنانا دوسرا پیتل کو سونا بنانے کا خبط عام ہے۔ پنجاب کی پرانی تواریخ میں ہزارہ کا ذکر سندھ ساگر دوآب میں ہوتا آیا ہے دوآب اس جگہ کو کہتے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو ہزارہ، جہلم، کوہستان نمک، دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے درمیان واقع ہیں۔ دنیا میں کوہستان [illegible] کو ایک منفرد مقام [illegible] کے نسخہ محفوظ [illegible]

سے سائنسدان تحقیقات کے لئے آتے رہتے ہیں۔

قدیم ارض پاکستان کا پہلا نقشہ اور مستند جغرافیہ دان ٹالمی۔

فاتح عالم سکندر اعظم کے ساتھ آنے والے مشہور جغرافیہ دان ٹالمی نے سب سے پہلے یہاں کا نقشہ بنایا یہ نقشہ اس لحاظ سے پاکستان کا پہلا نقشہ تھا جس کو ایک غیر ملکی مستند جغرافیہ دان نے بنایا۔ مستند جغرافیہ دان ٹالمی کے بنائے ہوئے نقشہ کو دوسرے یونانی وقائع نگاروں نے اپنی اپنی سرگزشتوں میں جگہ دی تاریخ عالم میں گیارہ ٹالمی ہو گزرے ہیں ٹالمی نمبر ایک ٹالمی نمبر دو اسی طرح ان کی تعداد گیارہ تک جاتی ہے۔ جس ٹالمی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ سکندر اعظم کے ساتھ آیا تھا اور سکندر اعظم کے بہت قریب تھا اس کے باپ کا نام لاگوس تھا سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کی ایک داشتہ سے شادی کر کے مصر کا بادشاہ بن گیا۔ ٹالمی نے اپنے نقشہ میں ہزارہ کو۔ اپا۔ یا اوپا کے نام سے ظاہر کیا ہے اور امبولیا (امب) کو وہ دریائے سندھ کے دائیں جانب ظاہر کرتا ہے۔ ٹالمی نے اپنے نقشہ میں ہزارہ کے ایک بارونق شہر آہوپوس کو ظاہر کیا جو ٹیکسلا سے شمال کی طرف قائم و دائم تھا اس کے بعد اس شہر کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مورخین اس کی کوئی وضاحت نہیں کر سکے ممکن ہے کہ یہ کسی ناگہانی آفات سے دوچار ہو گیا ہو ٹالمی اوپا کو دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے درمیان ظاہر کرتا ہے جس کا بادشاہ سکندر اعظم کے زمانے میں ارساکیس تھا۔ ہزارہ کے ایک دوسرے شہر جو آج کل اگرور کے نام سے موسوم ہے ٹالمی نے اس کا ذکر اتیو گرا پورہ کے نام سے کیا ہے صدیاں گزرنے کے بعد شہروں کے ناموں میں فرق پڑ گیا ہے۔ علم اللسان اور علم الصوت کے ساتھ علم التبدیل الحروف نے امبولیا کا ولیا جدا کر کے حرف تنہا امب چھوڑ دیا اتیو گرا پورہ کے پہلے اور بعد کے حروف غائب ہو گئے اور مزید دو الفاظ لگ کر اگرور بن گیا۔ ہسٹری آف پنجاب مطبوعہ ۱۸۹۱ء مولف سید محمد لطیف ایکسٹرا جیوڈیشل کمشنر گورداسپور، فیلو پنجاب یونیورسٹی

ممبر بنگال ایشاٹک سوسائٹی نے صفحہ ۶۲ پر پیکیلا یا پیکیاٹس کو پکھلی قرار دیا ہے۔ سر ارل سٹین کی تحقیق کے مطابق ابی سارہ جو بعد میں اوراسہ کہلایا پکھلی کا قدیم نام ہے

ابی سارہ کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ سکندر اعظم نے یہ علاقہ ایک یونانی راجہ ابی سارہ کو اس کی خدمت کے صلے میں عطا کیا تھا۔ چونکہ ابی سارہ بہادر اور زیرک تھا اس کے بعد میں یہ علاقہ بہادر اور زیرک لڑنے والوں کا وطن ابی ساریز کہلایا اس میں ہزارہ اور پونچھ کا علاقہ شامل تھا یونانی مورخین نے یہاں کہیں بھی ہزارہ کا ذکر آیا ہے وہاں انہوں نے لفظ ابی سارہ استعمال کیا ہے۔ مندرجہ بالا نام اپنے اندر قدیم رگ وریشہ چھپاتے ہوئے تھے جن کی ہیئت تحقیق کے بعد واضح ہو سکی لیکن مانگل کو یہ اعزاز حاصل ہے ۲۰۰۰ سال گزرنے کے باوجود آج بھی اسی طرح کا مانگل ہے گو یہ شہر اب بالکل نہیں ہے اس کے نقوش بھی اب مٹ چکے ہیں۔ لیکن کئی صدیاں اس شہر کی عظمت کا ڈنکا دور تک بجتا رہا یہ شہر ہزارہ کا دار الخلافہ تھا متعدد بار اس نے تن تنہا تند و تیز طوفان کا مقابلہ کیا ہے کئی بار اجڑا اور کئی بار بسا، رسالو کے بیٹے مانگل کا بھرم آج تک شہر کے بجائے ایک نالہ مانگل نے رکھا ہوا ہے جو پھوہار کے مقام سرن میں مل جاتا ہے۔

قلعہ اورنوس امب سے زیادہ دور نہیں تھا۔

سر۔ ارل۔ سٹین ہندوستانی انسپکٹر جنرل ایجوکیشن ماہر آثار قدیمہ نے اپنی مہم کے ساتھ سوات بیز اور امب کا سفر اختیار کیا تاکہ قلعہ اورنوس کا تعین ہو سکے۔ وہ پہلی مرتبہ امب میں ۱۹۰۴ء میں آئے دوسری دفعہ ۱۹۲۱ء میں آئے جبکہ ان کی ملاقات سید عبد الجبار شاہ سے بھی ہوئی جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب الیگزینڈر آن دی انڈس ٹریک کے ابتدائی صفحات میں کیا ہے۔ سر۔ ارل سٹین لکھتے ہیں ایرین یونانی مورخ وروزنامچہ نویس نے امبولیما کی صحیح سمت واضح نہیں کی اگر ہم قلعہ اورنوس کو دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر سمجھیں تو سکندر اعظم نے اس جگہ کا انتخاب بہتر جگہ کیا تھا۔ جہاں سامان کی نقل و حرکت آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہو سکتی تھی ڈاکٹر سر اے سٹین نے قلعہ اورنوس کا جو تعین اور نشان دہی کی ہے ان کے خیال کے مطابق اورنوس

اس جگہ واقع تھا جو کانٹر غور بند کے درے سے آگے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پیر سر کے نام سے مشہور ہے۔ ارنا یا ارنٹر کے نام سے ایک جگہ موجود ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ نے اب تک اپنے نام میں پرانا ریشہ زندہ قائم رکھا ہوا ہے بعض مغربی مورخین ڈاکٹر سر ارل سٹین سے شدید اختلاف رکھتے ہیں ان مورخین کے مطابق قلعہ اورنوس کا مقام مہابن ہے جو امب سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اختلاف رکھنے والوں میں (گیٹ آف انڈیا) کے مولف کرنل سر تھامس ہولیچ اور (انشنٹ انڈیا) کے مولف/ سی۔ جے رمیسن اور (افغانستان) کے مولف لیفٹیننٹ جنرل میکونن ہیں۔ میجر جیمس ایبٹ نے ۱۸۵۴ میں قلعہ اورنوس کو جہاں سکندر اعظم نے اس کا محاصرہ کیا تھا۔ مہابن کے علاقے میں دریائے سندھ کے کنارے پر ظاہر کیا تھا۔ کرنل سر تھامس ہیولیچ اپنی کتاب گیٹ آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۱۰ صفحات ۱۰۷ تا ۱۱۵ میں بحث و تشریح کرتے ہوئے میجر جیمس ایبٹ کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ کرنل سر تھامس ہیولیچ لکھتے ہیں مجھے میجر جیمس کی اس بات سے بالکل اتفاق ہے کہ قلعہ اورنوس مہابن کے علاقہ میں تھا اس قلعہ کا دریائے سندھ کے کنارے پر ہونا بالکل قلعہ کی افادیت اور محل وقوع کو بڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح انشنٹ انڈیا مطبوعہ ۱۹۲۱ء کے مولف لکھتے ہیں قلعہ اورنوس ماڈرن امب سے زیادہ دور نہیں تھا یہ قلعہ پتھروں کا بنا ہوا دیوقامت قلعہ تھا۔ اس قلعہ کی اونچائی ۶۶۰۰ فٹ تھی اوپر سے سیدھا بمعہ ترچھی ڈھلان اطراف تھا جو جنوب مغرب کی جانب سے سیدھا نیچے دریائے سندھ کی طرف رخ کیا ہوا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل میکونن اپنی کتاب مطبوعہ ۱۹۲۵ میں لکھتے ہیں یہ حقیقت ہے قلعہ اورنوس جس پر سکندر اعظم نے یک دم دھاوا کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ امب کے راستے میں تھا یہاں سے سکندر اعظم نے دریائے سندھ کو عبور کیا تھا۔

ڈاکٹر۔ ارل سٹین کے علاوہ مغربی مورخین و محققین قلعہ اورنوس کو مہابن کے مقام پر ہی دریائے سندھ کے کنارے اقرار دیتے ہیں ان کی وضاحت کے مطابق قلعہ کے لئے اس سے موزوں جگہ اور کوئی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ سکندر اعظم کی ٹیکسلا کی جانب پیش قدمی اور ہنڈ کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کرنے سے قبل سکندر اعظم کو نومبر ۳۲۷ میں قلعہ اورنوس کا محاصرہ کرنا پڑا تھا۔ قلعہ اورنوس کی

محاصرہ کے وقت لوگ راک اور امبولیا کی طرف بھاگ گئے تھے اور قلعہ اورنوس کی فتح دسمبر ۳۲۷ میں ہوئی لوگوں کے قلعہ اورنوس سے راک اور امبولیا کی طرف بھاگنے کا ذکر تمام یونانی مورخین نے کیا ہے۔ امبولیا جو دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع تھا یہ مہابن کے مشرق میں ۹ میل تک پھیلا ہوا تھا مہابن سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی بہت بڑا جنگل ہے۔ جب سکندر اعظم کابل سے براستہ باجوڑ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ اورنوس کی حدود میں داخل ہوا تو یونانی مورخین نے لفظ آریہ ان لوگوں کے لئے استعمال کیا۔ جو سندھ کے کنارے آباد تھے نہ کہ ان آریاؤں کے لئے جو قبل از مسیح ہندوستان میں آئے مورخین کا خیال ہے آریہ ہندوستان میں داخل ہوتے ہی دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ آباد ہوئے انہوں نے وہاں کے قدیم باشندوں کو دریائے سندھ کے دور افتادہ علاقہ کی طرف دھکیل دیا بقول ڈاکٹر ارل سٹین یہ قدیم باشندے درد ہیں اُن کی زبان گلگت اور لداخ سے ملتی ہے۔ ایک انگریز مسٹر ایمرسن انڈین سول سروس کی مرتب کی ہوئی رپورٹ ۱۹۴۱ کے مطابق یہ لوگ دریائے سندھ کے دونوں جانب بستے ہیں دائیں جانب سمات کوہستان بائیں جانب سندھ کوہستان ایک ہی قوم ہے جو پٹھانوں سے مختلف ہے ان کی زبان شینا ہے۔

<u>اوراسہ (ہزارہ) بختاری یونانی بادشاہوں کے زیر تسلط</u> اب ہم ان بختاری یونانی بادشاہوں کی طرف لوٹتے ہیں جن کی قلمرو ہزارہ اور تناول تک پھیلی ہوئی تھی ان بختاری یونانی بادشاہوں میں منیانڈر، ڈیمی ٹروسس، انٹی ماچوس، فیلوکیسنیز اور اپالوڈوٹس شامل ہیں۔ گو ان بختاری یونانی بادشاہوں کا عہد حکومت اتنا زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے ان بختاری یونانی بادشاہوں نے ہزارہ کے چاروں اطراف دور تک پھیلے ہوئے علاقہ پر حکومت کی ان کا دور حکومت قبل از مسیح تھا۔ ونسنٹ سمتھ اس امر کا راوی ہے فیلوکیسنیز مغربی پنجاب کا بادشاہ تھا اور اس کا زمانہ ۱۲۵ قبل مسیح تھا لیکن مسٹر ولسن، اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیلوکیسنیز کا عرصہ حکومت پانچ سال تھا اس کی حکومت ہزارہ کی پہاڑیوں تک محدود رہی فیلوکسینز ہزارہ کا بادشاہ تھا۔ مسٹر ولسن کی کتاب (آریانا انٹکا) مطبوعہ ۱۸۴۱

لندن یہ کتاب یونانی سکوں کی برآمد کے سلسلے میں ولسن کی شاہکار تصنیف ہے جس میں انہوں نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ انٹی ماچوس کے متعلق وہ لکھتے ہیں اس کے سکے ہزارہ تناول سے ملے ہیں اور کچھ سکے بیغرام (کابل) سے بیغرام سکندر اعظم کے بسائے ہوئے شہروں میں سے ایک تھا۔ مسٹر ولسن لکھتے ہیں انٹی ماچوس ہزارہ کا بادشاہ تھا لیکن اس کی سلطنت کی حدود کا تعین کرنے سے قاصر ہیں مسٹر ولسن کے نزدیک انٹی ماچوس پہلے پہل سکوں پر ہندی رسم الخط کندہ کرنے کی رسم جاری کی۔ دوسرے ماہرین آثار قدیمہ کی قیاس آرائی نقل کرتے ہوئے مسٹر ولسن لکھتے ہیں ہمارے خیال میں زیادہ قریب ترین دانش یہ ہے کہ ہم تسلیم کریں اس یونانی بادشاہ نے ہزارہ کی پہاڑیوں کے بالکل اوپر کے حصہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ منیانڈر کا دور حکومت ۱۶۰ سے ۱۴۰ سال قبل مسیح کا ہے منیانڈر پہلا یونانی بادشاہ تھا جس نے اپنے سکوں پر یونانی کے علاوہ پہلوی زبان بھی کندہ کرائی۔ منیانڈر قدیم مغربی پنجاب کے ان ممتاز بختاری یونانی بادشاہوں میں سے ایک ہے جس نے سیالکوٹ (سگالہ) کو پایہ تخت بنا کر پنجاب کے دوسرے علاقوں پر حکومت کی۔ مسٹر ولسن لکھتے ہیں منیانڈر کے سونے اور چاندی کے ایک سو سکے مسٹر مسیون نے ہزارہ کے ایک ہندو سے خریدے تھے نامعلوم جو کب سے قدیم سکوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا۔ منیانڈر کے سکے ہزارہ کے متعدد مقامات سے برآمد ہوئے اس کے علاوہ اس بادشاہ کے سکے بیغرام کابل سے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اپالوڈوٹس کے متعلق مسٹر ونسنٹ سمتھ سیکرٹری ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال لکھتے ہیں اس کا دور حکومت ۱۴۰ سال قبل مسیح کا ہے یہ بادشاہ غالباً یوکریٹڈس کا بیٹا تھا جس نے پنجاب کے شمال مغربی حصے بالخصوص ہزارہ بشمول تناول پر حکومت کی منیانڈر کے بعد یہی یونانی بادشاہ ہے جس کے زیادہ تعداد میں سکے اس علاقے سے دستیاب ہوئے لیکن مسٹر ولسن اس امر سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اپالوڈوٹس کو منیانڈر کا لڑکا خیال کرتے ہیں۔ ڈیمی ٹروس کا دور حکومت ۱۹۰ سال قبل مسیح کا ہے اس کے سکے زیادہ تر ہزارہ کے متعدد مقامات سے جمع کئے گئے ہیں سکوں کی تحقیق کے متعلق

جرمن اورنٹیل سوسائٹی برصغیر میں انڈوپارتھی بادشاہوں کے سکوں کے متعلق رپورٹ میں اظہار خیال کرتے رقمطراز ہے ۔ انڈوپارتھی بادشاہوں کے سکوں کے بارے میں علمائے تاریخ کو کافی دشواریوں سے گزرنا پڑا ہے اگر انڈوپارتھی بادشاہوں کی کوئی مفصل تاریخ ہوتی تو علمائے تاریخ کو ان دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا ۔

تناول کا محل وقوع اور قدیم تاریخ

سکندر اعظم کے وقت یونانیوں نے ہزارہ کے جس علاقے کا ذکر کیا ہے وہ آج کل تناول کے نام سے مشہور ہے ماضی میں تناول کا اپنا کوئی نام نہیں تھا صرف امبولیما اس علاقے اور گردو نواح کی پہچان تھا جس کا ذکر سب سے پہلے بدھوں نے اپنی کتب میں کیا ہے اس کے بعد یونانیوں نے اس کا ذکر اپنی سرگزشتوں میں کیا ہے تناول ۳۴ء۱۵ درجے سے لیکر ۳۴ء۲۳ درجے عرض بلد شمال ۷۲ء۵۲ درجے سے لیکر ۷۳ء۱۰ درجے طول بلد مشرق کے درمیان واقع ہے تناول کی آب و ہوا سردیوں میں سخت سرد اور گرمیوں میں کم گرم ہے زمین جو اپنے محور کی طرف سکڑ رہی ہے اس کی وجہ رونما ہونے والے زلزلوں کی زد کے قریب ہے اس کا کل مجموعی رقبہ ۷۴۰ مربع میل ہے۔ تناول پہاڑوں پر مشتمل علاقہ ہے اور یہ پہاڑ ایک دوسرے کو متوازی کاٹتے ہوئے دور تک نکل جاتے ہیں اس طرح ان پہاڑوں کے دامن میں کہیں کہیں سرسبز و شاداب وادیاں بنتی ہیں یہاں درختوں کی بہتات اور پانی کی فروانی ہے اسی غیر آباد بنجر و سنگلاخ علاقے پر تنولیوں نے غیر مسلموں کے ساتھ دو جنگوں کے بعد ۱۴۷۲ء میں قبضہ کیا اور فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے انہوں نے اس ویران پہاڑی بے گیاہ زمین کو اپنی قدیم جائے سکونت کی نسبت سے تناول کا نام دیا۔ سردار ہمارا خان پلال نے ۱۴۷۲ء میں ریاست پلال قائم کی ۔ ۱۴۸۴ - ۱۵۷۹ تک اس کے سربراہ رہے منشور کے مطابق بہ احسن طریقے سے اس ریاست کا انتظام بتدریج چلتا رہا تین سو سال بعد جب ہندوال شاخ کی طاقت میں اضافہ ہوا انہوں

نے سردار ہیبت خان ہندوال کی زیر قیادت ۱۷۷۲ء میں ایک الگ علاقے پر اپنا تسلط جما کر ایک ریاست قائم کر لی جو قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء تک قائم رہی لوئر تناول ۵۱۶ مربع میل یہاں پلال تنولیوں کی حکومت تھی عملاً سکھوں کے عہد تک باقی رہی ۔

امب (امبولیما) قبل از مسیح بدھ مت اور سکندر اعظم کے دور کا مشہور شہر

قدیم شہر امب جو تربیلا ڈیم بن جانے کے باعث زیر آب ہے ۔ بدھ عہد میں عروج پر تھا جس کا ذکر کثرت سے بدھوں کی تحریروں میں ملتا ہے اس شہر کا پورا نام امبولیما تھا جو اس وقت عام زبان زد تھا۔ ہندو دور میں یہ شہر ان چند بڑے شہروں میں سے ایک تھا جو آمدورفت اپنے کاروبار اور آب و تاب کے ساتھ دور دور تک مشہور تھے سکندر اعظم نے یہاں پڑاو ڈالا، منتقلی ساز و سامان اور عسکری مرکز کے لئے یہ جگہ پسند فرمائی کیونکہ یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر دریائے سندھ کا پاٹ دربند کے مقام سے چھوٹا ہو جاتا ہے بدھ دور کے اس مشہور شہر امبولیما کو یونانیوں نے اپنی تحریروں میں امبولیما ہی تحریر کیا ہے ۔ یونانیوں نے بھی یہ لفظ اس وقت کی عام بول چال اور بدھوں کی تحریروں سے ہی لیا تھا ایک فرانسیسی جرنیل اے کورٹ جنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نوکری اختیار کر لی تھی انہوں نے ۱۸۳۷ء میں قدیم تاریخی شواہد اور خاکوں کی مدد سے امبولیما کی صحیح نشان دہی کی اور اسے امب سے ہی منسوب کیا جو دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ جرنیل اے کورٹ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں آنے سے پیشتر محکمہ آثار قدیمہ فرانس میں کام کر چکے تھے ۔ ۱۸۳۰ء میں انہوں نے راولپنڈی سے ۱۲ میل دور مانکیالہ کے مقام پر سات چاندی کے سکے دریافت کئے یہ سکے جولیس سیزر، مارک انتھونی، اگسٹس قسطونیوں کے عہد کے ہیں ۔ جرنیل اے کورٹ نے تخت بھائی کے کھنڈرات جن کا تعلق مہاتما گوتم بدھ گندھارا تہذیب سے ہے ۱۸۳۶ء میں دریافت کئے تھے ان کھنڈرات کی حالت اتنی خراب نہیں ہے کیونکہ یہ شہر سے

کچھ فاصلے پر ہیں۔

یدھوں کی مستند کتب میں بہت سی جگہوں پر امبل لیما (EMBOLIMA) تحریر ہے جسے وہ اپنے جغرافیہ دمین (DEMO.I.N) میں بھی ظاہر کرتے ہیں۔ یونانیوں نے اس مقام کو اپنی تحریروں میں امبولیما لکھا ہے جسے مشہور جغرافیہ دان ٹالمی اپنے نقشہ میں ظاہر کرتا ہے۔ بعض کتابوں میں ایک روایت درج ہے روایت یہ ہے جب سید احمد شہید یہاں تشریف لائے تو یہاں ایک آم کا تناور درخت تھا جو کافی عرصہ پھل سے محروم چلا آرہا تھا سید احمد شہید نے دعا فرمائی اور آم کا درخت پھل دینا شروع ہوگیا۔ اس طرح اس شہر کا نام امب پڑھ گیا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ مذکورہ لفظ امبولیما کا مخفف امب ہے جو قبل از مسیح فاتح عالم سکندر اعظم کا عسکری مرکز بھی رہا گو زیر عتاب تھا ہمیشہ کے لئے زیر آب ہوا یہ حقیقت ہے کہ بہت اہم تاریخی مقام تھا۔ امب نام کا ایک مشہور مندر سکیسر سرگودھا میں واقع ہے۔ اس کا امبولیما سے کوئی تعلق نہیں ہے مذکورہ مقام صرف ہندوؤں کی عبادت گاہ تھا مندر کی جگہ عمارات بہترین سٹرکچرل ہونے کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتی تھی اور مشہور بھی گو قدیم تھی لیکن اتنی نہیں جس طرح کہ امبولیما قبل از مسیح تھا۔ امبولیما تناول کا ایک قدیم شہر تھا جب تناول نہیں تھا تو یہ اس کی پہچان تھا۔ امبولیما سے امب بنا بار ہا اس شہر نے دریائے سندھ کے تھپیڑ کھائے لیکن ہنستا رہا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا قوم اور ملک کے مفاد میں امب ہمیشہ کے لئے قربان ہو گیا درحقیقت یہ تنولیوں کی عظیم قربانی ہے جو بکھر گئے لیکن اپنے سے زیادہ قوم اور ملک کا مفاد مد نظر رکھا۔

تنولی تواریخ کے صفحات پر
تنولیوں کے متعلق مختلف مورخین اور دانشوروں کی آرا۔

سر ڈنزل برٹس کے سی۔ ایس۔ آئی کی مرتب کی ہوئی رپورٹ۔

"اے گلوسری آف دی ٹرائیب اینڈ کاسٹ آف دی پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پروانس" پنجاب اور صوبہ سرحد کے قبیلے اور ذاتیں جن کی تشریحات پہلی دفعہ ۱۸۸۳ ڈنزل برٹس نے مردم شماری کے ذریعہ مرتب کی اس کے دس سال بعد ۱۸۹۳ میں سر ایڈورڈ میکیگان کے سی۔ ایس۔ آئی نے دوسری دفعہ مردم شماری کرائی جسے اے۔ اے روز نے ہم اسالوں کی انتھک محنت و کاوش کے بعد تین جلدوں میں مکمل کر کے پیش کیا اب بھی دستیاب ہے۔ سر ڈنزل برٹس تیسری جلد کے صفحہ ۲۵۶ پر تنولیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے تنولیوں کا کہنا ہے کہ وہ امیر خان برلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے بیٹے پال اور ہند نے چار صدیاں قبل دریائے سندھ کو عبور کیا اور ہزارہ تناول میں آباد ہوئے۔ ان کا کہنا ہے تناول نام انہوں نے افغانستان کی مناسبت سے یہاں رکھا۔ سر ڈنزل برٹس اس کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتا ہے تھوڑا سا شبہ ہے کہ غالباً وہ آرین میں ہندوستانی نسل سے ہیں آگے چل کر وہ مزید لکھتا ہے کہ ہم سب سے پہلے ان کو دریائے سندھ کے کنارے مہابن میں پاتے ہیں یہاں سے چند صدیاں پیشتر یوسف زئیوں نے دریائے سندھ عبور کر کے ان کو نکال دیا تھا۔ اب وہ تناول اور اس سے متعلقہ پہاڑیوں پر جو دریائے سندھ اور رش کے میدان کے درمیان واقع ہیں قابض ہیں۔ وہ دو بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں پلال اور ہندوال موخر الذکر نے اپر تناول پر قبضہ جما لیا جو ایک نیم ریاست امب ہے۔ ۱۸۸۱ء میں چالیس ہزار تنولیوں میں سے ۸۷۳۷ تنولیوں نے اپنے آپ کو پلال شاخ میں واپس کیا۔ امب میں ہندوالوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا دفرال جو پلالوں کی ایک شاخ ہے ان کی تعداد ۱۹۶۴ ہے اور صرف ہندوال ۷۶ ۱۰ میں یہ محنتی اور امن پسند کاشت کار نسل ہے لیکن ان کی بڑھتی ہوئی ناقابل اعتمادی کی وجہ سے لفظ ہے قولی ان کے ساتھ چپک کر رہ گیا ہے۔

امپیریل گزیٹیر آف این۔ڈبلیو۔ایف۔پی

صفحہ ۱۳۵ کا وہ حصہ ملاحظہ فرمائیے جس کا تعلق قومیت سے ہے۔ تناول کے اصلی حکمران تنولی ہیں مغلوں کا ایک قبیلہ جس کی اولاد دو شاخوں پلال اور ہندوال میں منقسم ہے۔ اوّل الذکر سرن کے مشرقی جانب ضلع میں آباد ہیں مغلوں کے عہد میں اس کے سردار نے بیٹر کی بنیاد رکھی اندرونی مخالفت میں گورنر کشمیر مداخلت کا مجاز تھا۔ دریں اثنا اس دوران ہندوال شاخ نے قوت حاصل کر لی اس کا سردار نواب خان ہندوال درانیوں کے طفیل متمکن ہوا لیکن ۱۸۱۷ میں عظیم خان درانی کے ہاتھوں موت سے ہمکنار ہوا۔ اس کے لڑکے پائندہ خان نے اپنے وقت تاریخ میں ایک ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے وہ سکھوں کے برخلاف برسرِ پیکار رہا تنولیوں کی تعداد ...۵۹ ہے گو وہ پٹھان نہیں ہیں لیکن رسم و رواج اور روایت کے لحاظ سے پٹھانوں کے ساتھ مربوط بندھے ہوئے ہیں۔ (مردم شماری بمطابق ۱۹

کرنل ویس WACE "تاریخ ہزارہ"

اپنی کتاب تاریخ ہزارہ مرتبہ ۱۸۷۲ میں تنولیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں تنولیوں کی دو شاخیں ہیں ۱۔ ہندوال ۲۔ پلال۔ ہندوال شاخ سے نواب امب و دربند ہیں اور پھلیڑہ بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ پلال یہ شاخ زمانہ قدیم سے معزز چلی آرہی ہے تاریخ کے اوراق پر ان کے بڑے معرکے پائے جاتے ہیں ان کا ایک جدِ امجد زبردست خان المعروف صوبہ خان ملک کا صوبہ دار ہونے کی وجہ سے بڑا نامی وگرامی ہو گزرا ہے اس کی اولاد کے معززین صوبہ خانی کہلاتے ہیں تنولیوں کی مندرجہ آٹھ بڑی شاخیں ہیں ۱۔ میرال ۲۔ سیدال ۳۔ ہنیال ۴۔ ننکریال ۵ کرگوال ۶ نری تال۔ ۷۔ مجی تال ۸۔ بھجوال۔

کرنل ویس انگریز افسران میں بہت فعال اور قابل شخصیت ہو گزرے ہیں لینڈ ریوینیو سٹلمنٹ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ ہندوستان بھر کے انگریز افسران میں ہر دلعزیز تھے وہ بیمار ہو کر ۲۱ مارچ لاہور آئے اور دو دن بعد ۲۴ مارچ ۱۸۹۱ کو لاہور میں انتقال کر گئے ہندوستان کی تمام

یورپین برادری کو ان کی موت سے سخت صدمہ پہنچا لاہور میں دفنائے گئے۔

ایلٹسن اپنی کتاب "اقوام شمال مغربی سرحد"

میں اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ یہ لوگ ہندی نژاد ہیں جو پہلے مہابن میں بود و باش رکھتے تھے یہاں سے تقریباً تین صدیاں پہلے یوسف زیئوں نے انہیں شکست دی اور اس علاقے سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ تناول میں آباد ہوئے۔

میجر ریورٹی، اقوام افغانستان، طبقات الناصری جلد دوم

طبقات الناصری میں تو اس نے مغلوں پر سیر حاصل بحث کی ہے لیکن اقوام افغانستان میں تنولیوں میں دوسری قوموں کو بھی شامل کرتا ہے اور ساتھ لکھتا ہے سرداری کا حق صرف مغلوں کو حاصل ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل جے، ایم۔ وائیکلی "دی پنجابی مسلم"

مؤلف نے پنجاب کے تمام مسلمانوں کی ذات ان کی آبادی اور شاخوں کا احوال اپنی انگریزی کتاب "دی پنجابی مسلم" میں درج کیا ہے صفحہ ۱۵۹ پہ تحریر ہے کہ تنولیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ امیر خان کی اولاد ہیں جس کا تعلق برلاس مغلوں سے تھا۔ اس کے دو لڑکوں ہند اور پال نے سترھویں صدی کے اختتام پر مہابن کے گرد و نواح سے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پہاڑی سلسلہ میں سکونت اختیار کی بعد میں قبیلے کے نام پر اس کا نام تناول رکھا۔ شاخ ہندوال کا ملک فیوڈل تناول یا اپر تناول دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے ساتھ پھیلا ہوا ہے فیوڈل تناول کا حکمران نواب امب ہے شاخ پلال لوئر تناول بدلنک اور تحصیل مانسہرہ کے متعدد دیہات میں سکونت پذیر ہیں پلالوں میں بااثر خاندان لابیال عام طور سے صوبہ خانی کہلائے جاتے ہیں جن کے جانے پہچانے خاندان بھوبار، بیٹر، شنگرڈھی میں رہتے ہیں ان تین جاگیروں کے علاوہ شیروان اور جہیڈ میں بھی ہیں۔ تنولی محنتی ہیں کاشتکاری کرتے ہیں۔ اچھی صحت کے مالک ہونے کے باعث اچھے فوجی ثابت ہوتے ہیں پنجابی ان کی مادری زبان ہے لیکن ان میں چند پشتو بھی اچھی طرح بول لیتے ہیں۔ ان میں سے بہتوں نے پٹھانوں کے رسم و رواج اپنائے

ہوتے ہیں وہ اپنی وضع داری اور ملبوسات پر بہت فخر کرتے ہیں ۱۹۳۱ کی مردم شماری رپورٹ مردوں کی تعداد ۲۵,۰۰۰ ہے جس میں ۲۰,۰۰۰ فیوڈل تناول کے ہیں۔

ہندوال کی شاخیں (گوتیں)		بلال کی شاخیں (گوتیں)	
جمال	۱۔	لابیال صوبہ خانی	۱۔
چریال	۲۔	متیال	۲۔
لایال	۳۔	بنکریال	۳۔
ابدوال	۴۔	درال	۴۔
سرال	۵۔	سدیال	۵۔
لالل	۶۔	جدیال	۶۔
ہدوال	۷	بیگال	۷۔
بینرال	۸۔	نکرال	۸۔
جلوال	۹۔	انسال	۹
بہوال	۱۰۔	ماسد	۱۰۔
بیگیال	۱۱۔	رنیس	۱۱۔
نکرال	۱۲۔		
انسال	۱۳۔		
ماسد	۱۴۔		
رنیس	۱۵۔		

سر۔ الف کیرو سابقہ گورنر سرحد (دی پٹھان)

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے وقت صوبہ سرحد کے گورنر (۱۹۴۶-۱۹۴۷) سر الف کیرو تھے بہت ہی تجربہ کار اور منتظم صاحب علم گورنر تھے۔ انہوں نے پٹھانوں کی تاریخ دی پٹھان لکھی وہ پٹھانوں کی کئی صدیوں قدیم تاریخ سے پوری طرح واقف تھے

اس سے پہلے پٹھانوں کے متعلق اتنی مدلل کتاب کسی نے نہیں لکھی پٹھانوں کی تمام ذاتوں کا احوال بمعہ شجرہ نصب اس کتاب میں شامل ہے۔ دی پٹھان جو اعلیٰ درجے کی تاریخی و علمی کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر جناب محبوب علی نے کیا ہے جو ۱۹۲۷ میں ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں۔ اس کتاب میں سر الف کیرو نے گوجر گکھڑ، سید، تنولی، عباسی، کڑرال اور اعوان کا ذکر نہیں کیا اگر کہیں ان اقوام کے حالات و واقعات کی تاریخی کڑیاں پٹھانوں کے ساتھ ملتی ہیں تو وہ ان اقوام کو غیر پٹھان کہہ کر حالات کے آگے بڑھنے سے اجتناب کرتا ہے۔ ریاست سوات کے ساتھ ریاست امب کی ہمیشہ چپقلش کا ذکر کرتا ہے لیکن نواب امب کا ذکر اس لئے نہیں کرتا کہ وہ غیر پٹھان ہے اس لئے ان کے حالات کو وہیں ختم کر دیتا ہے۔ سر الف کیرو اپنی کتاب دی پٹھان میں یہ آخری الفاظ تحریر کر کے تنولیوں کو زیر موضوع نہیں بنانا چاہتا وہ لکھتا ہے چیف آف امب جو ضلع ہزارہ دربند میں رہتے ہیں نہ وہ اور نہ ہی اس کے آدمی پٹھان ہیں اس لئے وہ اس داستان سے باہر ہیں۔

ہربرٹ فلڈمین "دی لینڈ اینڈ پیپل آف پاکستان"

اپنی کتاب "دی لینڈ اینڈ پیپل آف پاکستان" کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں ایک چھوٹی لیکن خوبصورت ریاست جو ہزارہ کے شمال دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کا حکمران نواب آف امب ہے جس کا تعلق مغل خاندان سے ہے لیکن تناول میں اس کے علاوہ پٹھان بھی آباد ہیں ہربرٹ فلڈمین نے پاکستان کے تمام علاقوں میں رہ کر بغور مشاہدہ و مطالعہ کیا ہے اس کے بعد اپنی کتاب ضبط تحریر میں لائی ہے۔

ایڈورڈ۔ ای۔ ایور "کراس دی باڈر"

مولف اپنی کتاب کراس دی باڈر یا پٹھان اینڈ بلوچ صفحہ ۳۱۳ پر کوہ سیاہ کے حالات تحریر کرتے ہوئے تنولیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ پٹھان نہیں ہیں مولف ملک کو تو اچھا

لکھتا ہے ۔ جہاں تک ہزارہ ویلی کے متعلق اس نے اپنی کتاب میں ایک الگ مضمون تحریر کیا ہے جس کی ابتدا وہ شکسپیئر کے جملہ سے کرتا ہے ۔ ہزارہ کی تعریف کرتے ہوئے وہ تھکتا نہیں ہے ۔ لیکن لوگوں کے متعلق اس کی رائے اچھی نہیں ہے تنولی، سواتی، ترین، دلزاک، ترک، گوجر، سید، اعوان - ڈھونڈ - جدون الغرض کوئی قوم بھی اس کی ہجو سرائی سے بچ نہیں سکی ۔

شیخ نور الدین جمال "تاریخ المقدونی"

صوبہ سرحد کے ایک شخص ایس این جمال نے ۱۸۹۱ء میں اردو میں ایک تاریخ لکھی جس کا نام "تاریخ المقدونی" تھا ۔ ۱۹۰۰ء میں وہ ریاست امب آیا اور نواب سر محمد اکرم خان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی تالیف شدہ کتاب "تاریخ المقدونی" نواب صاحب کی خدمت میں پیش کی جس میں ان کا شجرہ نسب سکندر اعظم بن فیلقوس سے جاملتا تھا ۔ اس شخص کا خیال تھا کہ نواب صاحب خوش ہو کر انعام واکرام سے نوازیں گے لیکن نواب موصوف نے جلد ہی اس شجرہ نسب کی نفی کر دی اور تردید کے ساتھ اس شخص کو بتایا کہ یہ صحیح اور درست نہیں ہے کہ ہم سکندر اعظم کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔

کرنل چارلس مین نے اپنی کتاب رو ئسائے با اختیار و نامی خاندان مطبوعہ ۱۸۹۴ء میں نواب سر محمد اکرم خان کے سی ۔ ایس آئی کے باب میں ایک ایسے ہی شجرہ نصب کا ذکر کیا ہے کہ نواب صاحب کے پاس ایک شجرہ نسب ہے جس سے ان کا سکندر اعظم کی اولاد سے ہونا پایا جاتا ہے نیز اس شجرہ نسب کی رو سے نواب صاحب کا نسب حضرت اسحٰق و حضرت ابراہیم سے ملتا ہوا باوا آدم تک جا پہنچتا ہے اس شجرہ نسب کی حقیقت کیا تھی جو مندرجہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے ۔ شیخ نور الدین جمال نے بمبئی میں سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر لیا صوبہ سرحد سے ہجرت کے بعد وہ دوبارہ کبھی پشاور نہیں آیا ۔

منشی دین محمد فوق "اقوام کشمیر"

وہ اپنی کتاب "اقوام کشمیر" میں تنولی خان کو ضراب کا پوتا لکھتے ہیں اور دو روایتیں بیان کرتے ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ ضراب خان ہرات سے کشمیر آئے کچھ عرصہ کشمیر میں آرام کرنے کے بعد وہ ضلع راولپنڈی تحصیل کہوٹہ کے ایک گاؤں دوران کوٹ میں آباد ہو گئے ۔ عباسیوں کی روایت میں ہے جب ضراب خان آئے تھے تو ان کا لڑکا گاہی خان بھی ان کے ساتھ تھا ۔ انہوں نے اس ویران جگہ کو صاف کر کے اپنی حفاظت کے لئے ایک قلعہ نما مکان بنایا جسے اس زمانے میں کوٹ کہتے تھے بعد میں یہ جگہ ضراب کوٹ کے نام سے مشہور ہوئی ضراب کا لفظ لوگوں کو بولتے بولتے ضراب سے راب ہو گیا اب موجودہ وقت اس کو دوراں کوٹ کہتے ہیں ۔

دوسری روایت وہ یہ بیان کرتے ہیں جب ضراب خان اس مقام پر آباد ہوئے تو ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام گاہی خان رکھا گیا جب وہ بڑا ہوا تو ایک بزرگ نے اسے کثیر اولاد ہونے کی بشارت سنائی ۔ جو سچ ثابت ہوئی ۔ گاہی خان کے ہاں بارہ بیٹوں کی ولادت ہوئی جن کے نام یہ ہیں ۔ کھوندر خان ۔ تنولی خان ۔ سراڑہ ، مس دلبوس ۔ بارہ ہزاریا ۔ جھجر کنال یالال کھرل ۔ اگر ۔ حاکم ۔ موسم نامی ان بارہ فرزندوں کی شاخیں تحصیل مری ، ضلع ہزارہ تحصیل باغ کے غربی حصہ میں آباد ہیں مولف نے کھوندر خان کو بارہ پشتوں میں حضرت عباس سے ملایا ہے ۔ خوندر خان کی چھٹی پشت سے ڈھونڈ نامی سردار پیدا ہوا جس کی شاخ کے تمام افراد اس وقت پونچھ تحصیل باغ ، کوہ مری اور ضلع ہزارہ میں آباد ہیں ۔ تنولی خان جس کے نام سے ہزارہ کی تنولی برادری موسوم ہے سراڑہ خان جس کے نام سے لاکھوں لوگ موسوم ہیں گاہی خان کے فرزند بتائے گئے ہیں ۔

محمد الیاس مرزا ایم ، ایس سی پنجاب یونیورسٹی لاہور "پہچان"

جناب محمد الیاس مرزا اپنی کتاب پہچان کے صفحہ ۲۵ پہ تنولیوں کو مغل ظاہر کرتے ہیں جناب

محمد الیاس مرزا نے ۱۹۷۰ء میں مغلوں کے بکھرے ہوئے قبیلوں کو یکجا کرنے کی ایک مہم کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے پاکستان کے علاوہ افغانستان، ایران، عراق اور بھارت کی لائبریریوں اور چیدہ چیدہ شخصیات سے مغلیہ خاندانوں کا مستند مواد اور دستاویزات حاصل کیں۔ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے یہ اس قدر کٹھن اور مشکل کام تھا کہ اس کے لئے ایک باقاعدہ تحقیقاتی ادارہ کی ضرورت تھی۔ مگر اس باہمت مردواحد نے اس عظیم کام کو بطریق احسن سرانجام دیا۔ اور ایک اور کتاب بموسوم (پاکستان کے مغل قبائل) ترتیب دے کر عوام میں روشناس کرائی وہ دریں بھر دوسری قوموں کی تشریح کے ساتھ تنولیوں کو مغل ظاہر کرتے ہیں۔

سردار محمد اکرم خان ریٹائرڈ جج "آئینہ قریش"

سردار محمد اکرم خان ریٹائرڈ جج نے اپنی کتاب آئینہ قریش مطبوعہ ۱۹۷۶ء میں تنولی اور سراڑہ خاندانوں کو ڈھونڈ قوم کی شاخیں اقرار دیا ہے لیکن وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قابل اطمینان رشہادت بہم نہیں پہنچا سکے۔ کیونکہ تنولیوں اور سراڑہ کی دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے یہ دراصل مغل گوت سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنی کتاب میں مزید لکھتے ہیں تنولی زیادہ تر ہزارہ میں آباد ہیں ان کی آبادی تقریباً ۶۰ ہزار کے لگ بھگ ہے ان دونوں کے جدامجد گاہی خان تھے جن کے بہت سے لڑکوں سے ایک سراڑہ اور ایک تنولی خان تھے۔ اسی مناسبت سے ان قبیلوں کی بنیاد پڑی گیال جو گابی خان کی اولادیں ان کا مقبرہ تحصیل کہوٹہ سے چار میل دور دوراں کوٹ کے مقام پر واقع ہے۔

اعظم بیگ "تاریخ ہزارہ"

یہ تاریخ ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے اعظم بیگ کی تاریخ ہزارہ سے سب نے مدد لی ہے اعظم بیگ ہزارہ میں اسسٹنٹ کمشنر تھے اس سے قبل ۱۸۶۲ء میں جب ضلع ہزارہ میں بندوبست قانونی تحقیق حقوق اراضی جاری ہوا۔ تو انہوں نے میجر آدم کے ماتحت کام کیا اور راجگان گکھڑ کے علاقے میں متعین ہوئے انہوں نے بہت اچھی طرح ہزارہ کی

معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور اقوام ہزارہ کا ذکر کیا ہے جب ان کی تبدیلی ہزارہ سے جہلم ہوئی تو انہوں نے وہاں تاریخ جہلم لکھی۔ اعظم بیگ نے تنولیوں کا تعلق امیر خان مغل برلاس سے ظاہر کیا ہے اور تنولیوں کو اس کے لڑکوں کی اولاد بتایا ہے جن کے نام پال اور ہند تھے ان کی نسبت سے تنولیوں کے پلال اور ہندوال دو مشہور پیتے چلے آ رہے ہیں۔ تنولیوں نے تناول پر قابض ہونے سے قبل ترکوں کے ساتھ ایک خونریز جنگ لڑی اور ان کو شکست دینے کے بعد تناول میں آباد ہوئے۔ تنولی بہادر اور جنگجو ہیں تناول کی آب وہوا اور ارضیاتی ماحول خوشگوار ہونے کے باعث صحت پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ اس لئے وہ صحت مند محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔

سردار محمد ایوب خان ریٹائرڈ سیشن جج "عباسی شمالی پاکستان میں"

سردار محمد ایوب خان ریٹائرڈ سیشن جج آزاد کشمیر نے اپنی کتاب "عباسی شمالی پاکستان میں" تنولیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہزارہ کی تنولی برادری کو بھی ڈھونڈوں کی شاخ اقرار دیا ہے۔ اور ڈھونڈوں کی وجہ تحریر بیان فرمائی ہے کہ ان کو کیوں "ڈھونڈ" کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل سردار محمد اکرم خان ریٹائرڈ جج آزاد کشمیر بھی تنولیوں کو ڈھونڈوں کی شاخ اقرار دے چکے ہیں سردار موصوف نے لفظ ڈھونڈ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اس قبیلے کے شجرہ نسب کے حوالے سے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ شاہ ولی خان حضرت بہاوالدین ذکریا ملتانی کے مرید تھے۔ ان کی خواہش پر چند افراد شکار پہ گئے باقی افراد شکار ملنے پر واپس آ گئے لیکن شاہ ولی خان شکار نہ ملنے پر واپس نہ آئے۔ بہت تلاش کے بعد وہ ملے اور حضرت بہاؤالدین ذکریا کے سامنے پیش کئے گئے۔ انہوں نے فرمایا ڈھونڈ خان" حضرت بہاؤالدین ذکریا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی بنا پر آپ کا نام ڈھونڈ خان پڑ گیا اس سے مشہور ہوئے اور آپ کی نسل ڈھونڈ کہلاتی ہے۔

اخوند میر "حکایت چہار مکالہ"

حکایت خاکیان شیریں مقال مے گویند لشکر سواتیاں حزیمت خورده قرار شد۔ تنولیاں کہ بر مہابن قابض بودند۔ نیز بے دخل شد و خان امیر خان پسر براکس خان مقتول و مجروح شد۔ و بر راہنمائی پسرش ہند خان از رود اباسند عبور کرده به کوہستان دخلیات شدند ۔ نامش بنام خود کوہستان تناول داشتند، مے گویند تنولیاں بنی آصف برادراں افغانیاں اند ہمراہ افغانیاں بملک خلیج معر گرفتہ شہر نادبیل یا دانا بیل آباد کردند ۔ و خود منصوبش گشتہ نادابلی شدند نادابلی بمرور زمان داتا بیلی شدند۔ دانا بلیاں و سواتیاں بپیوست به کوہستان مہابن قابض شده ۔ تنابلیاں یا تنولیاں شہرت گرفتند واز بحر کہ عبور کردند شہر امبہ نامی یادگارش آباد ساختند

ترجمہ:۔ شیریں کلام یوں حکایت بیان کرتے ہیں سواتیوں کا لشکر شکست عظیم سے دوچار ہونے کے بعد فرار ہو گیا تناولی بھی جو مہابن پر قابض تھے بے دخل ہو گئے اور امیر خان ولد براکس خان زخمی ہونے کے بعد قتل ہو گیا۔ تنولیوں نے اس کے بیٹے ہند خان کی راہنمائی میں دریائے سندھ عبور کیا ۔ اور کوہستان میں داخل ہو گئے ۔ اور اپنے نام پر اسی علاقے کا نام کوہستان تناول رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ تنولی افغانیوں کے قبیلہ بنی آصف سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بھائی ہیں ۔ یہ لوگ افغانیوں کے ہمراہ خلیج مصر کے ملک میں چلے گئے اور نادبیل یا دانا بیل کا شہر آباد کیا انہوں نے اپنے آپ کو اس شہر سے منسوب کر لیا ۔ اور نادابلی کہلانے لگے اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ لوگ نادابلی سے دانابلی بن گئے ۔ دانا بلیوں اور سواتیوں نے مل کر کوہستان مہابن پر قبضہ کر لیا تنابلیاں یعنی تناولیوں نے کافی شہرت حاصل کر لی اس کے بعد انہوں نے دریائے سندھ عبور کیا ۔ اور یادگار کے طور پر امب کا شہر آباد کیا نوٹ۔ یاد رہے اخوند میر کا زمانہ اخوند درویزہ سے پہلے کا ہے اخوند درویزہ نے بھی اخوند میر کی کچھ حکایت نقل کر کے پیش کی ہیں اخوند میر کے قول کے مطابق مزار شریف (افغانستان) کے متعلق مرزا بے قرا کو سلطان سنجر سلجوق کے وقت کی لکھی ہوئی ایک تاریخی کتاب کے سبب ۱۴۸۰ میں پتہ چلا یہاں دانابلیاں یا تنابلیاں سے مراد تنولی ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا عبارت میں ہوا ہے ۔

کرنل چارلس مین "روسائے با اختیار و نامی خاندان"

یہ صوبہ سرحد ڈیرہ جات پنجاب ان سرکردہ ممتاز خاندانوں کے حالات پر مبنی تاریخ ہے جو کرنل چارلس مین نے انگریزی میں تحریر کی اور ۱۸۹۴ میں شائع ہوئی اس کتاب میں تنولیوں کی دونوں شاخوں پلال اور ہندوال کا ذکر موجود ہے ۔ کرنل چارلس مین نے دوست محمد خان پلال رئیس شنگڑی کے باب میں جن دیگر پلال تنولیوں کا ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں نواب خان رئیس شنگڑی (دوست محمد خان کے والد ماجد) محمد خان کوٹھیالہ۔ نہایت اللہ خان چمبڑ۔ سلطان محمد خان بیڑ ۔ محمد خان پھوہار۔ کرنل چارلس مین لکھتے ہیں درہ تانال کی مناسبت سے انہوں نے قابض علاقے کا نام تانال رکھا جو کہ سوات میں واقع ہے مزید حالات اور واقعات کو ساتھ لے کر آگے بڑھتے ہوئے رقمطراز ہیں احمد شاہ درانی کے عہد میں پلال تنولیوں کا رئیس زبردست خان تھا ۔ جسے صوبہ خان کا خطاب ملا ۔ اور بہت بڑی جاگیر عطا ہوئی لیکن زبردست خان المعروف صوبہ خان کی وفات کے بعد اس کی اولاد ہمیشہ آپس میں لڑتی جھگڑتی رہی اس سبب سے ان کی طاقت اور مقبوضات جاتے رہے محمد خان بن خیر اللہ خان رئیس کوٹھیالہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے مواضعات کوٹھیالہ میں ۱/۹ حصہ کا مالک ہے اس کے علاوہ اس کے پاس سالانہ آمدنی کی معقول جاگیر بھی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی سلطان محمد خان بیڑ کا ذکر کرتا ہے کہ وہ لاہور ایچی سن کالج میں تعلیم پا رہا ہے نہایت اللہ خان رئیس چمبڑ اور محمد خان رئیس پھوہار بھی صوبے خان کے خاندان میں سربرآوردہ اشخاص ہیں ۔ سر محمد اکرم خان کے سی ۔ ایس آئی رئیس امب کے باب میں جن ہندوال تنولیوں کا اس نے ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں ۔ پائندہ خان جہاں داد خان محمد افضل خان عبدالرحمن خان ہیں محمد افضل خان سر محمد اکرم خان کا لڑکا ہے ۔

کرنل چارلس مین مزید لکھتے ہیں یہ اپنے آپ کو حضرت یوسف کی اولاد بتاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا ایک بزرگ خراساں کا بادشاہ تھا جب اسریا کے بادشاہ نے اس بادشاہ کو وہاں سے نکال دیا تو وہ سیدھا سوات میں آ کر آباد ہوا ۔ امیر خان جو کہ اس کی اولاد سے تھا یہاں پر حکومت کی ۔ امیر خان کے دو بیٹے پال خان اور ہند خان تھے پال خان پلال تنولیوں اور ہند خان ہندوال

تنولیوں کا مورث اعلیٰ تھا جب ان کو جائے سکونت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ تو پھر انہوں نے مشرق کی طرف رخ کیا امب اور اس کے قرب و جوار جو دریائے سرن کے مغرب میں ہے قیام پذیر ہوئے جو اب تناول کہلاتا ہے تنولیوں کے رئیس زبردست خان نے شاہ افغانستان احمد شاہ درانی کی مدد کی تھی اس کے بدلے اسے جاگیر اور صوبہ خان کا خطاب ملا جن خاندانوں کا اس کتاب میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ کرنال سے لے کر پشاور تک پھیلے ہوئے ہیں ان کے ورثا اور جانشین آج خدا کے فضل و کرم سے وطن عزیز کی بھاگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ بالخصوص پنجاب اور صوبہ سرحد میں ان کی چار نسلیں پروان چڑھ چکی ہیں پنجاب کی تقسیم کے بعد بقیہ مسلمان خاندان بھی ہجرت کر کے پاکستان میں آکر آباد ہو گئے ہیں اس طرح ایک مربوط مسلم نسل آگے بڑھ رہی ہے،

افضل خان جدون "افغان سرحد"

صوبہ سرحد کے پرانے مشہور و معروف اخبار افغان سرحد کے ایڈیٹر جناب افضل خان جدون نے ۱۹۳۶ء میں اخبار افغان سرحد کے تین طویل مضامین میں تنولیوں کو افغانوں کا جدی بھائی ظاہر کیا تھا لیکن افغانوں پر لکھی گئی تمام تواریخ اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔ تاریخ خان جہانی و مخزن افغان" خواجہ نعمت اللہ ہروی کی تالیف ہے جس میں پٹھانوں کی ہر شاخ کو بمعہ شجرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ایک دوسری تاریخ پشتون "تاریخ کے آئینہ میں ۵۵۰ قبل مسیح ۱۹۰۰ء تک سید بہادر شاہ کاکاخیل کی "پشتون" تالیف ہے۔ جس کا اردو ترجمہ سید انوار الحق جیلانی نے کیا یہ اردو ترجمہ ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ کو شائع ہوا اس کتاب کے مؤلف نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ پارینہ بھولے بسرے منتشر واقعات کو مختلف ذرائع و ماخذ سے حاصل کر کے مرتب کرنے میں صرف کیا ہے۔ پٹھانوں پر لکھی گئی ایک تیسری اچھی تاریخ پشتون" جو بنام دیگر خورشید جہاں" ہے جسے شیر محمد خان گنڈا پور نے پشتو میں تحریر کیا ہے یہ بھی اقوام افاغنہ کی ایک مبسوط تاریخ ہے جس کا پشتو سے اردو ترجمہ سراج احمد علوی نے کیا اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ دو عشروں میں پٹھانوں پر لکھی جانے والی یہ دو اچھی کتب ہیں جو تمام تاریخی واقعات کے ساتھ بمعہ شجرہ نسب شائع ہوئیں الف کیرو کی دی پٹھان" کا پہلے ذکر ہو چکا ہے الغرض پٹھانوں پر لکھی جانے والی کسی ایک تاریخ میں بھی تنولیوں

کا ذکر نہیں ہے۔

اخوند درویزہ "مکالہ چہار"

کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے تناولی درہ تانال افغانستان سے آئے ہیں یہ قوم شمشیرزن ہے انہوں نے تناول کی آب و ہوا کے متعلق لکھا ہے کہ یہ افزائش نسل کے لئے اچھی اور موزوں ہے اخوند درویزہ نے واضح طور پر ان کی قومیت کا ذکر نہیں کیا اس لئے کسی کا ان سے منسوب قومیت کا اظہار صحیح نہیں ہے۔ تنولی افغانستان سے صوبہ سرحد میں آئے ہیں۔

قلندر خان تنولی ایڈیٹر ایڈورڈ گزٹ ۱۹۱۱ء "نسب التنولی"

"نسب التنولی" قلندر خان تنولی ایڈیٹر ایڈورڈ گزٹ کا تحریر کردہ ایک چھوٹا سا کتابچہ یا پمفلٹ کہہ لیجیے جو انہوں نے تنولیوں کی قومیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا جس کا لب لباب درج ذیل ہے احمد شاہ درانی کے ایک استفسار پر زبردست خان المعروف صوبہ خان نے اپنے آپ کو مغل خاندان کا ایک فرد بتایا اور آباؤ اجداد کی آمد افغانستان بتائی۔ زبردست خان نے سیاسی مصلحتوں اور اپنے ذاتی مفاد سے بلند ہو کر جو کچھ وثوق کے ساتھ کہا کیونکہ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے کچھ مخفی نہ رکھا اور نہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ احمد شاہ درانی زبردست خان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اسے اعلیٰ منصب بخشا اور کشمیر میں ایک جاگیر عطا کی۔ جیسا کہ مندرجہ بالا عبارت میں زبردست خان المعروف صوبہ خان نے اپنے آپ کو مغل خاندان کا ایک فرد ظاہر کیا ان کے اس بیان کو جھٹلانا حقیقت کے منافی ہے جو لوگ تنولیوں کے متعلق مختلف آراء رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ تنولی ایک عرصے سے افغانوں اور مغلوں کے درمیان معلق چلے آرہے ہیں۔ دراصل یہ ان کی غلط فہمی ہے حقیقت یہ ہے تنولی مغلوں کا ایک جنگجو قبیلہ ہے۔ غیر مصدقہ متضاد نظریات کوئی وقعت نہیں رکھتے نسب التنولی کے علاوہ قلندر خان کا ایک اور پمفلٹ رہزادہ پنجاب سے الگ کیوں رہی ہے۔ درحقیقت قلندر خان تنولی سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک تھے وہ صوبہ سرحد میں امیر چند بموال کے بعد دوسرے رہنما تھے جنہوں نے لارڈ کرزن کے ۱۹۰۱ء میں

تشکیل شدہ صوبہ سرحد پر سخت تنقید کی تھی۔ اس صوبے میں پنجاب کے دو ضلعے ڈیرہ اسماعیل خان اور ہزارہ پنجاب سے الگ کر کے نئے صوبہ میں شامل کئے گئے تھے۔ قلندر خان تنولی کا کہنا تھا جب نئے تشکیل صوبے کا ڈرافٹ تیار ہوا تو اس میں ضلع ہزارہ شامل نہیں تھا۔ کسی سازش کے تحت بعد میں ضلع ہزارہ کو پنجاب سے الگ کر کے صوبہ سرحد میں شامل کیا گیا ہے اُس وقت یہ فیصلہ ہوا تھا کہ غیر پختون قبائل پنجاب کی حدود میں رہیں گے۔ کچھ عرصہ بعد تاریخ نے یہ صحیح ثابت کر دیا جو کچھ قلندر خان تنولی کہتا تھا وہ بالکل سچ اور حقیقت پر مبنی تھا کیونکہ سی کولن ڈیوس۔ پی' ایچ، ڈی، کی کتاب دی پرابلم آف دی نارتھ ویسٹ فرنٹیر" (۱۸۹۰ - ۱۹۰۸) سروے پالیسی ۱۸۴۹ اضافے کے ساتھ شائع ہوئی اس حقیقت کا انکشاف بھی اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر ہے جو نیا صوبہ تشکیل دیتے وقت ڈرافٹ تیار کیا گیا تھا اس ڈرافٹ میں ضلع ہزارہ شامل نہیں تھا۔ انگریزوں نے غیر پٹھان قبائل کو پٹھانوں کے علاقہ میں شامل کر کے خود اپنے فیصلے کی خلاف ورزی کی ہے اس واقعہ سے ان کی انصاف پسندی سامنے آجاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے ہزارہ میں جو پٹھان اقوام وارد ہوئیں وہ اپنی زبان بھول گئیں بنیادی طور پر وہ پٹھان تھیں لیکن ایسے علاقے میں جو غیر پٹھان تھا سکونت پذیر تھیں۔ انگریزوں نے دوسری غیر پٹھان اقوام کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ علاقہ پٹھانوں کے ساتھ ملا دیا اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا ہو سکتی ہے جس کی سزا آج تک بھگت رہی ہیں ان کا علاقہ پس ماندہ ہے یہ غیر پٹھان اقوام پس ماندہ ہیں۔ اب حالت ایسی پیدا ہو گئی ہے ہزارہ کے لوگ جو پہلے پنجاب کا حصہ تھے اب نہ پنجابی میں اور نہ پٹھان پنجاب میں ان کو پٹھان کہا جاتا ہے اور پٹھانوں کے علاقے میں وہ پنجابی کہلاتے ہیں۔ اہل ہزارہ پہ یہ مثال صادق آتی ہے۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم بہر حال یہ ایک طویل داستان ہے قلندر خان تنولی نے اپنے استدلال پمفلٹ کی شکل میں شائع کر کے پنجاب اور سرحد کے عوام اور حکومت تک پہنچائے اور وائسرائے ہند لارڈ کرزن سے اس بے انصافی کے خلاف اپیل کی کہ وہ ضلع ہزارہ کو نئے تشکیل صوبہ

قلندر خان تنولی کا اخبار ایڈورڈ گزٹ ۱۹۱۲ تک نکلتا رہا اس اخبار کا لہجہ سخت اور تند تھا یہ اخبار انگریزی حکومت پر تنقید کا کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتا تھا عوام کی شکایات انگریزی حکومت تک پہنچانے میں پیش پیش تھا ایک دفعہ سخت تنقید کے باعث اس کی ضمانت مولانا ظفر علی خان کو بھی دینی پڑی وہ حکومت سرحد کے زیر عتاب آگئے اور اخبار انڈورڈ گزٹ بند ہو گیا۔ انہوں نے راولپنڈی سے ایک دوسرا پرچہ نسیم ہند" نکالنا شروع کیا جو کامیابی کے ساتھ چلتا رہا آخر اس مرد مجاہد نے ۱۹۱۶ میں انتقال کیا۔

خان برادران آف کوٹھیالہ

حمید اللہ خان اور سرفراز خان

"قوم تنولی کی ابتدائی تاریخ"

مرحومین دونوں بھائی علم و ادب کے گہوارہ تھے دوسرے علوم کے علاوہ بالخصوص تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے ان کا دائرہ اثر بہت وسیع تھا ہندوستان کے مشہور شاعر غلام ربانی تاباں سے لیکر سی۔ ایم چانگلا سابقہ وزیر خارجہ تک ان کو اعلیٰ مقام و رتبہ حاصل تھا۔ ان کو تنولیوں کی پوری تاریخ ازبر یاد تھی وہ تنولیوں کو امیر خان کی اولاد ظاہر کرتے تھے جن کا تعلق مغلوں کی برلاس شاخ سے تھا۔ تنولیوں کی آمد کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ وہ خراساں سے آئے ہیں۔ افغانستان کا پرانا اور قدیم نام خراساں تھا لفظ افغانستان پہلی مرتبہ محمود غزنوی کے عہد میں پہاڑی قبائل کے لئے استعمال ہوا تنولیوں کی پہلی آمد ترکی نژاد بادشاہ ناصر الدین سبکتگین کے عہد ۹۷۱ء میں ہوئی۔

ناصر الدین سبکتگین کے حکم سے مفتوح علاقوں سوات، بنیر، کوہ چیلہ تا مہابن تک پانچ ہزار مسلمان آباد کاروں کو افغانستان سے لاکر آباد کیا گیا ان آباد کاروں میں ایک خاندان الور خان مغل کا بھی تھا۔ بعض مورخین نے الور خان قوم مغل کا نام الورالدین بن برھان الدین تحریر کیا ہے الور خان قوم مغل نے اپنی دل پسند جگہ سوات کو اپنا مسکن بنایا اور کاشت کاری شروع کی یہ شمال مغربی صوبہ میں مسلمانوں کی پہلی آمد تھی جو آباد ہونے کے لئے بمعہ اہل و عیال افغانستان سے لائے گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرنے کے بعد دوسرے قبائل نے بھی الور خان مغل کی ایمانداری و

النور خان مغل کی اولاد سوات، بنیر اور جمرود پر حکمران رہنے کے بعد ۱۴۷۲ء تناول میں داخل ہوئی تنولیوں کی دوسری آمد ۱۵۹۴ء میں سردار مقبول خان پلال کے زمانہ میں ہوئی دو ہزار قبائل کا ایک قافلہ بمعہ اہل و عیال افغانستان سے ہجرت کر کے دریائے سندھ کو دربند کے مقام سے عبور کر کے تناول میں داخل ہوا۔ امیر محمد خان المعروف رہبیر دیو، النور خان مغل کی چھٹی پشت سے تھا امیر محمد خان کے چھ لڑکے تھے بڑے لڑکے کا نام پال اور دوسرے نمبر والا ہند خان تھا جس سے تنولیوں کی اب شاخیں پہچانی جاتی ہیں۔ تنولیوں کے متعلق مندرجہ بالا ریمارکس خان برادران کے تھے درحقیقت مسلمانوں کی پہلی آمد ہندوستان میں ۷۱۲ء میں ہوئی۔ محمد بن قاسم نے ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ فتح کیا محمد بن قاسم نے ۷۱۴ء میں ملتان فتح کیا گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز پر جنوبی ایشیا کے شمالی اور وسطی علاقے میں مسلمان حکومت قائم ہوئی جس کا سہرا سلطان محمود غزنوی کے سر ہے اس وقت پنجاب پر راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ جب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب اپنی حکومت میں شامل کیا تو ان کے عہد میں مسلمان صوفیائے اکرام حضرت داتا گنج بخش، شیخ محمد اسماعیل لاہوری، سلطان سخی سرور نے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔ مرحومین خان برادران کا تعلق کوٹھیالہ کے تنولی خاندان سے تھا۔ بڑے بھائی حمید اللہ خان مرحوم انگریزی زبان کے ماہر استاد تھے جب بھی کوئی اعلیٰ انگریز آفیسر دورے پر نکلتا تھا تو وہ ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ حمید اللہ خان مرحوم کی اہلیت و قابلیت کو دیکھتے ہوئے انگریزی حکومت کی طرف سے ان کو پولیٹیکل سروس میں ملازمت کی پیش کش ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے سرکاری پیشکش کے برعکس اپنے لوگوں کی خدمت کو شعار بنایا اور ترجیح دی پھر تامرگ اپنے علاقے کے ناخواندہ و نادار لوگوں کی خدمت کرتے رہے وہ حسب معمول صبح بیدار ہوتے ہی ان لوگوں کو اکٹھا دیکھتے جو اپنا کام کرانے دور دراز سے آئے ہوئے تھے لیکن کیا مجال ان کے ماتھے پر شکن کا ایک بل ہی پڑے اطمینان اور تحمل سے ہر کسی کا کام بلا معاوضہ کرتے تھے اور اپنے صحیح قیمتی مشوروں سے رہنمائی فرماتے تھے یہاں تک انگریزی درخواستوں کے کاغذات بھی اکثر اپنی گرہ سے استعمال کرتے تھے۔ لوگوں کی ان سے گہری عقیدت، محبت، انس کا یہ عالم تھا لوگ ان کے ہاتھ چومتے تھے اور ان پر اپنی

جان نچھاور کرتے تھے جب ۱۹۷۴ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے جنازے میں لوگوں کی شرکت کا یہ عالم تھا جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سرفراز خان مرحوم بہت ہی لٹریری قسم کے آدمی تھے انگریزی ملازمت یہاں کہیں بھی ہندوستان میں رہے وہاں کی ادبی دنیا کے محور رہے تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان میں ہندو متروکہ املاک تحصیل ہری پور میں اسسٹنٹ کسٹوڈین آفیسر مقرر ہوئے بہت ہی شریف النفس، ملنسار اور وضع دار شخصیت کے مالک تھے ان کا انتقال ۲۹ مئی بروز جمعہ ۱۹۸۰ء کو ہوا۔

ڈاکٹر مسز لال بہا "ہسٹریکل سٹڈیز مسلم انڈیا سیریز ۲"

مسز لال بہا پشاور یونیورسٹی میں ہسٹری کی ایسوسی ایٹ پروفیسر رہ چکی ہیں۔ وہ صوبہ سرحد کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں اور پرورش پائی ان کا اکیڈمی ریکارڈ بہت شاندار ہے انہوں نے سکول آف اورنیٹل اینڈ افریکن سٹڈیز یونیورسٹی آف لنڈن سے ڈاکٹریٹ کیا ہے انکے بہت سے تحقیقی مکالے دنیا کے مشہور و معروف جریدوں کے علاوہ جرنل آف رائل سنٹرل ایشین سوسائٹی لنڈن سے بھی شائع ہوتے رہے ہیں تنولیوں کے متعلق ان کی تحقیق یہ ہے کہ تنولی غیر پٹھان قوم ہے اس لئے این ڈبلیو ایف پی۔ انڈر برٹش کنٹرول کے ابتدائی صفحات میں صوبہ سرحد کو دو حصوں میں تقسیم کرتے انہوں نے تنولیوں کا ذکر غیر پٹھان اقوام میں کیا ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل سر جارج میکمن کے سی بی۔ سی ایس آئی۔ ڈی ایس او "رومانس آف دی انڈین فرنٹیر"

انہوں نے اپنی کتاب رومانس آف انڈین فرنٹیر مطبوعہ ۱۹۲۸ اس کتاب کا اردو ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان نے شمال مغربی پاکستان اور برطانوی سامراج کے عنوان سے ۱۹۷۹ میں کیا تھا۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر دریائے سندھ کے اس علاقہ کا ذکر کرتے ہوئے جو کوہ سیاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہزارہ کے پرامن ضلع پر قبائل کی یورش و بغاوت کو روکنے کے سلسلے میں بہت سی مہمات کا آغاز ہوا۔ یہاں کے قبائل عزازئی۔ بہت سے ذیلی قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں

لیکن تین غیر پٹھان اقوام ماخذ بھی شامل ہیں یہاں جنرل صاحب نے ہزارہ کی دو غیر پٹھان اقوام کے ساتھ تیسری قوم قانا والی یعنی تنولیوں کو بھی غیر پٹھان تحریر کیا ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل سر جارج میکمن نے ہندوستان کی جنگجو اقوام پر ایک کتاب جس کا نام "مارشل ریسیز آف انڈیا" ہے تحریر کی تھی اس کتاب میں ہندوستان کی ان اقوام کا ذکر ہے جو شجاعت اور بہادری میں کئی کارنامے سرانجام دے چکی ہیں۔

پروفیسر رام راج ملہوترہ "مغل ٹرائیب"

پروفیسر رام راج ملہوترہ اپنی انگریزی کتاب "مغل ٹرائیب" مطبوعہ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں تنولی صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کی تین تحصیلوں میں آباد ہیں۔ یہ مغلوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور پٹھانوں کے ساتھ قدیم زمانے سے رہتے چلے آ رہے ہیں جس سے ان کی ثقافت مخلوط ہو گئی ہے۔ ان کے اپنے رسم و رواج کے علاوہ پٹھانوں کی رسومات بھی ان کی ثقافت میں داخل ہو گئیں گو تنولیوں کی ثقافت پٹھانوں کے ساتھ قدیم رہنے سے بری طرح متاثر ہوئی ہے۔

لیکن ان کی طرز زندگی بود و باش، نشست و برخاست، عادات و خصائل یعنی تمام اطوار مغلوں جیسے ہیں ان کی مادری زبان پنجابی (ہندکو) ہے ہندکو جس کا قدیم نام پالی ہے بدھوں کی متبرک اور دفتری زبان تھی۔ ہندکو میں پشتو کے علاوہ یونانی زبان کے بھی بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جواب اپنی اصلی ماہیت اور لب و لہجہ کھو چکے ہیں لیکن میں وثوق سے یہ بات کہتا ہوں اگر کوئی ماہر لسانیات ان بگڑے ہوئے الفاظ کا بغور مطالعہ کرے اور ان الفاظ کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے تو یونانی الفاظ کی ایک لغت تیار ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ بلر "دی گریٹ چنگیز خان ڈائینسٹی"

ڈاکٹر بلر اپنی کتاب دی گریٹ چنگیز خان ڈائینسٹی مطبوعہ ۱۹۳۱ صفحہ ۲۴۲ پر رقمطراز ہیں کہ چنگیز خان کے چار بیٹوں کی اولاد سے کئی قبائل ہیں۔ موصوف نے تنولیوں کو چنگیز خان کے تیسرے بیٹے تولی خان کی اولاد سے ظاہر کیا ہے اور تحریر کیا ہے یہ قبیلہ صوبہ سرحد میں ضلع ہزارہ میں

سکونت پذیر ہے ۱۲۲۱ء میں چنگیز خان کے مغل قبائل نے پشاور کی وادی سے بھاگتے ہوئے ایران کے بادشاہ کا تعاقب کیا۔ یہ روایت ہے دی گریٹ خان (چنگیز خان) نے اپنے دشمن کے تعاقب میں کابل سے نوشہرہ تک آدھا دن بہت اچھا گزارا۔ ڈاکٹر ایچ ڈبلیو بلر نے دولی مغلوں اور رہوتیل مغلوں کو بھی چنگیز خان کے لڑکوں کی اولاد ظاہر کیا ہے جن کی اکثریت آزاد کشمیر میں آباد ہے بالخصوص باغ اور پونچھ کے علاقے میں سکونت پذیر ہیں۔

جناب غلام جان صاحب سرپرست سابق ۔ (تنولی یونین)

سرپرست تنولی یونین جناب غلام جان صاحب تنولی ولد راجہ خان تنولی ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو ساکن بچھاہ خورد داخلی شیروان تحصیل ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے آج کل ایبٹ آباد میں مقیم ہیں ان کے دو لڑکے جناب محمد یونس خان ایڈووکیٹ اور محمد طارق خان ایڈووکیٹ وکالت کے معزز پیشہ سے منسلک ہیں۔ میں ان سے ۱۶ مارچ بروز ہفتہ ایبٹ آباد میں ملاقات کر چکا ہوں میرے تنولی یونین کے متعلق سوال کے جواب میں انہوں نے جو کچھ فرمایا اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ انہوں نے کہا ۱۹۵۵ء میں تنولی یونین کا قیام عمل میں آیا تنولی یونین کے صدر جناب بالو آزاد خان مرحوم آف مانسہرہ (ریٹائرڈ پولیٹیکل ایجنٹ) تھے جن کا غالباً ۱۹۷۱ء یا ۱۹۷۲ء میں انتقال ہوا ہے ان کے دو لڑکے میجر ایوب خان ریٹائرڈ اور تاج محمد خان پریذیڈنٹ نیشنل بنک آف پاکستان جن کا تعلق اپر تناول سے ہے بقید حیات ہیں۔ اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری گوہر رحمان خان مرحوم ایڈووکیٹ کا تعلق (گوجرہ) بھلاڑہ کے نوابزادہ خاندان سے تھا مجھے اچھی طرح یاد نہیں انہوں نے غالباً ۱۹۸۴ یا ۱۹۸۵ء میں وفات پائی ہے۔ تنولی یونین قائم کرنے کا مقصد دراصل تنولیوں کے آپس کے تنازعات کے پرامن حل اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے تنولیوں کے دونوں ہندوال اور پلال خاندانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا مقصود تھا۔ تنولی یونین کے باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتے تھے ہزارہ کے علاوہ صوبہ سرحد میں بسنے والے تنولیوں کو بھی مدعو کیا جاتا

تھا مردان اور تیراہ کے تنولی کئی بار اجلاس میں شریک ہوئے ۔ جناب غلام جان تنولی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے میں نے ان سے پوچھا آپ تنولی یونین کے سرپرست رہ چکے ہیں آپ کی رائے معقول اور وزن رکھتی ہے آپ تنولیوں کی قومیت کے متعلق کچھ بتایئے جناب غلام جان صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تنولی مغلوں کا ایک قبیلہ ہے جس کا تعلق امیر محمد خان برلاس سے ملتا ہے ہم اپنے آپ کو مغل سمجھتے ہیں ۔ نواب آف امب محمد فرید خان مرحوم ہمارے اجلاس میں شریک ہوتے تھے وہ بھی تنولیوں کو مغلوں کا ایک قبیلہ کہتے تھے اس سے قبل زبردست خان المعروف صوبہ خان نے تنولیوں کا تعلق مغلوں سے ظاہر کیا تھا۔ سید مراد علی شاہ کی "تاریخ تنولیاں" مرتبہ ۱۸۷۵ بالکل صحیح ہے اس میں تنولیوں کی قومیت جو بیان کی گئی ہے وہ امیر محمد خان برلاس مغل سے تعلق ظاہر کرتی ہے اس تاریخ کو لکھتے ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اس طرح مفروضوں کی بنیاد قائم کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ کچھ لوگ تنولیوں کو افغانوں سے ملاتے ہیں

جناب غلام بنی خان صاحب گاندھیاں مانسہرہ "الفغان التنولی"

جناب غلام بنی خان صاحب کی تحقیق کے مطابق تنولی تو خہ خان کی اولاد ہیں ایک مقام جس کا نام تون ہے یہ لوگ وہاں آباد تھے تون خلیج ایاس میں ہے خلیج ایاس مصر اور شام کے درمیان واقع ہے جب یہ لوگ وہاں سے ایران آئے تو وہاں بھی یہ لوگ تون کے نام سے آباد رہے بعد ازاں یہ لوگ افغانستان اور غزنی کے وسطی علاقے بیمان کے نزدیک آباد ہوئے جو اب تو بتم درہ یا تو بتم کلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے الوز خان افغانستان سے محمود غزنوی کے ساتھ آیا اور اس نے قلعہ کلنجر کا انتظام سنبھالا ۔ تنولی غور یا خیل میں رغوری خاندان سے نہیں ، بلکہ غور یا خیل جمرود کے پاس ایک جگہ کا نام ہے جناب غلام بنی خان صاحب کی تحقیق کے مطابق تون سے تنولی ہے وہ تنولیوں کو پٹھانوں کا بھائی قرار دیتے ہیں جن کا تعلق پٹھانوں کے بنی آصف قبیلہ سے تھا اور یہ سلسلہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچ کر بنی اسرائیل سے جا ملتا ہے ان کے پاس ایک شجرہ ہے جس کے مطابق وہ اپنی زیر تصنیف و تالیف کتاب الفغان التنولی" ترتیب دے رہے ہیں ان کا کہنا ہے تنولی تاریخی آئینہ میں" میری ایما" پر لکھی گئی ہے ۔ جب میری ملاقات نوابزادہ صلاح الدین سعید ایم ، این ، اے و چیف پارلیمانی سیکرٹری قومی اسمبلی اسلام آباد سے ہوئی تو دوران گفتگو انہوں نے جناب غلام بنی صاحب کا ذکر کیا چنانچہ میں ان کا نقطہ نظر معلوم کرنے ۵ فروری بروز ہفتہ ۱۹۹۲ ء راولپنڈی سے گاندھیاں مانسہرہ کے لئے روانہ ہوا اور ان کی قیمتی آراء اور خیالات سے مستفید ہوا ۔

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ، ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لاہور دروازہ لاہور

مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کا شمار پاکستان کے چوٹی کے اہل سنت علماء میں ہوتا ہے آپ کی دینی خدمات کا اعتراف پورے پاکستان میں کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس

ہر وقت خیبر سے کراچی تک عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے آپ بڑے غور سے مسائل سنتے ہیں اور دینی نقطہ نگاہ سے حل کرنے کی سعی فرماتے ہیں مولانا کا مختصر تعارف اور تنولیوں کی قومیت کے متعلق ان کا اظہار خیال درج ذیل ہے۔

مفتی عبدالقیوم ہزاروی بمقام میراہ نزد چنیسر (چنیسر میراہ) اپر تناول برلب اوگی دربند روڈ پیدا ہوئے ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اپنے والد صاحب کے ہمراہ ۱۹۴۰ میں جڑانوالہ ضلع لائل پور موجودہ نام فیصل آباد میں منتقل ہوتے آپ نے پرائمری تعلیم جڑانوالہ میں اور دینی تعلیم لاہور میں پائی فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۵۶ سے لاہور میں جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لاہوری دروازہ بحیثیت ناظم اعلیٰ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ پاکستان بھر کے مدارس کی تنظیم تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے بانی اور تاحال ناظم اعلیٰ ہیں۔ ممبر مرکزی زکوٰۃ کونسل پاکستان، ممبر صوبائی زکوٰۃ کونسل پاکستان، ممبر مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان، ممبر مرکزی سیرت کمیٹی پاکستان۔ ممبر مدارس ونگ محکمہ تعلیم مرکزی پاکستان۔ آپ کی تصنیفات میں تاریخ نجد و حجاز۔ التوسل عربی) مجموعہ مقالات شامل ہیں مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کا تعلق ایک جلوال تنولی معزز خاندان سے ہے آپ علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ سے بھی کما حقہ، واقفیت رکھتے ہیں تنولیوں کے متعلق انہوں نے فرمایا جب سلطان ناصر الدین سبکتگین کے عہد میں سوات اور بیرمان کا علاقہ جہاد کے ذریعہ بدھ مت سے خالی ہوا تو مغل، پٹھان اور سادات کے سینکڑوں خاندان غزنی کے درہ تانال سے یہاں لا کر آباد کئے گئے۔ ۱۴۷۲ عیسوی میں تنولیوں نے دریائے اباسین (اٹک) کے مشرقی کنارے سے غیر مسلم ترکوں سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کیا اور اس وقت کے مشہور و معروف ولی کامل حضرت اخوند محمد سلاق رحمتہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر کامیابی کی درخواست کی۔ ان کی دعا کی برکت سے تنولیوں نے بارہ ہزار غیر مسلم ترکوں پر فتح پائی اس طرح مانسہرہ اور شنکیاری کا علاقہ فتح کر لیا درہ تانال کی نسبت سے مفتوحہ علاقہ کا نام تناول رکھا قومیت کے لحاظ سے تنولی مغل ہیں۔

جناب بابو خواص خان۔ پریذیڈنٹ پولیس پنشنرز ایسوسی ایشن ایبٹ آباد

جناب بابو خواص خان ۱۵ اپریل بروز جمعہ ۱۹۱۷ اوشہ تناول کے ایک مشہور گاؤں کوکل میں پیدا ہوئے اپنی ۳۶ سالہ طویل بے داغ پولیس ملازمت کے دوران وہ جہاں کہیں بھی متعین ہوئے انہوں نے وہاں لوگوں کی تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کیا۔ اب وہ بصیرت افروز اور گراں قدر مشاہدات و تجربات کے ساتھ ایک انجمن میں ایک ادارہ ہیں یہاں سے ہر کوئی مستفید ہوتا ہے۔ اب بھی وہ پیرانہ سالی کے باوجود ۷۶ سالہ زندگی میں نہایت معروف اور چاک و چوبند نظر آتے ہیں۔ مجھے ان کے خیالات سے استفادہ کرنے کا شرف ایبٹ آباد میں مورخہ ۲۲ فروری بروز ہفتہ ۱۹۹۲ء کو ہوا ان کی گفتگو کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

انہوں نے کہا یہ غالباً ۱۹۵۰ کا واقعہ ہے کمپنی باغ جو آج کل جناح باغ ایبٹ آباد کہلاتا ہے مغلوں کا ایک اجتماع ہوا قاضی محمد اعظم رئیس ایبٹ آباد اس وقت ضلع ہزارہ مغل ایسوسی ایشن کے صدر تھے قاضی محمد اعظم نے اپنی تقریر میں کہا تنولی برادری میرے پاس آئے میں ان کو سمجھاؤں کہ وہ ہمارے مغل بھائی ہیں صرف وہ تناول وریے سے تنولی ہو گئے ہیں۔ جناب بابو خواص کا کہنا ہے کہ میں اس اجتماع میں موجود تھا۔ قاضی صاحب دیو بند پاس اور بہت ہی عالم و فاضل تھے اور کافی عرصہ تک وہ مغلوں کے صدر رہے جناب بابو خواص خان صاحب نے اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ایک دفعہ دوران ملازمت قاضی محمد انور مغل برلاس ڈی آئی جی جن کا تعلق بہاول پور سے تھا مجھ سے کہا تنولی اپنے آپ کو برلاس کہتے ہیں تم مجھے برلاس کے معنی بتاؤ میں نے ان سے کہا جناب یہ پشتو کا لفظ ہے بر کے معنی اونچا اور لاس کے معنی ہاتھ یعنی اونچا ہاتھ اس کے ساتھ ہی میں نے برادلس کی تشریح کر دی یعنی عوام کا بڑا میرا جواب سن کر ڈی آئی جی صاحب بہت محظوظ ہوئے اور بے ساختہ کہا بیشک تنولی برلاس مغل ہیں آج سے نہیں بلکہ زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔

جناب بابو خواص خان نے تنولیوں کی ثقافت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا تنولی مکان بنانے اور باغ لگانے کے شوقین ہیں اپنے بڑے بھائی سے پر خار اور نوکر سے پیار، اقتدار کے دلدادہ اور شوقین یہ تمام عادات وخصائل مغلوں کے ہیں ہم پٹھانوں کے ساتھ صدیوں سے رہتے چلے آرہے ہیں ان کے رسم ورواج اور ثقافت کی کچھ رسوم ہماری سماجی زندگی میں داخل ہو گئیں ہیں۔

جو تنولیوں کی زندگی کا اب ایک حصہ ہیں مثال کے طور پر حجرہ اور لوہار کی دکان وغیرہ

انہوں نے مزید گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہمارے متعلق جس کا جی چاہتا ہے لکھ دیتا ہے کوئی ہم کو عباسیوں سے جا ملاتا ہے تو کوئی ہم کو پٹھانوں سے جا کر جکڑتا ہے کوئی ہم کو راجپوتوں کی اولاد ظاہر کرتا ہے ہم نہ عباسی ہیں نہ پٹھان اور نہ کسی راجہ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں ہماری اپنی تاریخ ہے تشخص اور قومیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ میں جب مغلوں پر سخت وقت پڑا تو مغل نام لینا خطرے کو دعوت دینا تھا انگریزوں نے اپنی تمام مشینری مغلوں کے خاتمے کے لئے لگا دی تھی اور مغلوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا گیا یہاں تک معصوم بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا انگریزوں کو کسی چیز سے خطرہ تھا۔ تو صرف اور صرف مغلوں سے تھا اس لئے کوئی بھی اپنے آپ کو مغل کہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اپنی جان بچانے کے لئے کوئی حجام بن گیا تو کوئی موچی بن گیا مغلوں سے انتقام لینے کا سلسلہ کافی عرصہ بعد امن کے دور تک جاری رہا۔ بابو خواص خان نے ان تنولیوں کا ذکر کیا جنہیں وہ ملازمت کے دوران مختلف مقامات پر دیکھ چکے ہیں ضلع مردان تحصیل صوابی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا صوابی کے چار گاؤں سپین کانی، ڈاگئی، چار باغ، مناگئی خالص تنولیوں کے ہیں ان کا تعلق ہیگال اور ہیچوال شاخوں سے ہے

نواب امب کے نکالے ہوتے تھے یہ لوگ بہت اچھے عادات واطوار کے مالک اور مہمان نواز ہیں اسی طرح آزاد کشمیر گڑھی دوپٹہ کے سامنے دو گاؤں سراں اور چھٹے نزد جکار خالص

شاخ کچھی اور سوہا کے ساتھ ملتی ہے انہوں نے مزید بتایا ڈھوڈیال مینٹل ہسپتال کے سامنے کچھی پول اور مونگن دو گاؤں تنولیوں کے ہیں جو بنکیرال شاخ سے تعلق رکھتے ہیں حدود تھانہ شنکیاری میں واقع ہیں مزید براں غازی کوٹ، سپھوٹاہ۔ گنڈا جو عین مانسہرہ کے قریب ہیں یہاں بہت تنولی آباد ہیں۔ انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کوکلاں کا قصبہ بہت قدیم اور تاریخی ہے کوکلاں راجہ رسالو کی رانی تھی یہاں سے وہ پانی پیتی تھی اب تک لوگوں میں کنجری کی کھوئی کے نام سے بر لب سڑک موجود ہے کوکلاں رانی کی نسل میتو۔ پٹو۔ اکیٹو۔ ہندو خاندان قابل ذکر ہیں۔ میتو شیرماں کے کھتری مشہور ومعروف ہو گزرے ہیں اسی طرح انہوں نے ایک اور بات کی وضاحت کی حویلیاں یہاں عبدالرشید خان تنولی کی ایک حویلی تھی جس سے یہ حویلیاں بن گیا بانڈہ صاحب خان جو صاحب خان کے نام پر آباد ہے عبدالرشید خان کا بھائی تھا جناب بابو خواص خان تناول کی پوری تاریخ ہیں میں نے ان سے تنولیوں کی قومیت کے متعلق پوچھا کہ آپ کے گاؤں کے ایک معزز شخص نے اپنی کتاب میں تنولیوں کو پٹھان لکھا ہے جب کہ پٹھانوں کی تمام تواریخ میں تنولیوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ میرے آخری سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا تنولی مغل برلاس ہیں پٹھان نہیں ہیں منشی علی زمان ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کوکل کے ایک لڑکے جناب شفیق الرحمن صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سیکنڈری سکول حویلیاں اور جناب لیفٹیننٹ کرنل سعید انور صاحب ۳۳ بلوچ نے کتاب تنولی تاریخی آئینہ میں" پر سخت تنقید کی ہے کہ ہم پٹھان نہیں ہیں۔

مسز نواب زادہ محمد فرید خان آئی جی ویسٹ پاکستان

دختر نواب خانیزمان خان (مرحوم)، والئی امب

مسز نواب زادہ محمد فرید خان کا نام زبیدہ خاتون ہے۔ آپ نواب خانیزمان خان (مرحوم) والئی امب کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ تعلیم یافتہ، روشن خیال اور بیدار مغز خاتون ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی شادی اپنے ہی خاندان کی ایک نامور ہستی نواب زادہ محمد فرید خان سے ہوئی۔ آپ ماضی کے علاوہ عہد حاضرہ کی پوری تاریخ ہیں۔ مجھے ان سے ملاقات کا شرف ۳ مئی ۱۹۹۲ء کو اُن کے بنگلے واقع پڑھنہ میں حاصل ہوا جب میں نے انہیں اپنی آمد کا مقصد بتایا تو باوجود علالت کے جبکہ وہ بستر سے اُٹھ نہیں سکتیں تھیں۔ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ اور ملاقات کے لئے وقت دیا۔ میں نے جب اس نادر و نایاب قدیم قرآن مجید کی سعادت حاصل کرنے کے خواہش کا اظہار کیا اور مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ چل نہیں سکتیں۔ آپ نے اپنی گاڑی لانے کا حکم دیا۔ اور چند قدموں کے فاصلے پر واقع لائبریری تک گاڑی میں گئیں۔ اس طرح میں نے اس نادر و نایاب قرآن شریف کی سعادت دیدار حاصل کی۔ میں نے اُن سے سوال کیا کہ آپ تنولیوں کی قومیت کے متعلق کچھ فرمائیں۔ تنولیوں کو چند لوگ پٹھانوں سے ملاتے ہیں جبکہ پٹھانوں کی تمام تواریخ اس سلسلے میں بالکل خاموش ہیں۔ آپکی رائے ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تنولیوں کی قومیت کے متعلق آپ نے فرمایا۔ تنولی مغل ہیں اور مغلوں کی برلاس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ افغانستان سے ان کی آمد جے پال کی شکست کے بعد کابل اور غزنی کے درمیان درہ تانال سے ہوئی جو اس عہد میں مغلوں کا گڑھ تھا۔ یہ زمانہ غزنوی خاندان کا ابتدائی زمانہ تھا۔ بعد ازاں تنولیوں نے دریائے سندھ عبور کر کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی جن کی تعداد اُن سے تین گناہ زیادہ تھی۔ اور شکست دی۔ فاتح کی حیثیت سے اس علاقے میں داخل ہوئے جس کو اب تناول کہا جاتا ہے۔ درحقیقت تناول ان کا دیا ہوا نام ہے۔ جو انہوں نے اپنی قدیم جائے سکونت کی نسبت سے دیا اب اُس بگڑے نام کی نسبت سے یہ تنولی کہلائے جانے لگے ہیں۔ میرے ایک

سوال کے جواب میں آپ نے بتایا میرے والد خانیزمان خان والئی امب کا فوٹو ہماری لائبریری میں آویزاں ہے۔ میرے دادا سر محمد اکرم خان کے سی۔ ایس آئی کا فوٹو راج بھون دہلی میں موجود ہے۔ وہ وائسرائے کونسل کے ممبر تھے۔ اس فوٹو کو حاصل کرنے کے لئے میں نے آنجہانی مسز اندرا گاندھی کو لکھا تھا تقسیم ہند سے قبل سری نگر میں مسز اندرا گاندھی سے ہمارے ذاتی تعلقات تھے۔ میرے بیٹے کیپٹن ارشد فرید (مرحوم) نے بھی ابتدائی تعلیم سری نگر میں حاصل کی تھی۔ لیکن مسز اندرا گاندھی کے قتل کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ پھر میں نے کوشش نہیں کی۔

پروفیسر عبدالعزیز خان ریاض یونیورسٹی سعودی عربیا

عبدالعزیز خان بچپن میں اپنے والد کے ساتھ کراچی منتقل ہوئے ان کے والد محترم تعلیم کے معزز پیشے سے منسلک تھے عبدالعزیز خان کی تعلیم و تربیت کراچی میں ہوئی۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درس و تدریس کے معزز پیشے کو اپنایا۔ کچھ عرصہ کراچی میں پڑھاتے رہے۔ اُس کے بعد نائیجیریا چلے گئے آجکل ریاض یونیورسٹی سے منسلک ہیں۔ آبائی وطن تربیلا جھیل بن جانے کے سبب زیر آب ہے آپ مستقل طور پر کراچی میں مقیم ہو گئے ہیں تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ اُن سے گفتگو کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

میرے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا میں بتاتا ہوں کہ تنولی کون ہیں۔ انور خان بن بہرام خان اور سلطان جنید مغل برلاس کا ایک ہی خاندان سے تعلق تھا۔ یہ خاندان غزنی کے پاس درہ تانال میں صدیوں سے رہائش پذیر رہا ہے غزنوی عہد میں جو مغلوں کا گڑھ تھا۔ ہندوستان میں اس خاندان کی آمد مختلف ادوار میں ہوئی۔ غزنوی خاندان کے بانی ناصرالدین سبکتگین کے حکم سے جو آباد کار سب سے پہلے ہندوستان آئے اُن میں انور خان بن بہرام خان تھے۔ اس خاندان نے سوات میں اپنی سکونت اختیار کی جب اس خاندان کی اولاد نے تقریباً چار پانچ صدیاں بعد ایک غیر آباد اور سنگلاخ علاقے کو ہندوؤں سے آزاد کرایا۔ تو اس علاقے کو اپنے قدیم وطن کی نسبت سے تانال کا نام دیا۔ جو ہمیشہ کے لئے اُن کے ساتھ چپک کر رہ گیا اور وہ تناولی یا تنولی

کہلانے لگے۔ اسی جگہ سے اس خاندان کے دوسرے افراد جو ظہیر الدین بابر کے ساتھ ہندوستان آئے۔ وہ مغل برلاس ہیں فرق صاف ظاہر ہے کہ تنولی پٹھان نہیں ہیں۔ برلاس مغلوں کی ایک مشہور شاخ ہے ظہیر الدین بابر کا بھی اسی شاخ سے تعلق تھا۔ طبقہ برلاس میں بڑے بڑے امیر والامرا اور نامی شہزادے پیدا ہوئے ہیں مغلئی زبان میں برلاس جوان اور بہادر شخص کو کہتے ہیں۔ سلطان جنید مغل برلاس جو ظہیر الدین بابر کے ساتھ ہندوستان آیا وہ ابراہیم لودھی اور رانا سانگا سہودیا کے حملوں میں ظہیر الدین بابر کے ساتھ رہا۔ ظہیر الدین بابر نے اُس کو جونپور کا قطعہ زمین جاگیر میں عطا کیا۔ شاہ منصور برلاس، شاہ حسین برلاس، امیر دولت خواجہ برلاس یہ تینوں اُمرا بھی ظہیر الدین بابر کے ساتھ حملوں میں شریک تھے۔ امیر دولت خواجہ برلاس ہمایوں کے زمانے میں سلطان بہادر گجراتی کے محاصرہ میں شامل تھا۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں محمد قلی خان برلاس ممتاز ہستی تھا اکبر بادشاہ نے سکندر خان کی بہترین خدمات کے صلے ان کو اودھ کی جاگیر عطا کی تھی۔ فریدون خان برلاس اُن کے فرزند ارجمند تھے۔ فریدون خان کے انتقال کے بعد بھی جہانگیر بادشاہ نے ان کا اعزاز برقرار رکھا۔ پروفیسر عبدالعزیز خان نے ماضی کے دریچوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے نہایت افسردہ لہجے میں حال کا ذکر کیا۔ اور کہا آج تک کسی نے تنولیوں کی فلاح و بہبود کی طرف دھیان نہیں دیا۔

ملک تناول اور باشندے

ایک کہاوت مشہور ہے خدا نے جب دنیا بنائی تو پتھروں اور چٹانوں کا ایک بے پناہ انبار پڑا رہ گیا اس انبار کو اٹھا کر صوبہ سرحد میں پھینک دیا گیا۔ یہ کہاوت تناول پر خوب صادق آتی ہے۔ تناول کا ملک پہاڑوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ہموار زمین بہت کم ہے۔ پیداوار فصل خریف اور فصل ربیع دونوں برابر نہیں ہیں۔ جب ریاست پلال قائم تھی تو نصف حصہ حاکمان کو ادا کیا جاتا تھا۔ ہندوال ریاست میں رعیت مالک نہیں تھی۔ ریاست پلال 1818 میں ختم ہو گئی تھی جبکہ ہندوال ریاست 1950ء پاکستان میں ضم ہوئی۔ تناول کا کل رقبہ 720 مربع میل ہے جس میں 204 مربع میل ہندوال ریاست تناول کا تھا۔ اور 516 مربع میل لوئر تناول پلال ریاست کا تھا۔ تناول کے شمال میں

پکھلی مغرب میں تربیلا ڈیم مشرق موضعات مور کلاں رسم کوٹ اور جنوب میں ضلع ہری پور واقع ہے۔

تناول میں تنولی، اعوان، سید، ترک، چار بڑے قبیلے آباد ہیں۔ ان چار قبیلوں کے علاوہ دیگر قبائل بھی سکونت پذیر ہیں لیکن اُن کی تعداد زیادہ نہیں جتنی کہ مذکورہ بالا اقوام کی ہے۔

تناول کے باشندے بہادر، محنتی، ذہین، اسلام کے شیدائی اور آزادی کے متوالے ہیں کہتے ہیں جن کے جذبے سچے ہوتے ہیں وہ احترام کے قابل ہوتے ہیں اکثریت فوج کی ملازمت کو ترجیح دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے انہوں نے جنگ عظیم اوّل اور پھر جنگ عظیم دوئم میں بھرپور حصہ لیا جس کی بدولت ان کو عسکری تربیت حاصل ہوتی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کے کام آئی۔ ریکارڈ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اقوام تناول نے تناول سے برصغیر کی اطراف اُن دوسری اقوام کی طرح ہجرت نہیں کی۔ یہ لوگ اُن میدانوں کی طرف کیوں نہیں گئے جن کی زمینیں کھیتی باڑی میں سونا اگلتی تھیں۔ انہوں نے اپنے رہنے سہنے کھانے پینے کی تنگی کو گوارہ کر لیا۔ ان میدانوں کی طرف نہیں گئے یہاں سے ان کی تنگدستی دور ہو سکتی تھی۔ اور وُہ خوشحال زندگی گزار سکتے تھے۔ اُن کی سنگلاخ پہاڑوں سے نقل مکانی نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنی آزادی خطرے میں نہیں ڈالی۔ تناول میں صدیاں رہائش پذیر رہنے کی وجہ سے اقوام تناول آپس میں مل جل کر بھائیوں کی طرح رہ رہی ہیں۔ ان سب کو سرزمین تناول سے والہانہ محبت ہے۔ تربیلا جھیل بن جانے کے باعث اعوان قبیلہ کے بزرگ بابا سجاول کا سجاول شریف جو ان کے نام پر رکھا گیا۔ ایک تقریب کے ذریعے جس میں پاکستان بھر کے اعوانوں نے شرکت کی۔ تربیلا سے مزار شریف کو ضلع مانسہرہ میں منتقل کیا گیا۔ اسی طرح نواب صاحب امب کے خاندانی قبرستان کو بھی ضلع مانسہرہ شیر گڑھ کے مقام پر منتقل کیا گیا۔

تناول کا علاقہ تقسیم ہند سے چند سال قبل جنگلات سے بھرا ہوا تھا۔ گو اب جنگلات کی تعداد کم ہو گئی ہے پھر بھی دوسرے علاقوں کی نسبت درختوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ارضیاتی ماحول کا معاشرت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہاں جنگلات زیادہ ہوتے ہیں وہاں شرح جرائم کم ہوتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ سنگلاخ زمین بھی ہو تو وہاں کے باشندے جری، بہادر، جفاکش ہونے کے علاوہ اخلاقی اور مذہبی اقدار کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ تناول کا علاقہ پر امن علاقہ ہے۔ جہاں جرائم کی شرح بہت کم ہے۔

تناول کی چار چیزیں مشہور ہیں کہتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب تناول میں ہر آدمی کے کاندھے پر سفید چادر نظر آتی تھی۔ چادر رکھنا لباس کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا چادر ہر طرح کے کام آتی ہے۔ اہلِ تناول کا بڑا وصف مہمان نوازی ہے۔ میزبان مہمانوں کے ساتھ بڑی محبت وچاہت سے پیش آتے ہیں۔ پہلے چاہے پیش کی جاتی ہے اس کے بعد چلم اگر کوئی شوق فرماتا ہے۔ تو پیش کی جاتی ہے۔ اہلِ تناول کی پسندیدہ غذا مکئی کی روٹی مکھن اور سرسوں کا ساگ ہے۔ ماضی کا تناول حال کے تناول سے بالکل مختلف ہے سکھوں کے زوال کے بعد انگریزی راج کے ابتدائی دور میں یہاں آمدورفت کے لئے پہاڑی راستے تھے۔ اور کوئی سڑک نہیں تھی۔ اب آمدورفت کے لئے شاہراہ تناول ہے جو ہری پور سے ۹۴ کلومیٹر بیٹر ہوتی ہوئی چھپڑ جاتی ہے۔ شاہراہ تناول کے علاوہ تین دیگر پکی سڑکیں تناول میں جاتی ہیں آبادی بڑھ جانے سے ان سڑکوں پر ہر وقت آمدورفت رہتی ہے۔ آبادی کی شرح دو سو فی صد کے حساب سے آگے بڑھی ہے۔ 1981 کی مردم شماری میں تناول کی کل آبادی ۸ لاکھ کے قریب تھی۔ جبکہ ۱۹۸۱ء میں ضلع ہزارہ کی کل آبادی ۲۵ لاکھ تھی۔ ندی سرن تناول میں شمال سے جنوب کی طرف بہتی ہے سیری شیر شاہ نزد بھوہلر کے مقام پر اس کا مانگل کے ساتھ سنگم ہوتا ہے۔ اسی مقام پر تاجدارِ تناول زبردست خان المعروف صوبہ خان آسودہ خاک ہیں۔ تناول میں بسنے والی اقوام نے باقاعدہ آپس میں بیاہ شادی کرنے کا آغاز سترویں صدی کے اختتام پر کیا اُس سے پہلے آپس میں شادی بیاہ کا رواج نہیں تھا تناول کی آب وہوا صحت کے لئے نہایت موزوں ہے۔ گرمیوں میں کم گرمی اور سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ طبعی نقطہ نظر سے موسم سرما کی کے سرد ترین ایام ۲۰ دسمبر سے ۳۱ جنوری وفروری کے ایام ہیں بارشیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ اکثر برف باری بھی ان ہی ایام میں ہوتی ہے کہیں کہیں پینے کے پانی میں فلورین، پوٹاش، سوڈا، اور میگنیشم کے عناصر شامل ہیں۔ جسے آج دنیا کے سائنس دان صحت کے لئے بہترین مانتے ہیں۔ تناول کے بعض مقامات کی سطح سمندر سے بلندی ۶۱۷۸ فٹ سے زیادہ ہے۔

پھر مجھے ان سحر و شام کی یاد آتی ہے
عہدہ رفتہ کے خوش آیام کی یاد آتی ہے

یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے اپنے پیارے دوست محترم مقرب آفندی (مرحوم) یاد آجاتے ہیں جن کا تعلق بحالی سے تھا انہوں نے مجھے تناول پر لکھی ہوئی اپنی ایک نظم سنائی تھی یہ طالب علمی کا زمانہ تھا غالباً یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے۔ باوجود اتنا عرصہ گزرنے کے نظم کا ایک مصرعہ اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

بلند و بالا پہاڑ جو بادلوں کو چومتے ہیں
بادل جو اٹکلیاں کرتے ہیں آوارہ گھومتے ہیں

سرزمین ہزارہ کے مردم خیز خطہ تناول نے بڑے بڑے سپوت پیدا کئے ہیں۔ جنہوں نے ملک اور قوم کا نام روشن کیا ہے۔ گو وہ اب ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کا نام روشن درخشاں ستاروں کی طرح ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ مرحومین میں مولانا محمد عرفان، قلندر خان تنولی، ملک محمد عالم خان اعوان ڈاکٹر سید عبد اللہ، کرنل عبد الغفور خان، کیپٹن تیمبر محمد خان، ملک غلام ربانی، انسپکٹر جنرل نوبزادہ محمد فرید خان، محمد یوسف خان تنولی، کیپٹن ارشد فرید، ڈاکٹر یار محمد خان کے علاوہ کئی دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔

درّہ تانال

مردمان تنولیان از تانال آمدند
ازمردمان صاحب جرات و شمشیر زن ہستند

تنولیوں کی آمد: تانال سے بتائی جاتی ہے۔ جو کابل اور غزنوی کے درمیان واقع ایک درہ ہے۔ افغانستان تو کجا دنیا بھر میں تانال نام کا کوئی شہر، دریا، پہاڑ اور درّہ موجود نہیں ہے. اگر آپ کو یقین نہ آئے تو بخوشی تحقیق کر کے مطمئن ہو جائیے۔ چونکہ یہ ناصر الدین سبکتگین ۹۷۱ء کے عہد کا نام ہے۔ جس کو آج گزرے ہوئے دس صدیاں بیت چکی ہیں۔ یعنی ایک ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے اُس عہد کا تانال اپنی لفظی ہیت کھو چکا ہے۔ افغانستان کی ایک صدی پیشتر لفظی کفیت کا اندازہ اس مشہور ومعروف لفظ سے ہو سکتا ہے۔ ایک صدی پہلے درّانی کو (DOURANiE) لکھتے تھے اور آج کے درانی (DURANi) میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ درّہ تانال اور درّہ توری چھوٹے چھوٹے درّے ہیں۔ افغانستان کے ۹ بڑے درّوں میں اُن کا شمار نہیں ہوتا۔ نو بڑے بڑے درّوں میں سے ہر ایک درّے کی سطح سمندر سے بلندی ۳۲۰۰ میٹر سے کم نہیں ہے۔ پھر یہ ہندوکش

پہاڑوں کا وسیع و عریض سلسلہ ۶۰۰ میل سے زیادہ طویل چلا گیا ہے۔ افغانستان میں کوجک ٹنل جو پہاڑوں کو کاٹ کر ریلوے کے لئے ایک سرنگ بنائی گئی تھی۔ یہ اٹھارویں صدی میں نکالی گئی۔ ایک سرنگ ہے جس کا پہلے وجود نہیں تھا۔ افغانستان میں دروں کے نام اور سطح سمندر سے ان کی بلندی میٹروں میں ملاخطہ فرمائیے۔

ا	درّہ خاراک	۳۶۰۰ میٹر	۲	درّہ خاک توال	۳۴۰۰ میٹر
۳	درّہ شیلانگ	۴۷۰۰ میٹر	۴	درّہ [illegible]	۳۶۰۰ میٹر
۵	درّہ کوشاں	۳۷۴۰ میٹر	۶	درّہ شابیر	۳۳۶۰ میٹر
۷	درّہ دندان شکن	۳۲۰۰ میٹر	۸	درّہ باجگاہ	
9	پہاڑی سلسلہ شاہ فولادی				

مشہور حملہ آدروں میں فاتح عالم سکندر اعظم نے درّہ خاراک کو استعمال کیا۔ اور باجوڑ کے راستے ہندوستان آیا۔ اُس کے ایک ہزار سال کے بعد تیمور لنگ نے بھی یہی راستہ استعمال کیا ظہیرالدین بابر نے درّہ چاک کا راستہ استعمال کیا۔ افغانستان سے تنولی سیدھے تناول نہیں آئے تقریباً پانچ سو سال سوات اور جمرود میں سکونت پذیر رہنے کے بعد ۱۴۷۲ء میں وہ فاتح کی حیثیت سے تناول میں داخل ہوئے انور خان بن بہرام خان کا خاندان دوسو اکسانٹھ (۲۶۱) سال سوات پر ۱۲۳۲ء تک حکمران رہا اس خاندان کے آخری حکمران امیر محمد خان المعروف بیر دیو جو کہ بعض لوگوں کے نزدیک غلط فہمی کی بنا پر بیر دیو سمجھا گیا۔ جبکہ بیر دیو بمعنی طاقت ور انسان ان کے لئے استعمال ہوا۔ امیر محمد نے خان جمرود پر ۱۲۳۵ پر قبضہ کیا۔ جمرود پر اس خاندان کی، دوسو چالیس (۲۴۰) سال حکومت رہی اسی بنا پر کہ تنولی سیدھے افغانستان سے داخل نہیں ہوئے۔ ڈاکٹر چارلس میسن نے اپنی کتاب (روسٹائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب) میں دوست محمد خان منتگرٹی کے باب میں درّہ تانال کو بجائے افغانستان کے سوات میں ظاہر کیا ہے جبکہ سوات میں کوئی ایسا درّہ تانال نہ تھا اور نہ ہے۔ درّہ تانال اپنے محل وقوع کے اعتبار سے آج بھی وہیں ہے یہاں ایک ہزار اٹھ[illegible] سال پہلے تھا صرف فرق اتنا ہے۔ کہ لفظ اپنی ہیبت کھو چکا ہے۔ اگر آپ افغانستان کے قدیم نقشے ملاخطہ کریں تو کئی سال گزرنے کے بعد تانال سے صرف تانا (TANA) رہ گیا ہے جو انگریزی کے چار الفاظ ہیں۔ برصغیر میں ہزاروں

ایسے شہر قصبے اور قبائل آباد ہیں جن کے ابتدائی صحیح نام کچھ اور تھے لیکن لوگوں نے ان کو ثقیل اور گراں سمجھ کر بگاڑ دیا پھر ان کو اتنا آسان بنا دیا کہ زبان ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ مثال کے طور پر ضراب کوٹ سے دراب کوٹ اور بعد میں اب دوران کوٹ بن گیا سیوی سے سبی اور بنارس سے بنارس اس طرح پرشاپور سے پشاور اور مالکا سے مکران بن گئے۔ تانال کی نسبت ت سے شروع ہونیوالے شہر، پہاڑ، دریا اور درّے جو کابل اور غزنوی کے درمیان یا قریب ترین واقع ہیں ان میں کابل اور غزنی سے آگے تیزی (TAZI) ہے۔ اس کے پاس دریائے ترناک بہتا ہے۔ دوسرا دریا ترو اہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے پشاور کے پاس تہکال بالا کا ارباب خلیل خاندان دریائے ترناک کے پاس سے ہجرت کر کے پشاور شہر میں سکونت پذیر ہوا۔ یہ لوگ ظہرالدین بابر کے بیٹے کامراں کے عہد میں پشاور آئے انہوں نے شہزادہ کامران کی مدد سے دلازاکوں کو دریائے اٹک کے اس پار بھگا دیا ان میں بہت سے دلازاک ضلع ہری پور میں آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔

سلطان ناصرالدین سبکتگین کے عہد میں تانال اور توری کے علاقوں میں مغل، سید، آوان اور غلزیئوں کی بہت بڑی تعداد مکین تھی۔ کیونکہ اس خطہ سرزمین پر دو دریاؤں ترناک اور تروا کا گزر ہوتا ہے جو دور تک ایک دوسرے کو متوازی کاٹتے ہوئے نکل جاتے ہیں اس لئے یہ خطہ گلہ بانی اور پھلوں کی کاشت کے لئے عرصہ دراز تک کار آمد اور موزوں رہا۔ جب سلطان بہلول لودھی نے ۸۵۵ھ ایک فرمان کی رو سے افغانوں کی ہر قوم کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور لکھا کہ تم سب میرے بھائی ہو اپنے وطن میں کیوں تنگدستی کی زندگی گزار رہے ہو۔ یہاں آؤ اور تنگ دستی سے نجات حاصل کرو۔ اس فرمان کے مطابق ہزارہا افغان اپنا ملک چھوڑ کر پنجاب اور ہندوستان کے علاقوں میں پہنچے افغانستان سے ہجرت کرنے والوں میں یہ سب سے بڑا سلسلہ تھا جس کی کسی بادشاہ نے سرپرستی کی ہو۔ اسی طرح درّہ توری اور درّہ تانا کے بہت سے قبائل نے بھی ہجرت کی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پہنچے اور سکونت پذیر ہوئے۔ افغانستان کے قدیم نقشوں میں تانا پاس موجود ہے۔ پاس انگریزی میں درّے یا گزرگاہ کو کہتے ہیں۔ کتاب "گیٹ آف انڈیا" کا ایک نقشہ پیش خدمت ہے۔ اس میں افغانستان کے تمام درّے اپنے

میواتی کو لب و لہجہ ربط و باہم کے لحاظ سے ایک ہی تسلیم کرتے ہیں۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود کاغان اور جموں و کشمیر میں بولی جانے والی گوجری، راجستھان، کاٹھیاوار، میوات اور گجرات میں بولی جانے والی میواتی بالکل ملتی جلتی ہیں۔ جس کا ذکر انہوں نے لینگوسٹ سروے آف انڈیا میں کیا ہے۔ پاکستان میں ہندکو زبان پر تحقیقی کام بہت کم ہوا ہے۔ جو ابھی تشنہ لب ہے۔ تناول میں بولی جانے والی ہندکو کا لب و لہجہ منفرد ہے۔ اگر تحقیق کی جائے۔ تو بیشتر الفاظ پالی زبان کے ہونگے جو کئی صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اُسی طرح بولے جاتے ہیں۔

معیشت

تناول کی معیشت کا دارومدار کھیتی باڑی سبزی پھلوں مویشی پالنے اور جنگلات پر ہے۔ ہموار زمین بہت کم ہے۔ جو ہے وہ بہت زرخیز ہے۔ تناول کی اہم فصل مکی ہے جو بہ نسبت گندم اچھی ہوتی ہے۔ تناول کا دو تہائی حصہ جنگلات پر پھیلا ہوا ہے۔ صنعتی اور زرعی ترقی کے لئے جنگلات معیشت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل دریائے سندھ کی ریت سے باقاعدہ سونا نکالا جاتا تھا۔ جو لوگ سونا نکالنے کا کام کرتے تھے زرکش کہلاتے تھے۔ جب ابوالفضل بادشاہ کے ساتھ کشمیر جاتے ہوئے اس علاقے (ہزارہ) سے گزرا تو اس نے لوگوں کو بھیڑ بکریاں اور مُرغیاں پالتے ہوئے دیکھا یعنی مرغیاں اور بھیڑ بکریاں پالنا قدیم زمانے سے تھا آبادی کم اور لوگ آسودہ حال تھے۔ بھیڑوں کی اُون سے نمدے، دُھسے اور شالیں جنہیں مقامی لوگ ہندکو میں شاڑھی بولتے ہیں بنانے کی پرانی صنعت چلی آرہی تھی۔ یہاں کی بنائی ہوئی شالیں صوبہ سرحد کے علاوہ پنجاب کے دور دراز علاقوں میں فروخت ہوتی تھیں۔ تناول میں قابل کاشت ۳۲ فی صد رقبے پر بڑی فصل خریف مکئی ۶۵ فی صد اُس کے برعکس فصل ربیع گندم ۳۰ فی صد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں وہ رقبہ بھی شامل ہے جو پہاڑوں میں اصلاح کر کے قابل کاشت بنایا گیا ہے۔ تمام رقبہ بارانی ہے جس کا انحصار موسم پر ہوتا ہے۔ فصلوں کی ضرورت کے مطابق بارش ہو جائے تو پیداوار حوصلہ افزا ہوتی ہے اگر موسم سازگار نہ ہو تو پیداوار اچھی نہیں ہوتی۔ معیشت کو ترقی دینے کے لئے ذرائع آمدورفت بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں دشوار گزار راستے ہوں اور ضروریات زندگی کی بہم رسانی مشکل اور دیرپا ہو وہ علاقے ترقی کی دوڑ میں ہمیشہ

پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہی صورتحال تناول کے دور افتادہ علاقوں کی تھی۔ لیکن ایوب خان کے دور میں اپنی مدد آپ کے تحت تناول کے باہمت لوگوں نے سنگلاخ پہاڑوں کو کاٹ کر جو سڑکیں بنائیں وہ قابل قدر ہیں۔ آج حکومت اُن سڑکوں کو بناتی تو کروڑوں روپے خرچ ہوتے۔ ۱۹۵۰ء میں ضلع ہزارہ کا ملحق آزاد علاقہ جس کا رقبہ ہزارہ سے ڈیڑھ گناہ زیادہ تھا۔ اور آبادی دو لاکھ سے زیادہ تھی ہزارہ میں ضم کر دیا گیا عملاً یہ رقبہ ۱۹۶۰ء میں ہزارہ کا ایک علاقہ قرار دے دیا گیا۔ اس طرح صوبہ سرحد میں آبادی اور رقبے کے لحاظ سے ہزارہ سب سے بڑا ڈویژن بن گیا۔ جتنا زیادہ یہ بڑا ہے۔ اتنا ہی زیادہ یہ پس ماندہ ہے۔ یہ ایک المیہ ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے یہ کم ترقی یافتہ و پس ماندہ علاقہ نظر انداز ہوتا چلا آرہا ہے معاشی ذرائع نہ ہونے کی وجہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات و محنت کش طبقہ سخت پریشان حال ہے۔ لوگ افلاس و غربت کے ہاتھوں نالاں و پریشان حصول معاش کے لئے بڑے بڑے شہروں میں بے بس و مجبور سرگرداں ہیں سخت محنت و مشقت کے لئے پابہ سلاسل ہیں۔ تناول قدرتی وسائل سے مالامال ہے قیام پاکستان سے لے کر اب تک قدرتی وسائل کو بروئے کار نہیں لایا گیا جو حکومت کی عدم توجہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ۱۹۸۳ء چھٹے منصوبے میں کم ترقی یافتہ اور پسماندہ علاقوں کو ترجیح بنیادوں پر سرفہرست رکھا گیا۔ اس طرح ایک ٹھوس اقتصادی و معاشی قدم اٹھایا گیا۔ یہ ملک کی معیشت و استحکام کے لئے ایک خوش کن تبدیلی تھی۔ اس طرح کچھ امید ہو گئی تھی۔ اب پسماندہ اور کم ترقی یافتہ علاقوں میں تعمیر و ترقی کا کام شروع ہو گا۔ لیکن واہ رے تبدیلی سخن سب کام ترقی یافتہ علاقوں میں ہوا یہ کتنا بڑا تضاد ہے۔ آج بھی پسماندہ اور کم ترقی یافتہ اسی طرح ہیں جس طرح کئی سال پہلے تھے۔ تناول کا علاقہ پسماندہ ہے۔ لوگ راسخ العقیدہ مسلمان محبِ وطن اور مہمان نواز ہیں انہوں نے قیام پاکستان اور جہادِ کشمیر میں جو مالی و جانی قربانیاں پیش کیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لوگ احساس محرومی کا شکار ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں۔ کہ اتنی کثیر آبادی کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے مدت مدید سے ورثہ میں ملی ہوئی پسماندگی کب ختم ہو گی اس کا واحد حل یہ ہے کہ تربیلا جھیل کی رائیلٹی جو تناول کا قانونی حق بنتا ہے۔ اُس کا حصہ تناول کو ملنا چاہیئے پورے ہزارہ کو زیر انتظام وفاق دیا جائے۔ تاکہ یہ بدنصیب اور پسماندہ علاقہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے

محل وقوع کے ساتھ ظاہر ہیں۔ وادی پغمان میں دریائے غوربند سے نیچے درہ شابیر ہے جس کی سطح سمندر سے ۳۳۰۶ میٹر ہے۔ اُس کے بالمقابل درّہ زاک ہے اُس سے آگے درہ توری اور تواہیں یہی درّہ تانال کی اصل جگہ ہے جو آج سے ایک ہزار اکیس سال پہلے تھی۔

تناول کی زبان ہندکو

تناول کی مقامی بولی ہندکو ہے۔ جو قدیم پالی زبان کی ایک موجودہ شکل ہے اس میں یونانی، فارسی اور دوسری زبانوں کے الفاظ مل گئے ہیں۔ جس سے اس کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہو گیا ہے پالی بدھوں کی مقدس زبان تھی بھکشو اپنی مذہبی عبادات اس زبان میں محفوظ رکھتے تھے۔ ماہرین لسانیات کے مطابق پالی زبان ٹیکسلا میں خوب پھولی پھلی ہے۔ اور فروغ پایا۔ اشوک اعظم کے زمانے میں یہ عروج پر تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ہندکو بولنے والوں کی تعداد ۴ لاکھ افراد سے زیادہ ہے۔ یہ لوگ پشاور ہزارہ اور جنوب مغرب میں ڈیرہ اسمٰعیل خان تک پھیلے ہوئے ہیں ہندکو ساڑھے تین ہزار سال پرانی زبان ہے۔ ایک روایت کے مطابق ہندکو سنسکرت سے نکلے ہوئے لفظ سندھو سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی دریائے سندھ ہیں چونکہ ژند اور پہلوی زبان میں سین کا لفظ ہ سے بدل جاتا ہے۔ اس لئے ہنجا منشی بادشاہوں نے دریائے سندھ کے قریب علاقے کا نام ہند اور وہاں کی زبان بولنے والے تھے ان کو ہندکو کہا جو آج تک اسی نام سے موسوم چلا آرہا ہے۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا ہندوستان کی جتنی بولیاں ہیں وہ سب سنسکرت سے نکلی ہیں۔ اب ماہرین لسانیات کے علاوہ مورخین نے بھی اس نظریہ کو رد کر دیا ہے مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور ہندوستان کے ساتھ اُن کے میل وملاپ سے ہندوستان میں اُردو زبان نے جنم لیا۔ اور اُردو زبان کا ذخیرہ الفاظ ساٹھ ہزار الفاظ سے زیادہ نہیں جس میں بیس ہزار الفاظ فارسی، عربی، سنسکرت اور انگریزی کے ہیں۔

صوبہ سرحد میں جو بدھ مت پنپ رہا تھا اشوک اعظم کے کتبے میں ان کی زبان پراکرت ہے جو پالی اور سنسکرت کے درمیان کی زبان کہلاتی ہے۔ پراکرت کسی خاص بولی یا زبان کا نام نہیں تھا۔ یہ عوامی بولی تھی۔ اس کے مختلف علاقوں میں مختلف روپ تھے۔ اس لئے ہر علاقے

کی پراکرت میں فرق پیدا ہو گیا ماہرین لسانیات کے مطابق ہر بارہ کوس کے فاصلے پر زبان کے الفاظ میں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ پالی زبان افغانستان سے لے کر سندھ تک بولی جاتی تھی۔ پالی زبان کے کچھ کتبات بھاول پور بہاولنگر کے نزدیک اور پاکپتن میں ملے ہیں۔ ہندکو زبان قدیم پالی کی ایک شکل ہے۔ سنسکرت کے معنی آراستہ و پیراستہ اور پر تکلّف کے ہیں۔ گمان ہے یہ زبان صرف آریوں کی تحریری زبان تھی۔ سنسکرت کا لکھنا پڑھنا اور علم حاصل کرنا صرف علماء اور فضلاء کرتے تھے۔ سنسکرت انتہائی ترقی یافتہ مصنوعی زبان تھی۔ جو آریوں کے ایک طبقے برہمنوں تک محدود تھی۔ وہ اس کے امانت دار سمجھے جاتے تھے۔ قدیم ہندکو ادب کا ابھی تک پوری طرح سراغ نہیں مل سکا۔ زمانے کے نشیب و فراز اور ستم ظریفوں کے باعث اس کا ادبی سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا۔ البتہ پالی کی زبان کے دو کتب انگوترا اور مہاوستو جو بدھ مت کی قدیم کتب ہیں۔ یہ دونوں کتب پالی زبان کی عظیم شاہکار ہیں۔ انگوترا میں مہاتما بدھ کے مختلف موضوعات پر وہ اقوال درج ہیں۔ جن کا وقتاً فوقتاً انہوں نے وعظ فرمایا۔ مہاوستو یعنی عظیم کہانی اس میں بہت سی روایات اور معجزوں کے ساتھ ملی جلی مہاتما بدھ کی سوانح عمری درج ہے۔ قدیم بدھ ادب کا یہ انمول سرمایہ تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح کا ہے۔ جب یونانی اس خطے میں آئے تو سینکڑوں الفاظ یونانی کے پالی زبان میں منتقل ہوئے جو آج بھی ہندکو میں اسی طرح مستعمل ہیں جس طرح سینکڑوں سال پہلے پالی زبان میں تھے۔ تناول کی ہندکو دوسرے علاقوں کی ہندکو سے قدیم سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بعض قدیم الفاظ جوں کے توں اُسی طرح ہیں جس طرح قدیم پالی زبان میں تھے جو بدھوں کے وقت گندھارا میں بولی جاتی تھی۔ یہ پہاڑی اور سنگلاخ علاقہ اپنی ثقافت لئے بیرونی یلغاروں سے عرصہ دراز تک محفوظ رہا یہی وجہ ہے قدیم ذخیرہ الفاظ اب تک اس ہندکو میں دوسرے ہندکو بولنے والے علاقوں کی نسبت زیادہ ہے۔

تقسیم ہند سے پہلے دو زبانوں پر تحقیق کا کام ایبٹ آباد میں ہوا۔ کیونکہ ایبٹ آباد کا صحت افزا اور پرسکون ماحول تحقیقی کا کام کے لئے نہایت سازگار تھا۔ ڈاکٹر سمتھ اور سر جارج گریرسن نے گوجری زبان کی کئی جلدیں مکمل کیں۔ سر جارج گریرسن نے کشمیری زبان کی لغت تیار کی ہندکو زبان پر بہت ہی تھوڑا کام ہوا جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماہر لسانیات سر جارج گریرسن گوجری اور

اسلام کی آمد

مملکت عرب کے عباسی سالار یعقوب لائس نے تقریباً ۸۷۰ء کے لگ بھگ کابل پر حملہ کیا اس وقت جو ترک حکمران تھے انہوں نے کابل سے ہجرت کی اور دریائے سندھ کے کنارے (اوہند) جو بعد تاریخ میں ہند بھی لکھا جاتا رہا آج کل کا چھچھ ہے درحقیقت چھچھ ہزارہ ایک ہی ہیں یہاں آکر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ ریوڑ پالتے تھے اور کھیتی باڑی کرتے تھے خوشحال اور پُرامن زندگی بسر کر رہے تھے کہ راجہ پال نے انہیں شکست دے کر وہاں سے نکال دیا اور اسلامی افواج کی پیش قدمی روکنے کے لئے پشاور سے کوچ کر کے غزنوی کے حاکم سبکتگین پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ ناصرالدین سبکتگین جو ایرانی نژاد تھا لغمان کے مقام پر صف آرا ہوا عربی کا ایک مقولہ ہے اللہ چاہے جسے شکست دے اور جسے چاہے فتح دے راجہ جے پال کی فوج میں سخت طوفان بادوباراں سے بھگدڑ مچ گئی۔ راجہ جے پال صلح کرنے پر مجبور ہو گیا جس کے عوض اُسے دس لاکھ درہم خراج دینے کی شرط ماننی پڑی اور کئی شہزادے یرغمال چھوڑنا بھی منظور کیا لاہور (صوابی) پہنچ کر اس نے جملہ شرائط کی خلاف ورزی کی۔ سلطان ناصرالدین سبکتگین اپنی افواج کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے آگیا یہاں سخت معرکہ ہوا سلطان سبکتگین کامیاب ہوا۔ راجہ جے پال بھاری جانی ومالی نقصان اٹھا کر پسپا ہوا۔ سلطان ناصرالدین سبکتگین نے ۹۷۱ء میں مفتوح علاقے میں سوات تا بنیر اور کوہ چملہ تا مہابن تک درہ قانال افغانستان سے پانچ ہزار مغل، افغان۔ سید اور اعوان بمعہ اہل وعیال لاکر یہاں آباد کئے۔ سلطان ناصرالدین

سبکتگین ۹۹۷ء کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سلطان محمود تخت نشین ہوا راجہ جے پال نے اس کے باپ سے اپنا بدلہ لینے کی خاطر ۲۷ نومبر ۱۰۰۰ء کو پشاور کے نزدیک اس پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی خراج کے وعدے لاہور (صوابی) آیا اور جل کر اپنے آپ کو ختم کر لیا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۹۹۸ء میں درہ خیبر کے راستے ہندوستان میں داخل ہو کر راجپوتوں اور ہندو راجاؤں سے لڑائیاں لڑیں سلطان موصوف کو ۹۹۸ سے ۱۰۳۰ تک ہندوستان پر سترہ حملے کرنے پڑے۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ۱۱۳۹ء غزنوی سے مخدوم علی حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور لاہور کو دینی مرکز بنا کر اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ہندوشاہیہ خاندان (۸۸۰ - ۱۰۰۵) برسراقتدار رہا یہ لوگ بھٹی خاندان سے تھے اسس خاندان میں راجہ جے پال، انند پال بھیم پال اور تلوچن مشہور راجے ہو گزرے ہیں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مندرجہ بالا لاہور پنجاب کا لاہور نہیں ہے۔ یہ لاہور صوبہ سرحد میں ضلع مردان تحصیل صوابی کا لاہور ہے در اصل یہ لہور ہے جو ہندو شاہیہ خاندان کا پایہ تخت تھا۔ روایت ہے سلطان محمود غزنوی نے راجہ پال کو اسی لہور میں گرفتار کیا تھا۔ سکندر اعظم بھی اسی راستے ٹیکسلا میں داخل ہوا۔

یہاں کئی یونانی آباد ہو گئے تھے پھر یہاں سے بہت یونانی باشندوں نے ہجرت کر کے لبشام کے مقام پر بسیرا کیا انہوں نے بھی لاہور (لہور) کی نسبت سے اپنی بستی کا نام لہور رکھا۔ سلطان محمود غزنوی نے مسلمانوں کے برخلاف راجپوتوں کی سازشوں کو قلع قمع اور ان کو زیر کرنے کے لئے بہت نمایاں کام کیا ہے جو ناقابل فراموش ہے آخری فیصلہ کن جنگ سلطان محمود غزنوی اور راجہ انند پال کے درمیان زیرین ہزارہ میں لڑی گئی۔

سوات میں الوزخان بن برھان الدین کی سکونت

۹۷۱ء میں سلطان ناصرالدین سبکتگین کے آباد کاروں میں الوزخان بن برہان الدین قوم مغل بھی تھا جس نے اپنی پسندیدہ جگہ سوات میں سکونت اختیار کی بعض تواریخ میں الوزخان کا نام الوزدین خان بن بہرام تحریر ہے یہ خاندان سوات پر ڈھائی صدی سے زیادہ حکمران رہا الوزخان بن برہان الدین قوم مغل نہایت متقی پرہیزگار عالم دین شخصیت تھے دین کے پکے اور ارادے کے راسخ مسلمان ہونے کے علاوہ بہادر، نڈر اور جنگجو تھے۔ متفقہ طور پر حاکم سوات مقرر ہوئے اور نہایت عقل و دانشت کے ساتھ حکمرانی کرنے لگے ان کی پشت ڈھائی صدی سے زیادہ (۲۶۱) سوات پر حکمران رہی اس خاندان کے کچھ افراد بنیر گئے اور وہاں بود و باش اختیار کرلی لیکن آپس میں آمد و رفت جاری رکھی۔

الوزخان نیک کردار علم دوست پابند مذہب اور بہت ہردلعزیز تھے خاندان کا ہر فرد امن و سکون کے ساتھ رہ رہا تھا ہر کوئی ان کی عزت کرتا تھا ان کے فیصلے بلاحیل و حجت تسلیم کر لئے جاتے تھے۔

اس لئے نفاق اور شر کی صورت کبھی پیدا نہیں ہوئی وہ کل چھبیس ۲۶ سال سوات پر حکمران رہے ۱۸ اگست ۹۹۷ء کو وفات پائی نہایت ادب و احترام کے ساتھ سوات میں دفن کئے گئے۔ الوزخان کے بعد ان کا بیٹا بنکارا خان جانشین ہوا مندرجہ ذیل اس خاندان کی تفصیل ہے۔

نام	جانشین سنہ عیسوی	وفات	جانشینی کل سال
بنکارا خان	۹۹۷ء	۱۰۳۲ء	۳۵ سال
بیک خان	۱۰۳۲ء	۱۰۵۴ء	۲۲ سال
لکھن خان	۱۰۵۴ء	۱۱۱۲ء	۵۸ سال
چن خان یا چند خان	۱۱۱۲ء	۱۱۳۹ء	۲۷ سال
جمال خان (عرف بالا)	۱۱۳۹ء	۱۱۹۲ء	۵۳ سال
امیر محمد خان (المعروف بیردلو)	۱۱۹۲ء	۱۲۳۲ء	۴۰ سال

پال خان کا جمرود پر قبضہ

سلطان امیر محمد خان (المعروف بیردلو) کی وفات کے بعد ان کا بڑا لڑکا پال خان جانشین ہوا اس کی جانشینی کے تین سال بعد افغانوں سے اس کے دو معرکے ہوئے ہندوستان میں مغلوں اور افغانوں کی پہلی جھڑپ ہے۔ ۱۲۳۵ء پہلے معرکے میں شدید برفباری اور باد و باراں کی وجہ نگرار کے مقام پر پسپا ہوئے دوسری دفعہ اسی سال باتڈک کی جنگ ۱۲۳۵ء میں فتح حاصل کی اور جمرود پر قابض ہو گئے۔ پال خان بلند ہمت بہادر، نڈر شخصیت کے مالک تھے۔ بہترین شمشیر زن اور گھوڑ سوار تھے۔ ان کی عظمت و جلال کا دبدبہ دور دراز تک تھا جب تک زندہ رہے کسی کو یہ مجال نہیں ہوئی کہ وہ ٹیڑھی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ سلطان امیر محمد خان المعروف (بیردلو) کے چھ لڑکے تھے جن میں سب سے بڑا لڑکا پال خان تھا دوسرے نمبر پر ہند خان تھا ان دونوں لڑکوں کی نسل کے باعث تنولیوں میں پلال اور ہندوال علیحدہ پہنچانے جانے لگے یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

پال خان کا خاندان پانچ پشت تک جمرود پر قابض رہا۔ انہوں نے تقریباً ۲۴۰ سال جمرود پر حکومت کی پال خان نے اپنے بھائیوں میں سب سے طویل عمر پائی تھی اس خاندان کی تفصیلات نیچے درج ہیں۔

نام	جانشینی	وفات	کل سال
پال خان (۱۲۳۲-۱۲۳۵ سوات)	۱۲۳۵ء	۱۳۱۳ء	۸۱ سال
دفر خان	۱۳۱۳	۱۳۲۸ء	۱۵ سال
الیاس خان	۱۳۲۸	۱۳۷۹	۵۱ سال
زرین خان	۱۳۷۹	۱۴۲۴	۴۵ سال
خان فروش خان	۱۴۲۴	۱۴۷۲	۴۸ سال

جمرود میں ۱۴۷۲ء میں افغانوں (یوسف زیئوں) سے شکست کھانے کے بعد بہت سے خاندانوں (بہ نسب آباؤ اجداد تنولیاں) نے اپنی سکونت وہی قائم رکھی اپنے آباؤ اجداد کی قدیم جگہ چھوڑنی پسند نہ کی اور فاتح لوگوں کی اطاعت قبول کرلی۔ جن لوگوں نے جمرود سے ہجرت کی ان میں شکست خوردہ خان فروش خان کے ساتھ ممارا خان بھی تھا ان لوگوں کی دیہات اب بھی وہاں ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں۔ مناگی، حمزہ ڈیرہ، رنڈھی، گواٹھی، شنگری، پیس گاڑین، زرشک، گڑھی حیات خان اس طرح جمرود شہر میں گڑھی امیر خان سواتی چونکہ یہ لوگ سوات سے جمرود میں داخل ہوئے تھے اس نئے ملک کے نام پر یہ گڑھی مشہور رہے۔

خان فروش خان کی حکومت کا خاتمہ

خان فروش خان نے جمرود پر (۱۴۲۴-۱۴۷۲) کل ۴۸ سال حکومت کی مضبوط جسم، قدآور، حسین وجمیل، پُر وقار شخصیت کا مالک تھا لیکن سیرت و کردار میں شیطان صفت تھا اپنی ساری عمر عیش و عشرت میں گزاری۔ اس کے تین بھائی مرزا خان، مزید خان اور لائی خان بھی اس کی بڑھتی ہوئی عیاشی سے سخت نالاں و پریشان تھے خان فروش خان اپنے بُرے چال چلن کے باعث سخت بدنام تھا لوگ اس کی عیاشیوں سے تنگ آچکے تھے۔ چنانچہ ۱۴۷۲ء میں افغانوں سے شکست کھا کر بمعہ ۴ ہزار لشکر دریائے سندھ کے کنارے عشرہ کے مقام پر سکونت اختیار کرلی۔ لیکن ابھی سکونت اختیار کرتے ہوئے چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اپنے بھتیجے ممارا خان بن لائی کے ساتھ ایک باغ کے تنازعے میں جو تائی کا برپٹر کہلاتا تھا خان فروش خان زخمی ہوا اور چند دن بستر مرگ پر رہنے کے بعد موت کی آغوش میں چلا گیا۔ خان فروش خان اور ممارا خان کے جھگڑے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی ممارا خان کو اس بات کا سخت دکھ تھا کہ ایک عیاش شخص کی وجہ سے پوری قوم کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور جمرود کی وادی سے کوچ کرنا پڑا۔ جمرود میں خان فروش خان کی شکست سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا البتہ ان کے کچھ خاندان جو ہجرت نہیں کر سکے تھے ان کی نسل اب تک وہاں موجود ہے جو اپنے آپ کو تنولیوں کا ہم نسب کہتے ہوئے اپنے آپ کو مغلوں کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں۔

عالم دین بزرگ اخوند محمد سلاق کی دعا

۱۴۷۲ء میں دریائے سندھ کے کنارے عشرہ کے مقام پر بلال اور سندوال تنولی قیام

پذیر تھے دریائے سندھ عبور کرکے آگے بڑھنے کے لئے آپس میں صلاح ومشورے کر رہے تھے سرکردہ تنولی سرداروں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا آگے یلغار کرنے سے پیشتر کسی عالم دین بزرگ نامور شخصیت کو مدعو کیا جائے اور ان سے آشیرواد حاصل کیا جائے یعنی کسی بزرگ ہستی کی دعا بارگاہ اللہ تعالیٰ میں کرا کر دریائے سندھ کو عبور کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے مولوی محمد ابراہیم لودھی نے مشورہ دیا کابل سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ جواب سوات میں مقیم ہیں ان کا نام اخوند محمد سلاق ہے جو ولی زمانہ ہیں ان کو دعوت دی جائے اگر مان جائیں تو ان کی آمد لشکر کے لئے باعث سعادت ہوگی۔ چنانچہ بالاتفاق تمام سرداراں یہ فیصلہ ہوا مولوی محمد ابراہیم لودھی کو بزرگ موصوف کو لانے کے لئے بھیجا جائے تاکہ وہ منت و سماجت کر کے بزرگ اخوند محمد سلاق کو عشرہ میں لائیں دعوت بذریعہ مولوی محمد ابراہیم من جانب تنولیاں بزرگ اخوند محمد سلاق عشرہ میں تشریف لائے اور ایک ہفتہ تک قیام کیا ہفتہ میں دو اجتماع ہوتے۔ جمعۃ المبارک کی نماز پڑھی گئی تنولیوں کے لئے فتح وکامرانی کی دعا مانگی گئی۔ سردار ممارا خان پلال اور چاڑا خان ہندوال نے بزرگ عالم دین ولی اللہ اخوند محمد سلاق کی خاطر و تواضع میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی تھی۔ بزرگ موصوف نے بعد از دعا سردار ممارا خان پلال کو ایک بیش قیمت اور سردار چاڑا خان ہندوال کو ایک تلوار اور مولوی محمد ابراہیم لودھی کو ایک قرآن شریف اور ایک چھوہارا عطا کئے اور ساتھ دعا کی جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح وکامرانی نصیب کرے۔ سردار ممارا خان پلال نے نہایت احترام کے ساتھ بزرگ اخوند محمد سلاق کو رخصت کیا اور اپنے لشکر کو از سر نو ترتیب دیا تاکہ دریائے سندھ کو عبور کرکے آسانی سے آگے بڑھا جائے یاد رہے یہ تاریخی تلوار آج بھی محمد اشرف خان مرحوم سابق چیئرمین کے بیٹے سجاد احمد خان کوٹھیالہ کے پاس موجود ہے۔

۱۴۷۲ء ترکوں اور تنولیوں میں خونریز جنگ

سلطان دریا خان بمقابلہ سردار ممارا خان پلال

۸ اپریل ۱۴۷۲ موسم بہار کے شروع ہوتے ہی تنولیوں کے لشکر نے دریائے سندھ عبور کرکے دریا کی دوسری جانب قیام کیا تنولیوں کی آمد کی خبر ترکوں کو پہلے ہی پہنچ چکی تھی سلطان شہاب الدین نے اپنے بیٹے سلطان دریا خان کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان دریا خان اپنے صدر مقام باغ گلی سے بارہ ہزار لشکر کے ساتھ پورے اہتمام سے جنگ کرتے نکلے تنولیوں کے لشکر کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہیں تھی یہ بات قابل ذکر ہے ترک اور تنولی دونوں ہزارہ میں نووارد تھے۔ پہلے سلطان شہاب الدین آئے لیکن اپنے بعد آنے والے سردار ممارا خان پلال کو برداشت نہ کر سکے ہوس ملک گیری کا انجام بالآخر جنگ پر منتج ہوا۔ دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا خوب زور آزمائی ہونے لگی شمشیر زن اپنے اپنے جوہر دکھانے لگے ترکوں کے پہلے ہی دن سات سو آدمی اس جنگ میں مارے گئے اور لاشوں کے انبار لگ گئے اتنا بھاری جانی ومالی نقصان دیکھ کر باقی ترک لشکر میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ تنولیوں کو کامل مرشد کی دعا تھی اس کیساتھ وہ بہت اچھے شمشیر زن تھے جیسا کہ ان کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے

از مرداں صاحب جرات وشمشیر زن ہستند۔

مہاراجہ چنڈیر اور سردار ممارا خان پلال کے درمیان خونریز جنگ ۲۸ جون ۱۴۷۲ء

والئی پشنکیاری مہاراجہ چنڈیر ترکوں کی شکست کا سن چکا تھا مہاراجہ بہادر، نڈر اور جنگجو تھا اس کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ بن بلائے مہمان کسی غیر آباد جگہ

پر اپنا قبضہ جمالیں ۔ ترکوں کی جنگ کے بعد تنولی ابھی سنبھلے بھی نہیں تھے کہ ان کو ایک دوسری جنگ کا سامنا کرنا پڑ گیا سردار ممارا خان پلال اس ناگہانی آفت سے ششدر رہ گیا کیونکہ وہ اس جنگ کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ لیکن وہ گھبرایا نہیں اسے اپنے پرانے ساتھی رہ رہ کر یاد آنے لگے جو ترکوں کی جنگ میں تنولیوں کے ایک سو سے زیادہ بہترین شمشیر زن شہید ہو گئے تھے ۔ سردار ممارا خان پلال کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہیں اور چنڈیری لشکر ان سے چار گنا زیادہ ہے ممارا خان پلال نے اپنے لشکر کو ترتیب دیتے ہوئے گرما دیا۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو تنولی بے جگری سے چنڈیری لشکر پر ٹوٹ پڑے ان کے ایک جتھے نے پیچھے سے آکر چنڈیری لشکر کو گھیرے میں لے لیا جس سے مہاراجہ چنڈیر نرغے میں آگیا ۔ مہاراجہ بے جگری سے لڑتے ہوئے مارا گیا لوگ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ نکلے تنولیوں کو اس جنگ میں فتح نصیب ہوئی پندرہ سو آدمی اس جنگ میں قید ہوئے جو دو دن بعد رہا کر دئیے گئے

ریاست پلال ۱۴۷۲ء   ممار قوم   سردار ممارا خان پلال ۱۴۸۴ - ۱۵۷۹

سردار ممارا خان پلال بہت دانا سخی اور بہادر تھے ایماندار و دیانت دار ہونے کے علاوہ نہایت فصیح البیان اور خلیق انسان تھے اپنے اعلیٰ چال چلن کی بدولت وہ عوام میں بہت مقبول تھے انہوں نے ایک سو چالیس سال کی عمر پائی روایت ہے خان موصوف ایک سو بیس سال کی عمر میں بالکل توانا و تندرست تھے اور قرآن شریف بغیر جھجک تلاوت کر سکتے تھے۔ سردار ممارا خان پلال اپنی سرداری بالائے طاق رکھ کر ریاست کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے. ان کا دور تنولیوں میں سنہری دور کہلاتا ہے ان کے عہد میں دو جنگیں لڑی گئیں دونوں جنگوں میں سردار ممارا خان پلال نے اپنے قلیل تعداد لشکروں سے کئی گنا زیادہ لشکروں پر فتح و نصرت حاصل کی ۔ ان کے دور میں پلال ریاست کا قیام عمل میں آیا لوگ

عارضی کمین گاہوں سے نکل کر ایک جذبے کے ساتھ ریاست کی تعمیر نو میں لگ گئے مسجدیں تعمیر ہوئیں سکول بنے کھیتی باڑی کو فروغ حاصل ہوا ۔ ایک وسیع رقبے پر جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑا ہوا تھا ۔ کاشت کاری ہونے لگی زمین کو زرخیز و زرین بنایا گیا رواج نامہ (منشور) ترتیب دیا گیا۔ سردار ممارا خان پلال کا دور امن اور سلامتی کا دور تھا انہوں نے بارہ سال (۱۴۷۲ تا ۱۴۸۴) خود اپنے ہاتھوں سے مکانات تعمیر کئے مسجدیں بنائیں آمد و رفت کے لئے پل بنائے جنگلات کاٹ کر راستے بنائے سردار ممارا خان پلال ریاست پلال کے بانی اور معمار تھے ان میں تکبر و غرور نام کی کوئی شے نہیں تھی وہ قوم کے ہر کام میں شریک تھے قوم ان پر اپنی جان نثار کرتی تھی خان موصوف کی ہدایت پر مولوی محمد ابراہیم لودھی مولوی الٰہی بخش صادق اور مولوی محمد عبداللہ نے رواج نامہ تشکیل دیا ۔ رواج نامہ کے مطابق یہ بات واضح کر دی گئی باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوگا اگر وہ لاولد ہے تو اس کا بڑا بھائی سربراہ ہوگا اگر وہ بھی فوت ہو چکا ہے تو اس کا بڑا لڑکا سربراہ ہوگا بصورت تنازعہ یہ حق مشاورت اعلیٰ کو ہے کہ وہ اپنا فیصلہ دے جو فریقین کو ماننا پڑے گا۔ سردار ممارا خان پلال نے مولوی محمد ابراہیم لودھی کو جو قاضی اور مشیر اعلیٰ تھے یہ صاف بتا دیا تھا مجھے قوم کا سربراہ بننے کا شوق نہیں ہے عشرہ سے ہجرت اور یہاں کے قیام تک جو بھی مشکلات درپیش آئے یہ سب قوم کا فرض بنتا تھا اللہ تعالیٰ کا کرم تھا سب نے مل کر خندہ پیشانی ہمت و حوصلہ اور استقلال کے ساتھ رفع کئے ۔ اس کا کریڈٹ مجھے نہیں سب قوم کو پہنچتا ہے آن کو جاتا ہے جو آج ہم میں نہیں ہیں میری جگہ کوئی اور مناسب شخص سربراہی کے لئے منتخب کر لیں میں اس بوجھ کے قابل نہیں ہوں ۔ مولوی محمد ابراہیم اور ممارا خان کے بیٹوں قبول خان، سلام خان اگر خان، اور اکبر خان کے بے حد اصرار پر ۱۴۸۴ میں منشور کے مطابق باقی ریاست پلال سردار ممارا خان پلال کی باقاعدہ رسم دستار بندی ہوئی اس لئے ان کا عہد ۱۴۸۴ء سے تناول نامہ میں تحریر کیا گیا ہے گو ریاست پلال کا قیام ۱۴۷۲ء میں عمل میں آچکا تھا.

ریاست کے قیام کے ۴۶ سال بعد ۱۵۱۸ء میں مولوی محمد ابراہیم لودھی جو ریاست کے قانونی مشیر اعلیٰ تھے انتقال کر گئے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے رواج نامہ ان کا ترتیب دیا ہوا تھا سردار ممارا خان کو ان کی موت سے بے حد صدمہ ہوا انہوں نے ایک ہفتہ تک مولوی صاحب کا سوگ منایا ان کی جگہ الٰہی بخش صادق کو قاضی مقرر کیا گیا۔

سردار ممارا خان پلال کے زمانے میں ہندوستان میں مغلوں کا دور شروع ہو چکا تھا جس کے بانی ظہیر الدین بابر تھے ۱۵۱۹ء ظہیر الدین بابر نے سوات پر حملہ کیا اور یوسف زئیوں کو شکست دی۔ سارنگ خان گکھڑ کا لڑکا کمال خان ۱۵۵۹ میں مر گیا تھا سعید خان کا لڑکا فتح خان راولپنڈی سے ہزارہ آیا تو سردار ممارا خان پلال کا مہمان بنا اور ان کے پاس چار ماہ قیام کیا اس کے بعد انہوں نے خانپور کا قصبہ آباد آیا۔ سردار ممارا خان پلال ۹۵ سال حکمران رہنے کے بعد ۱۵۷۹ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے موضع ڈیرہ میں ۱۵۷۹ء میں دفن کئے گئے۔

سردار قبول خان پلال

۱۵۷۹ - ۱۶۶۶

ریاست پلال میں منشور کے مطابق اس بات کی باقاعدگی رہی کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا ہی جانشین ہو سردار ممارا خان پلال کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سردار قبول خان پلال جانشین ہوا۔ سردار قبول خان پلال پڑھا لکھا دور اندیش اور روشن خیال تھا

اپنی جانشینی کے دو سال بعد جب

شہنشاہ اکبر نے ۱۵۸۱ء میں دریائے سندھ کو نیلاب سے عبور کیا۔ تو سردار مقبول خان پلال بادشاہ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہنشاہی آداب بجا لایا چنانچہ شاہ موصوف نے سردار کو شاہراہ کشمیر کا نگران مقرر کیا اور سردار کو اجازت دی۔ جو جانور شاہ راہ کشمیر سے گزرے ان کی حفاظت کے بدلے ان سے محصول وصول کیا جائے۔ سردار قبول خان

پلال نے شاہراہ کشمیر کی حفاظت کے لئے چوکیاں بنائیں اُس میں پیادہ اور گھوڑا سوار سپاہی متعین کئے اِس طرح اِس شاہراہ پر امن بحال ہوا اور ہر کوئی بحفاظت سفر کرنے لگا۔ سامان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ باربرداری بیلوں، اونٹوں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے ذریعہ ہوتی تھی بدامنی کے زمانے میں پیشہ ور قزاق ان کے لئے ہر وقت خطرہ بنے رہتے تھے۔ سردار قبول خان پلال کے دور میں دو ہزار تنولیوں کا قافلہ بمعہ اپنے اہل و عیال افغانستان سے ہجرت کر کے دریائے سندھ کو دربند کے مقام سے عبور کر کے ۱۵۹۴ء میں تناول میں داخل ہوا یہ ان کی دوسری آمد تھی۔ ۱۶۴۰ء میں دریائے سندھ میں سخت طغیانی آئی جس سے کافی جانی و مالی نقصان ہوا لوگوں کے مال مویشی اور سامان دریائے سندھ میں بہہ گیا۔ ۱۵۸۶ء میں ریاست پلال کے ساتھ ملحق ریاست پکھلی کے سلطان حسین خان نے شہنشاہ اکبر کے خلاف بغاوت کر دی تھی ملک میں کچھ عرصہ بدامنی رہی اور لوگ اکبر بادشاہ کے خوف اور حملہ سے بچنے کے لئے پلال ریاست کی طرف پناہ کے لئے آنے لگے۔ وجہ بغاوت یہ تھی کہ جب شہنشاہ اکبر کشمیر کے دورے پر جاتے ہوئے سلطان حسین خان کی دعوت پر گلی باغ آئے اور دھمتوڑ میں شاہ رُخ کے ذاتی مہمان بھی بنے اس دور میں شاہی کارندوں نے کشمیر سرکار کی طرح پکھلی کا بھی سرکاری بندوبست یعنی خرچہ اور لگان لگانا چاہی۔ سلطان حسین خان نے جسے اپنی ریاست میں مداخلت بے جا سمجھا اور شہنشاہ اکبر سے درخواست کی کہ میری ریاست میں مداخلت نہ کی جائے یہ درخواست نامنظور ہوئی سلطان حسین خان نصیر الدین کا لقب اختیار کر کے مطلق النسان ہو گئے شہنشاہ اکبر نے پکھلی پر حملہ کر کے سلطان حسین خان کو ریاست بدر کر دیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ریاست بحال کر دی۔ سردار قبول خان پلال نے ۱۶۶۶ء میں وفات پائی اور ڈیرہ میں اپنے باپ کی قبر کے ساتھ دفن کئے گئے۔

سردار بہادر خان پلال

۱۶۶۶ — ۱۷۴۳

۱۶۸۶ء ترکوں اور تنولیوں کی دوسری جنگ

سردار بہادر خان پلال بارعب جنگجو و بہادر شمشیر زن تھے جنگی صلاحیت کے مالک تھے جب ترکوں کو تنولیوں سے شکست ہوئی اور ریاست پلال کا قیام عمل میں آیا تب سے یہ ریاست ترکوں کے لئے ایک مسئلہ اور سردرد بن گئی تھی۔ چونکہ اس ریاست کی وجہ سے تناول پر ان کی حکومت کے خواب ہمیشہ کے لئے شرمندہ تعبیر ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ اس ریاست کو ختم کرنے کے لئے درپردہ سازشوں میں مشغول رہے ریاست پلال کے بڑھتے اثرات سے وہ ہمیشہ خائف رہنے لگے۔ سلطان شاد خان پکھلی کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سلطان محمود خورد پکھلی سرکار کا حکمران ہوا تو اُس نے ۱۶۸۶ء میں تناول کو فتح کرنے کے لئے اس پر لشکر کشی کی سردار بہادر خان پلال نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ سلطان محمود خورد کو بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا اس طرح جب تک وہ زندہ رہا دوبارہ تناول پر لشکر کشی کی جرأت نہیں کی سلطان محمود خورد کی وفات ۱۷۱۳ء میں ہوئی اس کے بعد اس ترک ریاست کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ سردار بہادر خان پلال شاہ ولی اللہؒ سے گہری عقیدت رکھتے تھے انہوں نے ۱۷۲۳ء میں شاہ ولی اللہ سے ملاقات کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے اپنے باپ کی قائم کردہ شاندار درسگاہ کی روایات کو برقرار رکھا جو مسلمانوں کے لئے آگے چل کر کافی سود مند ثابت ہوئی۔ سردار بہادر خان پلال کے زمانے میں دریائے سندھ سے کثرت سے سونا نکالا جاتا تھا تقریباً اٹھائیس مقامات و مواضعات ایسے تھے جہاں زرکش جن کا تعلق ترک قوم سے تھا سونا نکالتے تھے اس حقیقت سے

بہت کم لوگ واقف ہیں دریائے سندھ کو زرافشاں بھی کہتے ہیں جس کے معنی سونا ظاہر کرنے کے ہیں۔ سردار بہادر خان پلال نے ۱۷۴۳ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

(عہد درانی)

سردار زبردست خان پلال (المعروف صوبہ خان)

۱۷۴۳ — ۱۷۸۲

سردار زبردست خان پلال بہت ہی بہادر، نڈر، جنگجو ہوتے کے علاوہ بہت دوراندیش بیدار مغز اور معاملہ فہم شخصیت کے مالک تھے اعلیٰ گھوڑ سوار بہترین شمشیر زن مرنجان مرنج اور مہمان نواز تھے۔ کرنل چارلس میسن اپنی کتاب "روسنبائے بااختیار" میں لکھتے ہیں ہزارہ کے گیتوں میں صوبے خان کا نام بہت آتا ہے اس کی بہادری دولت اور بے حد فیاضی کی عجیب داستانیں مشہور ہیں راوی کہتے ہیں کہ سردار کی پیشانی سے نور شجاعت و سخاوت اور رعب خدا ظاہر ہوتا تھا۔

سردار زبردست خان پلال کے زمانے میں ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت پر زوال کا دور تھا اور مرہٹے اسلام اور بچی کھچی مسلمان حکومت کے لئے خطرہ بن چکے تھے۔ رگھوناتھ راؤ، جانوجی سیندھیا اور ملہار راؤ ہلکر نے نجیب الدولہ کو دہلی سے نکال دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ پنجاب پر رگھوناتھ عرف رگھوبا نے حملہ کر کے پنجاب کے صوبہ دار کو نکال دیا تھا۔ اس وقت مرہٹوں کی طاقت عروج کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ (۱۷۶۲ء-۱۷۰۳) نے مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھتے ہوتے اسلام کی برتری مسلمانوں کے سیاسی اقتدار و استحاد کی خاطر اور آنے والے خطرات سے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی کو آگاہ کیا اور انہیں ہندوستان پر حملہ کرنے کا لکھا۔ چنانچہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوتے احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی سرحد کے پٹھانوں کا اہم

قوم تھا وہ جانتا تھا آزاد قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کا اصل طریقہ کیا ہے۔ اس لئے اُس کے عہد میں پٹھانوں نے کوئی ہنگامہ آرائی نہیں کی۔ اسلام کی برتری کے لیے صوبہ سرحد اور کشمیر کے تمام نوابوں اور رئیساؤں نے اس کے ساتھ ایکا کیا اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں بطور کمک شامل ہونا اپنا فرض اولین سمجھا۔ دوسرے نوابوں اور رئیسوں کی طرح زبردست خان پلال بھی اپنے جانثار سپاہیوں اور گھوڑ سواروں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل ہوئے۔

۱۷۶۱ پانی پت کی تیسری لڑائی

اس لڑائی میں مرہٹوں کے سپہ سالار شوداس راؤ بھاؤ اور اس کا بیٹا وشواش راؤ تھے ان کے ہمراہ جانوجی سیندھیا اور ملہار راؤ ہلکر بھی مدد کے لئے شامل تھے دونوں طرف سے خوب گھمسان کا رن پڑا۔ شروع میں مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا کہ سردار زبردست خان پلال نے اپنے جانثاروں کے ساتھ جنگ کا پانسہ پلٹ دیا ہر طرف مرہٹوں کی لاشوں کے انبار لگنے لگے ساتھ وہ اپنے جنگجو جانثاروں کی راہنمائی بھی کر رہے تھے۔ جانوجی سیندھیا اور وشواش راؤ بھاؤ مارے گئے احمد شاہ ابدالی جو اونچی جگہ راہنمائی کے لئے مورچہ سنبھالے ہوئے تھے دیکھ رہے تھے پہلوان کس طرح جوش وجذبہ اور شجاعت کیساتھ لڑ رہا ہے۔ پہلوان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے باآواز بلند کہا شاباش واہ رہے پہلوان نوجوان تو نے آج دل کو خوش کر دیا ہے ملہار راؤ ہلکر نے بھاگ کر جان بچائی مرہٹوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور اس طرح مرہٹوں کی طاقت کا شمالی ہند میں خاتمہ ہو گیا مرہٹوں کی سلطنت مغلیہ کا وارث بننے کا خواب اور موقع بالکل ہاتھ سے جاتا رہا۔ جنگ کے اختتام پر احمد شاہ ابدالی نے سردار زبردست خان پلال کو اپنے پاس بلایا اور یوں احترام سے ہمکلام ہوئے۔ چہ نامی اے تو پہلوان نوجوان۔ ترا نامی باد شاداں رواں۔ سردار زبردست خان پلال جو کہ خوش کلام وشیریں زبان تھے احمد شاہ ابدالی کو جواب دیا۔ غلام در دولت شہریار۔ رئیس تناول ہوں خدمت گذار۔ احمد شاہ

ابدالی کو سردار زبردست خان پلال سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور اُسی وقت کرسی پیش ہوئی دیر تک احمد شاہ ابدالی اور سردار زبردست خان پلال میں بات چیت ہوتی رہی بالآخر احمد شاہ ابدالی نے اس گوہر نایاب کو ہر طرح پیر مغاں کامل پایا۔ سردار زبردست خان پلال کو دو مہمات متھرا اور مہاراجہ سورج محل والئی بھرت پور جنہوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ سوپنی گیس بھاگو خان رئیس پنجتار بھی ان مہمات میں سردار زبردست خان پلال کے ساتھ رہے اور کامیاب وکامران لوٹے اور انعام واکرام سے فیض یاب ہوئے احمد شاہ ابدالی نے دہلی شاہی دربار میں سردار زبردست خان پلال کو نشان وفرمان شاہی بخشا خطاب صوبہ خان مرحمت فرمایا کشمیر میں بارہ ہزار روپے کی جاگیر اور ملک تناول کی صوبہ داری عطا کی خلعت فاخرہ شاہی پہنا کر نہایت احتشام کے ساتھ اپنے ملک روانہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کو وزیر مقرر کر کے علی گوہر ملقب بہ شاہ عالم ثانی کے بیٹے جوان بخت کو تخت حوالے کر کے خود کابل کی راہ لی اتنی نمایاں کامیابی کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم نہیں کی۔ امکان اغلب ہے احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی اللہ کے احکامات کو ملحوظ خاطر رکھا ہو جس میں مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کو ختم کرنا تھا اس کی واپسی کے بعد کوئی طاقت ہندوستان پر شمال مغربی جانب سے حملہ آور نہیں ہوئی۔

سردار زبردست خان پلال فائز المرام منزل بہ منزل ملک تناول پہنچا نشان عطیہ شاہی ریاست کے صدر مقام مانگل میں بلند ہوا مانگل میں صبح وشام نوبت بجتی تھی۔ مانگل سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی پُر فضا اور خوش منظر کے ہیں یہ شہر دوسری عیسوی کا آباد کردہ ہے مانگل راجہ رسالو کا بیٹا تھا۔ چینی سیاح ہیون سانگ جب ساتویں صدی ہندوستان آیا تھا اس نے مانگل دیکھا تھا جس کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے یہ شہر ہزارہ اور کشمیر کا دارالخلافہ تھا یعنی اس شہر کو بسے ہوئے اٹھارہ سو سال ہو گئے ہیں تاریخی شہروں کی طرح یہ کئی دفعہ اجڑا اور کئی دفعہ بسا سردار موصوف کے بنائے ہوئے ایک پختہ تالاب کے نشانات اب بھی مانگل میں دیکھے جا سکتے ہیں جو تیز رفتار زمانے کے ساتھ

ساتھ مدہم ہوتے جا رہے ہیں

انہوں نے مانگل کا شہر دینی خدمات کے سلسلہ میں پیر زین العابدین ساکن سلطان پور کو لکھ کر دے دیا تھا یہ ان کی سخاوت کی ایک عمدہ مثال ہے جو ہمیشہ کے لئے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ سردار زبردست خان پلال ایک اچھے حکمران عادل و رحم دل نہایت سخی اور غریب پرور شخص تھے میدان ہزارہ، پکھلی، جدون اور اس کے قرب و جوار علاقے انکے تابع و فرمان تھے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ سردار زبردست خان پلال کے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا سب رعیت مبارک دینے کے لئے اکٹھی ہوئی سب ہندوؤں اور مسلمانوں نے ملکر نعرہ شاد، مبارک بُود نومولود پسر صوبہ خان لگایا۔ سردار موصوف شور سن کر حویلی سے باہر آئے اور پوچھا کس بات کی مبارک دے رہے ہو۔ سب نے کہا باغ میں ایک نیا پھول لگا ہے مبارک باد دینے آتے ہیں سردار زبردست خان نے کہا میں سمجھا تھا نیا شخص بیٹر میں آکر آباد ہوا ہے مجھے اپنے بیٹے کی پیدائش سے رعیت میں نیا آنے والا زیادہ عزیز ہے۔ سب رعیت نے سردار موصوف کی خوشحالی اور اقبال مندی کے لئے دعا کی اندازہ ہو سکتا ہے ایسے شخص کا کہ کس خمیر کا یہ تیار کردہ پتلا تھا اور کیسے یہ خاک کا پتلا فولاد کا دل لے کر جوان ہوا سردار موصوف ہر چھوٹے بڑے کی دل جوئی کرتے تھے ان کے کرم و فیض اور حسن و اخلاق کا یہ عالم تھا کہ دُور دُور سے ساہوکار کھتری بیوپاری آکر بیٹر میں آباد ہوئے تناول میں بھیڑ کنڈ ان کا آباد کیا ہوا ہے۔ گو کہ صوبہ خان اس دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن اچھے کاموں کی وجہ سے ان کا نام آج بھی زندہ جاوید ہے اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی لوگ سخی صوبہ خان کو گیتوں اور قصوں میں یاد کرتے ہیں سردار زبردست خان پلال المعروف صوبہ خان کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہوا ان کو سیری شیر شاہ میں دفنایا گیا۔

سردار فتح شیر خان پلال ۱۷۸۲ـ۱۸۰۸ء (عہد درانی)

۱۷۸۲ء میں سردار زبردست خان پلال اپنی وفات سے چند سال پہلے ہی اپنے بڑے لڑکے فتح شیر خان پلال کے حق میں دست بردار ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اپنی دوسری بیوی کے بڑے لڑکے محمد خان کو سرن کا علاقہ بخشا جو کہ فتح شیر خان کا سوتیلا بھائی تھا سردار فتح شیر خان پلال کو سربراہ بننے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اُس کے سوتیلے بھائی محمد خان نے باپ کی تقسیم پر اکتفا نہ کیا اور اپنے باپ کے صحیح اور قانونی وارث پر پٹھانوں کے ایک لشکر کے ساتھ چڑھائی کر دی۔ اس اچانک حملے سے سردار فتح شیر خان پلال اور اس کے چار بھائیوں نے فرار ہو کر جان بچائی اور کھبل میں پناہ لی پھر سارے پر محمد خان کا قبضہ ہو گیا اس کے ساتھ ہی محمد خان نے رعایا پر ستم ڈھانے شروع کر دیئے محمد خان نے ناچاقی کی ابتداء کی تھی اس کے اس شرمناک فعل سے پلال خاندانوں کو بہت دکھ ہوا لیکن جلد ہی وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا اور خاندان کے افراد کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جب یہ خبر سردار فتح شیر خان پلال کو ملی تو وہ کھبل سے آکر اپنی پدری ریاست پر قابض ہوا در اصل تنولیوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے اور فساد کی ابتداء سردار زبردست خان پلال کی وفات کے بعد شروع ہوتی ہے۔ جو چل کر آگے قدم قدم پر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ کی شکل میں ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ اور تنولیوں کی تاریخ میں قتل و غارت کا ایک بازار گرم نظر آتا ہے۔ اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے ریاست پلال کے قیام سے لیکر سردار زبردست خان پلال کی وفات ۱۷۸۲ء تک تقریباً تین صدیاں گزرتی ہیں لیکن تمام دور امن و سکون اور سلامتی کا گزرا ہے کوئی خاندانی رنجش یا چپقلش ابھر کر سامنے نہیں آئی۔ لڑائی جھگڑے اور فساد کی بنیادی وجہ منشور کا احترام نہ کرنا ہے رواج نامہ جو ترتیب دیا گیا ہے اس کو نظر انداز کر کے اپنی من مانی کرنا عقل و دالنست سے کوسوں

بعید ہے۔ سوتیلی اولاد تو پہلے بھی سربراہ خاندانوں کی تھی لیکن انہوں نے رواج نامہ کا بالکل احترام کیا اور اس پر عمل پیرا رہے جس کی وجہ اتنا طویل عرصہ بالکل امن وامان سے گزرا۔ سردار فتح خان پلال صلح کن امن پسند آدمی تھے انہوں نے لڑائی جھگڑے اور فساد سے بچنے کے لئے اپنے سوتیلے بھائیوں کے مطالبے پر اپنے بھائیوں میں علاقے تقسیم کئے۔ سردار فتح شیر خان پلال کا آخری فرمان محمود خان کو ریاست بدر کرنا تھا باوجود کئی بار سمجھانے وہ حکم عدولی پر اتر آیا اس کے بعد سردار فتح شیر خان پلال ۱۸۰۰ء میں اپنے بھائی سردار گل شیر خان پلال کے حق میں ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو گئے۔ اپنی باقی ساری عمر عبادت میں گزاری اور بہت کم وقت اپنے مسکن سے باہر نکلے۔

پرگنوں کی تقسیم

گل شیر خان
ڈیرہ اور کلامٹی

سرفراز خان + محمود خان
شنگرٹی

اشرف خان
گوامرٹی
(ایک ماں)

ناصر خان + بلند خان + سمندر خان

محمد خان + احمد خان
مارا گیا — بدنہک
(ایک ماں)

رحمت خان + رحم خان
شیرواں اور پنڈ کرگو
(ایک ماں)

محمود خان نے سرفراز خان سے شنگرٹی کے مواضعات کی تقسیم پر لڑائی شروع کر دی گو چہ سردار فتح شیر خان پلال نے یہ معاملہ رفع دفع کر دیا تھا لیکن بدقسمتی سے محمود خان باز نہ آیا پھر لڑائی پر آمادہ ہوا جس کی وجہ سے سردار فتح شیر خان پلال نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کر کے محمود خان کو ریاست بدر کر دیا۔

اس طرح سرفراز خان کو شنگرٹی کے پورے مواضعات دے دیئے سردار فتح شیر خان پلال کل ۱۸ سال سربراہ رہے لیکن کبھی بھی امن وسکون سے نہ بیٹھ سکے اور اس عالم جہاں سے ۱۸۰۵ء میں کوچ کر گئے اپنے باپ کے قبرستان واقع میری شیر شاہ

(نزد چھوہر) یہاں سرن اور مانگل کا سنگم ہے دفنائے گئے۔

سردار گل شیر خان پلال ۱۸۰۰ — ۱۸۰۹ (عہد دوئانی)

۱۸۰۵ء میں سردار فتح شیر خان پلال کی وفات کے بعد قوم نے متفقہ طور پر ان کے بھائی سردار گل شیر خان پلال کو سربراہ تسلیم کر لیا۔ سربراہ بننے کے بعد ۱۸۰۶ء میں انہوں نے تمام برادری کو اکٹھا کیا اور آپس میں صلح وآشتی سے رہنے کی تلقین کی اور تنازعات پر امن طریقے سے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ سردار گل شیر خان پلال نرم طبیعت انسان تھے فساد کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے اپنے بھائیوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ بلکہ قوم ہندوال کے سردار ہیبت خان کی لڑکی اپنے لڑکے احمد علی خان سے بیاہی اور اپنی لڑکی سردار ہیبت خان ہندوال کے لڑکے ہاشم علی خان ہندوال سے بیاہی تاکہ آپس کی رنجش ونفاق ہمیشہ کے لئے دور ہو سکے۔ پلالوں میں آپس کی رنجش ونفاق سے ان کی طاقت منتشر ہو چکی تھی۔ دوسری طرف ہندوال زور پکڑ رہے تھے ہیبت خان ہندوال خود سر تھا جب اس نے اپنے آپ کو سردار گل شیر خان کا ہمسر پایا اس پر مطلق العنانی کا بھوت سوار ہو گیا سردار گل شیر خان پلال نے اسے علاقہ بدر کر دیا۔ اور اس کے مکانات جلا دیئے ہیبت خان ہندوال کو جلد سمجھ آگئی سردار موصوف سے معافی مانگ کر مطیع ہو گیا اور از سر نو اپنے مکانات تعمیر کر کے بود وباش اختیار کر لی۔ یہ ایک ایسا دور تھا ایک جانب آپس کی رنجش وفساد تھا دوسری جانب پورا ہزارہ بدامنی کا شکار تھا درانیوں نے ہزارہ پر خوانین کے ذریعے حکومت کی انہوں نے کبھی مستحکم نظام بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ہزارہ تو درکنار انہوں نے ہندوستان میں بھی مستحکم حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ نادر شاہ ایرانی نے ہندوستان پر بڑا حملہ کیا وہ آندھی کی طرح آیا اور لوٹ مار کر کے بگولے کی طرح واپس چلا گیا۔

نادر شاہ ایرانی کے بعد افغانستان میں احمد شاہ ابدالی نے ایک قومی حکومت کی بنیاد ڈالی

وہ ان ہندوستانی علاقوں کا مالک بن گیا جو نادر شاہ ایرانی کی سلطنت میں تھے ۔ مرہٹوں کی شکست کے بعد احمد شاہ ابدالی کا کوئی حریف میدان میں باقی نہیں تھا راستہ بالکل صاف تھا لیکن انہوں نے سلطنت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ درانیوں کے عہد میں ہزارہ ان کے آئے دن خانہ جنگیوں اور سازشوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا بیسویں صدی کے اوائل میں درانی سلطنت بہت کمزور ہو گئی جس سے ملک میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہو گیا ہزارہ میں درانیوں کی طرف نجیب اللہ خان ترین کوٹ نجیب اللہ، جعفر خان گکھڑ خانپور سعادت خان سواتی گڑھی حبیب اللہ اور گل شیر خان پلال تناول مقرر تھے ۔ سردار گل شیر خان پلال رعایا پرور تھا بیڑ میں ہندوؤں کے لیے معمار کشمیر سے منگوا کر ایک عالیشان دھرم سالہ تعمیر کرا کر ان کو دیا سردار گل شیر خان پلال سے مشہور انگریز سیاح فوسٹر بھی ملاقات کر چکا ہے ان کی وفات ۱۸۰۹ء میں ہوئی ڈیرہ میں دفن ہوئے ۔

دونوں ریاستوں پر ایک طائرانہ نظر

ریاست پلال

سردار حمارا خان پلال ۱۴۸۴- ۱۵۷۹

سردار مقبول خان پلال ۱۵۷۹- ۱۶۶۶

سردار بہادر خان پلال ۱۶۶۶ - ۱۷۴۳

سردار زبردست خان پلال ۱۷۴۳ - ۱۷۸۲

سردار فتح شیر خان پلال ۱۷۸۲ء- ۱۸۰۰ء (وفات ۱۸۰۵)

سردار گل شیر خان پلال ۱۸۰۰- ۱۸۰۹

سردار محمد اعظم خان پلال ۱۸۱۰- ۱۸۱۰

ریاست ہندوال

سردار گل محمد خان ہندوال ۱۷۶۲ - ۱۷۷۲

سردار ہیبت خان ہندوال ۱۷۷۲ - ۱۸۰۳

سردار ہاشم خان ہندوال ۱۸۰۳ - ۱۸۱۲

سردار نواب خان ہندوال ۱۸۱۳ - ۱۸۱۷

سردار محمود خان پلال ۱۸۱۰ - ۱۸۱۲

سردار احمد علی خان پلال ۱۸۱۱ - ۱۸۱۴

سردار اکبر علی خان پلال ۱۸۱۳ - ۱۸۱۴

پائندہ خان ہندوال ۱۸۱۷ - ۱۸۴۳

جہانداد خان ہندوال ۱۸۴۳ - ۱۸۵۸

سر محمد اکرم خان ہندوال ۱۸۵۸ - ۱۹۰۷

خانیزمان خان ہندوال ۱۹۰۷ - ۱۹۳۴

محمد فرید خان ہندوال ۱۹۳۶ - ۱۹۷۰

محمد سعید خان ہندوال ۱۹۷۰ - ۱۹۷۴

نوابزادہ صلاح الدین سعید

۱۹۵۰ء میں ریاست باضابطہ طور سے پاکستان میں شامل کر دی گئی نوابزادہ صلاح الدین سعید تین دفعہ قومی اسمبلی کے ممبر اپنے علاقے سے منتخب ہوئے ہیں آج کل قومی اسمبلی کے ممبر ہیں ۔

سردار اعظم خان پلال ۱۸۱۰ - ۱۸۱۰

سردار گل شیر خان پلال کی وفات کے بعد ان کے بھائی سردار فتح شیر خان پلال کا لڑکا اعظم خان بزور شمشیر غیر متفقہ قوم پلالاں کا سردار بن گیا اس نے بیڑ کو دارالریاست بنایا اور اپنے چچازاد بھائی سردار احمد علی خان کو سرن کے پار بدنہگ اور کلائی کے پرگنے دیئے تاکہ یہ فساد نہ کرے ابھی یہ سنبھلا بھی نہ تھا کہ محمود خان (۱۸۱۰ - ۱۸۱۲ء) پسر صوبہ خان کا لڑکا جسے اپنے سگے بھائی نے بوجہ فساد ریاست بدر کر دیا تھا ۔ اور اپنے بقیہ دن موضع واڑی میں بسر کر رہا تھا ۔ سردار اعظم خان کو قتل کر کے خود سردار بن بیٹھا لیکن یہ کھیل کچھ زیادہ دیر نہ چل سکا کیونکہ محمود خان سل کا مریض تھا ۔ اس بیماری نے اس کو زیادہ مہلت نہ دی پلالوں

کا یہ غیر قانونی وارث ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا ۲۲ نومبر ۱۸۱۲ کو دارطبی میں دفنایا گیا۔ محمود خان کی وفات کے بعد پلالوں نے آپس میں مشورہ کر کے اس کے بیٹے اکبر علی خان کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیا لیکن یہ بات احمد علی خان کو ناگوار گزری اس نے بدنہک و کلائی سے لشکر لا کر بزور طاقت اکبر علی خان کو چھوہار اور بیرٹ سے نکال دیا اور خود اس پر قابض ہو گیا۔ اکبر علی خان بے یار و مددگار حاکم کشمیر عطا محمد خان کی خدمت میں بغرض امداد حاضر ہوا

سردار احمد علی خان کو یہ معلوم ہوا کہ اکبر علی خان لڑنے کیلئے کشمیر سے کمک کے ساتھ آ رہا ہے۔ تو اس نے گھر کے تمام قیمتی سونے کے زیورات، ریشمی پارچات و سنہری تلمکاری برتن، بندوقیں اور سنہری مرصع شدہ تلواریں و پیش قبض جن کی قیمت اس زمانے میں لاکھوں روپے بنتی تھی۔ اس ارادے سے سید اعظم برادر سید اکبر شاہ ستھانہ کے پاس بھیج دیں کہ اکبر علی خان کی لوٹ مار سے محفوظ رہ جائیں گیں اور ناساعد حالات میں ستھانہ رہ کر بقیہ زندگی کے دن آرام سے گزار سکوں گا کیونکہ ان کی لڑکی کی نسبت سید اعظم شاہ سے تھی۔ احمد علی خان پر درانی فوج کے ساتھ اکبر علی خان کا حملہ۔ حاکم کشمیر عطا محمد خان نے ایک لشکر جرار کشمیری خان کی سرکردگی، سردار اکبر علی خان کے ساتھ ہزارہ کی طرف روانہ کیا سردار احمد علی خان اس سے قبل تناول سے بھاگ کر گندگر کی طرف چلا گیا اور موضع بھروسہ میں قیام پذیر ہوا درانی فوج نے مسکن احمد علی خان جلا دیا۔ اور اکبر علی خان کو دوبارہ چھوہار اور بیرٹ میں بٹھایا جو $\frac{۱۸۱۳}{۱۸۱۲}$ تک قائم رہا اکبر علی خان اور سردار احمد علی کی کشمکش ختم نہیں ہوئی جب تک یہ زندہ رہے دونوں آپس میں الجھے رہے۔ سردار احمد علی خان سازشی ذہن کا مالک تھا اپنے چچا زاد بھائی حسن علی خان کے ذریعہ اکبر علی خان کو قتل کرا دیا اور خود حکمران بن بیٹھا چھوہار اور بیرٹ کے پلالوں کو اس کی اس شرمناک حرکت سے بہت دکھ ہوا انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے سربلند خان ولد سرفراز خان (شنگرٹی) کو اپنا سربراہ مقرر کر لیا

(سردار ہیبت خان ہندوال)

ریاست ہندوال ۱۷۷۲ء

۱۷۷۲ء میں سردار گل محمد خان ہندوال کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ہیبت خان ہندوال نے زور پکڑ لیا ان کے خانگی ملازمین کی تعداد تین سو سے تجاوز کر گئی جو صرف گھریلو امور سے منسلک تھے۔ ہیبت خان ہندوال بہادر، نڈر اور جنگجو ہونے کے علاوہ معاملہ فہم اور دور اندیش تھے انہوں نے اپنی رہائش پدر ہال میں رکھی ہوئی تھی۔ جسے ایک دفعہ سردار گل شیر خان نے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اس سے قبل وہ خانِ خانان بننے کے شوق کی سزا بھگت چکے تھے اس لئے خاموش تھے اور چپ سادہ رکھی تھی۔ سردار گل شیر خان کے مطیع اور فرمانبردار رہے سردار ہیبت خان کا انتقال ۱۸۰۳ء میں ہوا۔

سردار ہاشم خان ہندوال ۱۸۰۳ - ۱۸۱۲

۱۸۰۳ ہیبت خان کی وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے ہاشم خان ہندوال کی دستاربندی ہوئی دستاربندی میں صرف ہندوال ہی شامل ہوئے یہ بات قوم پلالاں کے رحمت خان محمد اعظم خان، نامر خان، مغل خان، پیرا خان اور سمندر خان کو ناگوار گزری۔ مذکورہ افراد کو یہ دکھ تھا کہ ہمیں دستاربندی میں مدعو نہیں کیا گیا جیسا کہ دستور میں تھا قبیلے میں دستاربندی قوم پلال کا سربراہ کرے گا یعنی بڑے بھائی پال کی اولاد اور صدیوں سے ایسا ہوتا چلا آ رہا تھا۔ اب چونکہ ہاشم علی خان ہندوال نے اس دستور کی خلاف ورزی کی تھی لہذا اس کو اس خلاف ورزی کی سزا ملنی چاہیئے۔ چنانچہ یہ طے پایا احمد علی خان پلال اپنی بہن اور بہنوئی کو یہاں بلائیں تاکہ وہ مشاورتی جرگہ کو بتائیں ایسا کیوں ہوا اور اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے۔ مذکورہ اشخاص میں اول الذکر پیش پیش تھا اس نے سردار احمد علی خان کو غلط مشورہ دیا کہ دستاربندی میں پلالوں کی عدم شمولیت کی بنیادی وجہ یہ

ہے ۔ سردار ہاشم علی خان طاقت ور ہوگیا ہے اور وہ احمد علی خان کے علاقہ پر قبضہ کریگا اس کے قبضہ کرنے سے پہلے ہی اس پلان کا تدارک وسد باب ہونا چاہیئے اور ساتھ یہ تجویز بھی پیش کردی نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔ احمد علی خان کانوں کا کچا شتی المزاج عیاش طبعیت کا مالک تھا سوجھ بوجھ سے کوسوں دور تھا ان جھوٹی اور بے بنیاد باتوں میں آگیا دستار بندی پلانوں نے نہیں کی جو وجہ تنازعہ تھی تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ اگر سردار احمد علی خان اس معاملہ کو در عنور اعتنا سمجھتے ہوئے رد کر دیتے تو آج حالات مختلف ہوتے لیکن انہوں نے نفرت اور انتقام کے بیج بو کر ہمیشہ کے لئے دونوں قبیلوں میں آگ کی بھٹی کو تیز کیا احمد علی خان جب تک زندہ رہا خود چین سے کبھی نہ بیٹھا اور نہ ہی دوسرں کو چین سے بیٹھنے دیا بدقسمتی سے اس کی غلط روشی کے نتایج پوری قوم کو بھگتنے پڑے چنانچہ سردار احمد علی خان نے ایک خط کے ذریعہ اپنے بہنوئی اور بہن کو ملاقات کے بہانے بلا یا خط ملتے ہی سردار ہاشم خان ہندوال اپنی بیوی اور ۸۰ ملازمین کے ڈیرہ صدرالمقام میں حاضر ہوگیا چند دن خوب آؤ بھگت ہوتی رہی۔ دریں اثنا ایک ملازم محمد رشید لودھی کو کسی طرح اس سازش کا علم ہوگیا تو اس نے اپنا حق ادا کرتے ہوئے خیر وسلامتی اور خیر خواہی کی خاطر اپنے آقا سردار ہاشم علی خان ہندوال کو اس سازش سے آگاہ کیا۔ سردار ہاشم علی غان ہندوال نے محمد رشید لودھی پہ اعتبار نہ کرتے ہوئے کہا مجھے سردار احمد علی سے یہ توقع نہیں کہ وہ ایسا کرے گا ہوسکتا ہے تم نے غلط سنا ہوگا۔

سردار ہاشم علی خان کا قتل ۱۸۱۲ء دوسرے دن سردار ہاشم غان ہندوال قلعہ ڈیرہ برج میں نماز ظہر سے فارغ ہوئے تھے دو ملازم زین حجام اور انور خان ان کی حفاظت کے لئے رہ گئے تھے باقی تمام ملازمین دریائے سندھ پہ غسل کرنے گئے ہوئے تھے۔ مذکورہ اشخاص جنہوں نے ہاشم علی خان کو قتل کرنے کا منصوبہ پہلے سے بنایا ہوا تھا یہ موقع غنیمت جانا سب اٹھے اور ملاقات کے بہانے سردار ہاشم علی خان کے پاس چلے گئے شیروان کے

رحمت خان نے سردار ہاشم علی خان سے پہلے مصافحہ کیا پھر معانقہ کرتے ہی سردار ہاشم علی خان کو قابو کر لیا اور ساتھ ہی ناصر خان کو اشارہ کیا کہ وار کرے چنانچہ ناصر خان نے پشت پر تلوار کا وار کیا خان موصوف زمین پر گر پڑے گرتے ہی ناصر خان نے تلوار کا دوسرا وار ان کی گردن پر کیا جو کاری ثابت ہوا اور ہمیشہ کے لئے سردار ہاشم علی خان ہندوال موت کی آغوش میں چلے گئے۔ جب محافظ ملازم زین حجام اور انور خان اتر کر نیچے آئے تو دیکھا سردار ہاشم خان قتل ہو چکے ہیں ۔ تو وہ ٹوٹ کر لڑنے لگے ۔ انہوں نے اسی وقت چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ان چاروں میں ایک آدمی غلام مہدی شاہ سکنہ مانکراے تھا جس کو محافظ ملازم انور خان نے قتل کیا۔ دونوں محافظ اپنی جان پر کھیل کر خوب لڑے اور اپنا حق ادا کر گئے جب ملازم دریائے سندھ پر غسل کرنے گئے ہوئے تھے جم کر لڑے ان میں سے ۵۸ مارے گئے بیس زخمی ہوئے انہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ جب مقتول ہاشم خان کے بھائی نواب خان کو خبر ہوئی تو اس نے بھائی کی لاش اور اس کی بیوی کو واپس بھجوانے کا مطالبہ کیا پہلے احمد علی خان نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا دوبارہ سید احمد شاہ ساکن بھوج درہ کی وساطت سے لاش اور بیوی بھجوا دیئے سردار ہاشم علی خان کو اعزاز کے ساتھ دفنایا گیا اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغفرت کرے سردار ہاشم علی خان ہندوال اپنے قبیلے کا کل دس سال سربراہ رہا لیکن ان کا کل دور دوسرے ناعاقبت اندیش افراد کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہا ہندوال قبیلے کا پہلا فرد تھا جو پہلی دفعہ قتل ہوا جو کچھ بھی ہوا برا ہوا بلکہ نفرت اور نفاق کی داستان کا آغاز ہوا جو سب کے لئے عبرت اموز ہے غلطی ایک کرتا ہے خمیازہ سب کو بھگتنا پڑتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو صحیح سوچنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نواب خان ہندوال ۱۸۱۳ - ۱۸۱۷

جب نواب خان ہندوال اپنے مقتول بھائی سردار ہاشم علی خان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوا تو بھائی کا انتقام عود کر اس کے اعصاب پر چھا گیا سوچا کس طرح قاتل کا مقابلہ کر سکتا ہوں اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں کمزور پایا۔ حاکم کشمیر سے کمک حاصل کرنے ان کے دربار میں حاضر ہوا ایک سال کشمیر میں قیام رہا ۱۸۱۳ عظیم خان درانی نے اپنے بھائی امیر خان درانی کی سرکردگی میں چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل درانی لشکر کی کمک دے کر نواب خان ہندوال کو واپس روانہ کیا۔ یوں ہی یہ لشکر پہنچا اس سے پہلے ہی سردار احمد علی خان خبر پا کر دریائے سندھ عبور کر کے دور دشوار گزار پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک گاؤں کوٹلہ میں جا چھپا امیر خان سپہ سالار لشکر درانی نے سردار احمد علی خان کے عالیشان محلات زمین بوس کر دیئے بدنہک اور کولائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا نواب خان ہندوال کو اس کی ریاست پر بحال کیا امیر خان برادر عظیم خان درانی وہاں ہی تھا کہ ایک جرگہ جس میں محمد صالح (سری کوٹ) معظم خان اور منصور خان افغاناں (تربیلا) موجود تھے۔ امیر خان درانی کی خدمت میں پیش ہوا منت و سماجت اور بڑی کوششوں سے نواب خان ہندوال کی صلح احمد علی خان سے کرائی بعد ازاں امیر خان درانی جرگہ کی ضمانت پر اپنے لشکر کے ساتھ کابل روانہ ہوا۔

سردار احمد علی خان کا سامان ہڑپ کرنے کیلئے اس کے قتل کا منصوبہ

سردار احمد علی خان کا لاکھوں روپیوں کا قیمتی سامان بطور امانت سید اعظم شاہ ساکن ستھانہ کے گھر میں رکھا ہوا تھا جسے سردار احمد علی خان نے واپس منگوانا چاہا چنانچہ سید اعظم شاہ نے اس قیمتی سامان کو ہڑپ کرنے کی ٹھان لی اور احمد علی خان کو راستے سے ہٹانے

کی فکر میں لگ گیا۔ بعض وقت دولت رحمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے یہی حال سردار موصوف کا تھا۔ سید اعظم شاہ نے تمام بھائیوں سے مشورہ کر کے بہانے سے احمد علی خان کو برائے جرگہ بلایا اور یقین دلایا کہ ملک تناول کے انتظام اور مدد کے لیے جرگہ میں آپ کی شمولیت از حد ضروری ہے۔ سردار احمد علی کے وہم و گمان میں یہ نہیں تھا کہ سادات اس کے قتل کے درپے ہیں خاندان سادات ستھانہ صاحب عزت و احترام تھے سردار احمد علی خان کو ان پر پورا بھروسہ تھا اس لئے بلاخوف و خطر دریائے سندھ عبور کر کے ستھانہ پہنچ گئے۔ سب سادات نے عزت و احترام سے احمد علی خان کو اپنے درمیان بٹھایا اور چکنی چپڑی باتیں شروع کر دیں خان موصوف کو اس بات کا جلد احساس ہو گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور یہ لوگ اس کو ختم کرنے کے لئے اشارے کے منتظر چکنی چپڑی باتیں کر رہے ہیں۔ احمد علی خان نے خطرے کو بھانپتے ہوئے دیر نہ کی فوراً اپنا ازار بند ہاتھ میں پکڑ کر پیشاب کے بہانے باہر نکل آئے اور دوڑ کر کشتی کی طرف بھاگے تاکہ کشتی میں سوار ہو کر جان بچا سکیں۔ جب سیدوں نے دیکھا کہ وہ جرگہ سے نکل کر کشتی کی طرف دوڑ رہا ہے تو وہ اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور تلواروں سے اس پر حملہ کر دیا لیکن وہ کشتی میں سوار ہو چکا تھا اور ملاح کشتی کو چلا چکے تھے۔ سردار احمد علی خان کے سر، بازوں اور پشت پر گیارہ زخم آئے زندگی کے کچھ دن باقی تھے اس لئے موت کے بھیانک منہ سے بچ نکلا سیدوں کے گھر میں جو قیمتی سامان بطور امانت تھا وہ انہوں نے نہیں دیا احمد علی خان کچھ عرصہ بعد ان زخموں سے صحت یاب ہو گیا۔ چاہ کن را چاہ در پیش، سردار احمد علی خان (بن گل شیر خان) اچھے چال چلن کا آدمی نہیں تھا۔ عیاش طبیعت کا کھلنڈر جوان تھا وہ ایک عورت جس کا نام "خانی" اور قوم کی دھوبی تھی اس کے دام الفت میں گرفتار تھا۔ یہ عورت اس کے اعصاب پر سوار تھی اور ہر جائز و ناجائز اس سے کراتی تھی اس کی اس حرکت سے تمام ہلال برادری

رنجیدہ خاطر تھی سردار ہاشم خان ہندوال اور سردار اکبر علی پلال دونوں احمد علی خان کی سازشوں کے بھینٹ چڑھ چکے تھے دونوں ناحق اور بے گناہ قتل ہوئے تھے۔ سردار احمد علی خان (۱۸۱۱ - ۱۸۱۴) کا تمام عرصہ سازشوں میں گذرا وہ سازشی ذہن کا مالک تھا اس نے سوچا اگر شنگڑی والے سربلند خان کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو وہ دوبارہ تمام پلالوں کا سربراہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے مدد خان ساکن چھہڈ کو اپنے ساتھ ملا لیا اس خفیہ سازش کا پتہ صرف اس کی محبوبہ دلربا مسماۃ "خمانی" اور مدد خان کو تھا۔ جب مدد خان ساکن چھہڈ نے سربلند خان کو قتل کرنے کا پورا ذمہ لے لیا تو احمد علی خان نے سربلند خان کو ایک خط لکھا جس میں درج تھا نواب خان ہندوال نے ریاست تباہ و برباد کر دی ہے۔ آپ سے تبادلہ خیالات کا خواہاں ہوں اور آپ کے پرگنہ شنگڑی آنا چاہتا ہوں اس کے جواب میں سربلند خان نے شنگڑی آنے کی دعوت دے دی لیکن اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا کہ ایک منصوبے کے تحت مجھے قتل کرنے آ رہا ہے اس لئے وہ چوکس اور ہوشیار ہو گیا۔ جب احمد علی خان شنگڑی پہنچا تو سربلند خان خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خوب آؤ بھگت کی تین چار دن گفت و شنید ہوتی رہی۔ بالآخر یہ طے پایا تمام فساد کی جڑ رحمت خان ساکن شیروان ہے اس جڑ کو زمین سے اکھاڑ کر باہر پھینک دینا چاہیئے بظاہر دونوں رحمت خان کو موت کے گھاٹ اتارنے شنگڑی سے شیروان کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن دونوں ایک دوسرے کی جان لینے کے لئے موقعہ کی تلاش میں تھے جب یہ کٹنالی پہنچے تو نماز ظہر پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے سربلند خان کی ایما پر مستی صدر نے بندوق کا فائر کر کے اور گاموں خان نے تلوار کا وار کر کے ۱۸۱۴ء میں احمد علی خان کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا پھوہار کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

سردار نواب خان ہندوال کے حکم سے

پائندہ خان اور مدد خان کا چھہڈ پر حملہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۱۴ء

سربلند خان نے احمد علی خان کی ہلاکت کے بعد اس کی بیوی اور بچوں کو ڈیرہ سے منگوا کر چھہڈ میں نظر بند کر دیا تھا احمد علی خان مرحوم کی بیوی بچوں میں ایک بالغ لڑکی ایک سات سالہ بچہ بنام شیر محمد نظر بند تھے۔ احمد علی خان مرحوم کی بیوی جو نواب خان ہندوال کی بہن تھی اپنے بھائی نواب خان ہندوال کو ایک خفیہ خط روانہ کیا جس کا متن اس طرح کا تھا ایک سربراہ بہادر بھائی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن ایک سال سے اپنے بچوں کے ساتھ کسمپرسی اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ اپنے بہادر بھائی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے اور گھڑیاں گن رہی ہے کہ کس وقت آ کر مجھے آزاد کراتا ہے جب نواب خان ہندوال کو یہ خط ملا انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں پائندہ خان اور مدد خان کو چھہڈ پر حملہ کرنے اپنی بہن اور اس کے بچوں کو آزاد کرا کر ساتھ لانے کے لئے روانہ کیا جب زیر قیادت پائندہ خان اور مدد خان چھہڈ پر حملہ ہوا تو نظر بندوں پر حفاظتی دستہ بھاگ گیا بغیر کسی مزاحمت انہوں نے اپنی پھوپھی اور اس کے بچوں کو آزاد کرا لیا اور سواری میں بٹھا کر اپنے ساتھ پھلڑہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ قافلہ تھوڑی دور گیا تھا کہ سربلند خان کے ملازمین نے تعاقب کیا مگر بے سود پھر پسپا ہوئے قافلے کے خیر و عافیت پھلڑہ پہنچتے ہی سردار نواب خان ہندوال اُن کے استقبال کے لئے آ گئے سردار نواب خان ہندوال نے اپنی بہن کی رضامندی سے اس کی لڑکی (احمد علی خان مرحوم) کی شادی اپنے بیٹے پائندہ خان سے کر دی جو سردار محمد اکرم خان کے سی ایس آئی نواب امب کی دادی تھیں بہت ہی مدبر، بیدار مغز اور دور اندیش خاتون ہو گزری ہیں۔

نواب خان ہندوال کا قلعہ پھوہار پر حملہ نومبر ۱۸۱۴ء

نواب خان ہندوال نے سربلند خان پلال کو ایک خط لکھا کہ پھوہار کا قلعہ سردار احمد علی خان مرحوم کا تھا اس لئے قلعہ کے وارث میری بہن اور بھانجا ہیں اس لئے قلعہ خالی کر کے ہمارے حوالے کر دو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ خط کے جواب میں سربلند خان نے لکھا قلعہ تلوار کی دھار پر ہے۔ نواب خان ہندوال کو یہ بات ناگوار گذری اس نے نامی گرامی سپہ گراں پہلوان "رحمڑا" جان خان جمعدار، پہلوان میرزا خان کو ساتھ لے کر ایک لشکر جرار کے ساتھ قلعہ کی پہلی حفاظتی چوکی پرسالہ پر دھاوا بول دیا۔ پرسالہ کے مقام پر سربلند خان کے آٹھ سو ملازمین بمعہ شاماں اور کالو جمعدار اس کے متعین تھے دونوں طرف سے مقابلہ ہوا طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے انجام کار جمعدار کالو اور شاماں شکست کھا کر فرار ہوتے نواب خان ہندوال نے پرسالہ کو تخت و تاج کیا جلانے کے بعد پھوہار قلعہ کی طرف پیش قدمی کی۔ قلعہ میں سربلند خان دو ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ موجود تھا طرفین معرکہ آرا ہوتے چند ماہ لڑائی لڑی طرفین کا مالی و جانی نقصان ہوتا رہا دونوں لشکروں کو اپنے اپنے علاقوں سے باقاعدہ کمک پہنچتی رہی۔ دریں اثنا در پردہ خفیہ طور سے سربلند خان کا مصاحب خاص اور قلعہ کا منتظم اعلیٰ امیر اللہ خانخیل نواب خان ہندوال سے مل گیا دونوں نے رات کا وقت سربلند خان کی گرفتاری کا مقرر کیا۔ سربلند خان گرفتاری سے خائف ہو کر قلعہ سے بھیس بدل کر فرار ہو گیا نواب خان ہندوال نے قلعہ کو اپنے قبضہ میں لے کر اپنے آدمی متعین کئے اور واپس چلا گیا تقریباً چھ ماہ بعد ۱۸ مئی کو ۱۸۱۵ کو سربلند خان اپنے سپاہیوں کے ساتھ دوبارہ قلعہ پھوہار پر چڑھ آیا قلعہ میں خوب لوٹ مار کی محافظوں نے بھاگ کر جان بچائی جب یہ خبر نواب خان ہندوال کو پہنچی تو وہ چار ہزار مسلح سپاہیوں کے ساتھ قلعہ پھوہار

پہنچ گئے لیکن اس وقت تک سربلند خان شنگھڑی جا چکا تھا نواب خان ہندوال نے قلعہ کو مرمت کرایا اور محافظ متعین کر کے خود بھارو کوٹ کے قلعہ میں چلا آیا۔

نواب خان ہندوال کا قلعہ بھارو کوٹ سے محمد خان ترین کے نام خط۔

نواب خان ہندوال جو قلعہ بھارو کوٹ میں قیام پذیر تھا محمد خان ترین (کوٹ نجیب اللہ) کو ایک خط لکھا کہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں خط ملتے ہی دوسرے دن محمد خان ترین رئیس ہزارہ بھارو کوٹ قلعہ میں آیا اور دونوں میں ملاقات کے دوران شنگھڑی پر حملہ کرنا طے پایا۔ قلعہ بھارو کوٹ میں ملاقات کے بعد محمد خان ترین اپنے سپاہیوں کے ساتھ گل ڈھیری واپس آگیا دریں اثنا سربلند خان کو اپنے معتبر مخبروں کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا دونوں نواب خان اور محمد خان ترین کے لشکر ایک جگہ اکٹھے ہو کر شنگھڑی پر حملہ کریں گے جب سربلند خان اس غیر متوقع صورت حال سے آگاہ ہوا تو اُس نے در پردہ اپنا ایک معتمد خاص محمد خان ترین کے پاس بھیجا جس نے محمد خان ترین کو یہ پیغام پہنچایا کہ سربلند خان نے بہت بہت سلام دیا ہے اور عرض کیا ہے کہ میں اور نواب خان ہندوال یک جدی بھائی ہیں۔ جب نواب خان ہندوال میرے ساتھ اچھا سلوک اور مروت نہیں کرتا تو آپ اس سے کس نیکی کی تمنا کر سکتے ہیں دوم یہ کہ میں آپ کا پڑوسی ہوں میں نے آج تک آپ کو کوئی تکلیف نہیں دی آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں آپ کا مجھ پر حملہ صحیح ہے یا کہ غیر مناسب بالغرض اگر میں نے کوئی ایسی گستاخی کی ہے جس کی سزا دینے پر آپ تل گئے ہیں تو میں حاضر ہو کر اس گستاخی کی معافی چاہوں گا۔ محمد خان ترین کا پیغام سنکر کافی دیر سوچتا رہا اور یہی خبر کسی نے نواب خان ہندوال کو سنا دی وہ وہم میں پڑ گیا اور ہری پور کا ندل سے واپس لوٹ گیا۔ جب محمد خان ترین نے نواب خان ہندوال کی واپسی کا سنا تو وہ بھی اپنے تمام سپاہ

کے ساتھ واپس ہو گئے۔

نہایت اللہ خان سواتی والئ اگرور نواب خان ہندوال کی جنگ

ایک عرصہ سے نہایت اللہ خان سواتی والئ اگرور تنازعہ سرحد کی وجہ سے رنجیدہ خاطر تھا اس نے قوم تھور اور کوہستانی کا پندرہ ہزار کا لشکر تیار کیا دوسری جانب نواب خان ہندوال بمعہ منیرا خان پہلوان جاماں خان پہلوان و جمعداران قاسم خان و سمندر خان چھ ہزار سپاہ کے ساتھ متنازعہ جگہ پر صف آرا ہوا۔ دونوں طرف سے بہادر دل کھول کر لڑے یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی طرفین کے بہت سے آدمی ہلاک و مجروح ہوئے انجام کار قوم تھور اور کوہستانی کو شکست ہوئی اور وہ میدان کارزار سے بھاگ نکلے۔

امیر دوست محمد خان والئ افغانستان کے بیٹے عظیم خان دُرّانی ناظم صوبہ کشمیر اور نواب خان ہندوال کے درمیان کشمکش ۱۸۱۶ء

عظیم خان درانی اور عطا محمد خان کشمیر کے ناظم تھے انہوں نے سکھوں کے کشمیر پر حملے کے پیش نظر اپنے اہل و عیال و اطفال اور اسباب و خزانہ براستہ اگرور، گلی، دربند کابل روانہ کیا اور خود کشمیر میں سکھوں کے مقابلہ کے لئے موجود رہے وہ اس راستے کو محفوظ خیال کرتے تھے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عظیم خان درانی نے نواب خان ہندوال پر احسان کیا ہوا تھا۔ اسے دوبارہ اپنی مسند پر بٹھایا ہوا تھا اس لئے وہ سمجھتا تھا یہ وقت نواب خان ہندوال کے احسان کا بدلہ چکانے کا ہے اس کے مال و اسباب کی ادائیگی محصول اس کے وہم و گمان میں نہیں تھی جو وجہ تنازعہ بنی عظیم خان درّانی کو یہ امید تھی نواب خان زیر احسان ہے قافلے کے بحفاظت



امیر دوست محمد خان والئی افغانستان برادر سلطان محمد خان یار محمد خان۔ فتح محمد خان۔ حاکم پشاور و کوہاٹ

میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی اس لئے روانگی سے پیشتر تمہیں اطلاع دے رہا ہوں کہ تم باخبر، ہوشیار اور مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(جنگِ بھوج درّہ) عظیم خان درانی کی تناول میں آمد اور نواب خان ہندوال سے جنگ ۱۸۱۶ء

جب عظیم خان درّانی اپنی دس ہزار شکست خوردہ فوج کو از سر نو ترتیب دے چکا تو ساتھ اپنے سسر کی بطور کمک فوج دو ہزار پیادہ و سوار اقوام ہنبہ و گھکہ پر مشتمل جملہ بارہ ہزار لشکر کے ساتھ مسافت طے کر کے بھوج : درّہ میں صف آرا ہوا۔ ادھر سے نواب خان ہندوال اپنے مشہور و معروف اور تجربہ کار پہلوانوں جان خان، رحم طا، سمندر خان، سردار محمد خان، منیرا خان، مقام موچی اور نامی و گرامی جمعداروں برکات خان، قاسم خان، سنباز خان، حبیب خان بیرہاتی، امیر خان فرزندش، راجہ معز اللہ خان، سردار بشیر خان ساکن جلو بلنگ پورے سامان حرب بمعہ چار ہزار پیادوں اور ایک ہزار سواروں کے ساتھ گلی سے روانہ ہو کر بھوج درہ میں صف آرا ہوا۔ نواب خان ہندوال اس سے قبل اتنی ہی تعداد سے تیرہ ہزار لشکر کوہستانی و تھور کو شکست دے چکا تھا اسے یقین کامل تھا کہ اس دفعہ بھی میدان کارزار اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ دوسری جانب عظیم خان درّانی کو تشویش یہ تھی کہ تناولی شمشیر زنی میں استاد کامل ہیں نیزہ بازی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تنولیوں کی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے پیش نظر اس نے سردار ہنبہ اور گھکہ کو حکم دیا صبح تنولیوں کے ساتھ جنگ میں پہل کر دو گے۔ جب دوسرے دن دونوں لشکر میدان میں آراستہ ہوتے تو سب سے پہلے جمعدار جان خان المعروف جانا نے گھوڑے کو دوڑایا اور اپنے مدِ مقابل سردار ہنبہ کی طرف لے گیا اور نیزے کو جولان دے کر وار کیا سردار ہنبہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں ماہر تھا اس کا وار خالی گیا۔ جانا خان نے گھوڑے کے دوسرے چکر میں نیزے کو جولان دے کر انتہائی پھرتی اور مستعدی سے سردار ہنبہ پہ دوسرا وار کیا جو



عظیم خان درّانی پسر امیر دوست محمد خان والئی افغانستان حاکمِ کشمیر جنہوں نے نواب خان ہندوال کے ساتھ جنگ لڑی۔ (جنگِ بھوج درہ)

منزل مقصود تک کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کرے گا اور عطوفت سے پیش آئے گا۔ جب قافلہ کشمیر سے کابل جاتے ہوئے پکھلی پہنچا تو نواب خان پکھلی گیا عزت و احترام کے ساتھ قافلے کا استقبال کیا اور قافلے کو اپنی تحویل میں لے کر گلی آیا قافلے کو چند دن اپنے ہاں ٹھہرایا اور سہولت کی ہر چیز مہیا کی جب آرام و قیام کے بعد یہ قافلہ جانے لگا تو دریائے سندھ پر مامور عملے نے محصول کا مطالبہ کیا۔ درانی سپاہیوں نے محصول دینے سے انکار کر دیا سالار قافلہ اور عملے میں تکرار ہوتی رہی سالار قافلہ بضد تھا کہ محصول نہیں دیا جائے گا جب یہ بات نواب خان تک پہنچی تو وہ خود موقع پر آ گئے اور دیکھا سالار قافلہ کسی طرح بھی محصول کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ نواب خان نے کچھ مال و اسباب کشتیوں کے ذریعے پار پہنچا دیا باقی سامان اور آدمیوں کی روانگی کے لئے محصول ادا کرنے کا مطالبہ کیا جب عظیم خان درّانی کی ماں ادعیہ بیگم نے دیکھا خان موصوف محصول کے لئے بضد ہے اور اس نے مال و اسباب روکا ہوا ہے تو اس نے محصول کی ادائیگی کا حکم دے دیا۔

چنانچہ درّانی سپاہ نے اپنی مطلوبہ رقم ادا کر کے دریا عبور کیا اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہوئے لیکن ادعیہ بیگم کو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ ایک ایسے شخص کو جسے میرے بیٹے نے دوبارہ وقار اور حکمرانی دلائی اس نے احسان کا بدلہ یہ دیا۔ چند ٹکوں کی خاطر مجھے بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا ایسے احسان فراموش، بے دید اور ابن الوقت کا کیا بھروسہ ہے ادعیہ بیگم عمر رسیدہ خاتون تھیں جب وہ کابل پہنچیں تو اپنے بیٹے عظیم خان درانی ناظم صوبہ کشمیر کو ایک خط لکھا جس میں کہا گیا تھا۔ نواب خان نے تمہارے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے احسان فراموش نے چند سکوں کی خاطر تمہاری ماں کی بھی پرواہ نہیں کی محصول کی ادائیگی کے لئے اصرار کرتا رہا اور درّانی سپاہ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا ایسے گستاخ شخص کو عبرت آموز سزا دی جائے۔

کشمیر میں عظیم خان درّانی کی سکھوں سے شکست اور کابل روانگی

کشمیر میں عظیم خان درّانی کو سکھوں کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑی اور اس کے دو ہزار آدمی مارے گئے وہ کشمیر سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر عازم سفر مظفر آباد ہوا جہاں اس کا سسر حاکم سلطان زبردست خان رہتا تھا وہ اپنے سسر سے کمک لے کر آگے تناول جانا چاہتا تھا تاکہ نواب خان ہندوال سے دو دو ہاتھ کر سکے۔ کشمیر میں اسے سکھوں سے ابھی شکست نہیں ہوئی تھی کہ اس نے اپنی والدہ محترمہ کا خط کابل سے وصول کیا تھا۔ جسے پڑھ کر وہ آگ بگولہ ہو گیا اس نے اپنی والدہ ماجدہ کے احترام میں نواب خان ہندوال کو بمعہ اہل و عیال پیش کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اس کے راز کو اس نے اپنے تک ہی محفوظ رکھا بلکہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی نہیں بتایا وہ چاہتا تھا کہ جنگ میں نواب خان کو شکست دے کر ساتھ کابل لے جائے جو ایک فاتح کے شایان شان ہے عظیم خان درّانی نے مظفر آباد سے ایک خط کے ذریعہ نواب خان ہندوال کو یاد دلایا جس کا متن حسب ذیل ہے۔ نواب خان ہندوال تمہارے غلط رویہ اور سلوک سے میری والدہ ماجدہ کو سخت صدمہ ہوا ہے اور وہ اذیت ناک کیفیت سے دوچار ہوئیں اس سے بڑھ کر مجھے تمہارے رویہ سے سخت صدمہ واقع ہوا شاید تم یہ بھول گئے ہو جب تم بے یار و مددگار بھٹک رہے تھے ہم نے تمہاری حوصلہ افزائی کی تھی عزت اور وقار بخشا تھا تمہیں جرار درّانی لشکر اور سامان حرب کے ساتھ اپنی مسند پر بحال کرانے کے لئے روانہ کیا تھا عقل و دانش فہم و فراست کا تقاضا یہ تھا تم محصول پر اصرار نہ کر کے اپنی دوستی میں اضافہ کرتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا جس سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے بالخصوص تمہاری یہ حرکت تو میرے ذہن پر نقش بن کر رہ گئی ہے کہ مال و اسباب کا ایک حصہ تو پار پہنچا دیا دوسرے حصہ کے لئے بضد تھے کہ محصول دیا جائے تو سامان پار ہوگا تمہارا یہ سلوک ہمارے شایان شان نہیں تھا ہم اسے اپنی عزت میں خلل ڈالنا سمجھتے ہیں

کارگر ثابت ہوا سردار بینہ مرگیا اور گھوڑے سے نیچے گر پڑا جانا خان کی بہادری اور شہ زوری دیکھ کر بینہ اور گھکہ پسپا ہو کر فرار ہوتے ۔ نواب خان نے تعاقب کا حکم دیا تین سو آدمی بھاگتے ہوئے بینہ اور گھکہ کے مارے گئے عظیم خان درّانی تنولیوں کی دلیری اور جرات، بینہ و گھکہ کی پسپائی دیکھ کر اپنی دس ہزار فوج کے ساتھ میدان میں نکل آیا اور دونوں طرف سے خوب معرکہ آرائی ہونے لگی تنولی جو تعداد میں بہت کم تھے خوب جم کر لڑ رہے تھے ان کی شجاعت اور بہادری دیکھ کر عظیم خان درانی کو یہ کہنا پڑا ہمارا لشکر پسپائی کی طرف جا رہا ہے اگر ایسا ہو گیا تو ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے اس نے درّانی لشکر کی ہمت بڑھائی دریں اثنا سربلند خان کی لڑائی میں شمولیت جب سربلند خان پڑھنہ آیا تو درانی لشکر وہاں سے جا چکا تھا وہ اپنے آزمودہ جانثاروں کو لیکر سیدھا بھوج درہ پہنچ گیا اور میدان کارزار میں شامل ہو گیا۔ مشہور و معروف شہرت یافتہ پہلوان منیرا خان جس پر نواب خان ہندوال کو ناز تھا اور وہ اکثر کہا کرتا تھا جس دن منیرا خان پہلوان نہیں ہوگا میری سرداری نہیں ہوگی منیرا خان پہلوان اور مقام موجی پہلوان نے لاشوں کے انبار لگا دیئے خود نہایت بہادری دلیری اور بے جگری سے لڑتے ہوئے ہلاک ہو گئے ۔ نواب خان ہندوال کو منیرا خان کی ہلاکت کا سنکر بہت افسوس ہوا رنج و غم کے ساتھ اپنی تلوار میان میں کر کے جانا خان اور اپنے بیٹے پائندہ خان مدد خان اور امیر خان کو بلا کر حکم دیا تم درانیوں سے جنگ جاری رکھو اور شام تک انہیں یہاں روکے رکھو میں گلی جا رہا ہوں شام کے بعد تم بھی موقعہ غنیمت جان کر گلی آ جانا ۔ نواب خان ہندوال اپنے عیال و اطفال کو محفوظ مقام یاغستان روانہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا جان خان ، پائندہ خان اور مدد خان شام تک جنگ کرتے رہے طرفین کے چھ سو سے زیادہ سوار اور پیادہ مارے گئے کسی کو فتح یا شکست نہیں ہوئی تھی اندھیرا ہوتے ہی دونوں لشکر اپنی اپنی کمین گاہوں میں چلے گئے پائندہ خان نے موقع غنیمت جان کر رات کی تاریکی میں اپنے لشکریوں و زخمیوں کے ساتھ گلی پہنچ گیا نواب خان ہندوال اپنے بیٹے پائندہ خان کے پہنچنے سے پہلے اپنے تمام خاندانوں کے بیوی بچوں قیمتی مال و اسباب اور خزانے کو بطور امانت [illegible] مقام [illegible] باغستان [illegible] ہوڈی شاہ قوم [illegible] کے پاس بھیج چکا تھا

جب دوسرے دن صبح یہ معلوم ہوا کہ نواب خان ہندوال اور اس کے بیٹے جا چکے ہیں تو سربلند خان نے ان کی کمین گاہوں کے سامنے آکر باآواز بلند کہنا شروع کر دیا۔ یاد رکھو نواب خان کے ساتھیوں شکست نواب خان کا مقدر بن چکی ہے اسے اس شکست سے کوئی نہیں بچا سکتا تم بے گناہ ہو اور اس کے لئے بے مقصد موت مر رہے ہو جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے آؤ میرے ساتھ مل جاؤ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ نواب خان ہندوال کی تمام فوج سربلند خان پلال سے مل گئی وہ عظیم خان درانی کو لے کر نواب خان کے تعاقب میں دربند روانہ ہوا یہاں قلعہ دربند میں نواب خان ہندوال اپنے تین صد جانثاروں کے مقیم تھا جب نواب خان ہندوال کو یہ معلوم ہوا عظیم خان درّانی اور سردار بلند خان پلال دونوں قلعہ دربند کو تخت و تاج کرنے بھاری جمعیت سپاہ کے ساتھ آ رہے ہیں تو نواب خان ہندوال نے اپنے تین صد جانثاروں کے وہاں سے راہ فرار اختیار کی دریائے سندھ عبور کر کے پربیہ کی طرف روانہ ہوا جہاں پربیہ میں نامساعد حالات اور عالم خوف و ہراس میں اس کا پوتا یعنی پائندہ خان کا لڑکا جہانداد خان پیدا ہوا جو بعد میں وارث ریاست ہوا ۔ عظیم خان درّانی چھ ماہ دربند میں پڑا رہا لیکن نواب خان ہندوال کسی طرح اس کے ہاتھ نہ آسکا اس نے لوگوں کو ہر طرح کی ترغیب دی لیکن وہ ناکام رہا اور نواب خان اس کی دسترس سے باہر رہا ۔

عظیم خان درّانی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا

کلام اللہ کی خلاف ورزی مسلمان کی شایان شان نہیں ۔

١٨١٦ء

عظیم خان درّانی کے ہاتھ نواب خان ہندوال نہ آیا تو اس نے سربلند خان پلال سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے سربلند خان پلال نے کہا میں ان لوگوں کو بخوبی جانتا ہوں جو نواب خان ہندوال کو جانتے ہیں اور نواب خان ہندوال ان کی دل و جان سے عزت کرتا ہے ان کے ساتھ دیگر معززین کا جرگہ بھیج کر اسے یقین دلایا جائے تو شاید وہ مان جائے۔ چنانچہ اس مشورے کے تحت عظیم خان درانی نے ایک جرگہ تشکیل دیا جرگہ کے شرکا میں سید عبید اللہ شاہ ساکن ذکوڑ تعلقہ مکھڈ [illegible] وحد شاہ ساکن نوکوٹ ان دونوں سے نواب خان کی گہری عقیدت

بھی عبدالغفور خان ساکن آگمروز نواب خان کے گہرے دوست تھے اس کے علاوہ تین معززین جرگہ میں اور شامل تھے۔ عظیم خان درانی نے چھ آدمیوں پر مشتمل اس جرگہ کے ذریعہ نواب خان ہندوال کو بمقام پربیہ دیاغستان، یہ پیغام بھیجا تمہارے اور ہمارے درمیان اللہ کا کلام (قرآن مجید) اور اس کا بابرکت نام (اللہ) بہادر کا طرہ امتیاز (تلوار) موجود ہیں۔ میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں اور صدقِ دل سے ان کو گواہ بناتا ہوں اب تمہارے اور ہمارے درمیان کوئی رنجش و لبغض باقی نہیں ہے ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم نے انتقام کی آگ پر پانی ڈال دیا ہے اور ہمیشہ کے لئے صلح و دوستی کر لی ہے میں۔ اپنے ملک کو واپس جا رہا ہوں اور تم اپنے ملک میں واپس آکر آباد ہو جاؤ۔ نواب خان ہندوال پربیہ میں قیام پذیر تھا موسم سرما جوبن پر تھا برف باری ہو رہی تھی وہ فی گھوڑا ایک روپیہ یومیہ قوم امازئی کو ادا کر رہا تھا تاکہ گھوڑے سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ نواب خان کے پاس ان ہی ایام میں جبکہ برف باری ہو رہی تھی عظیم خان درانی کا پیغام لے کر جرگہ پہنچا نواب خان نے جرگہ کا بڑی عزت واحترام سے استقبال کیا اور بڑی مہر و محبت سے پیش آیا خان موصوف نے ارکان جرگہ کو صاف صاف بتا دیا میرا دل نہیں مانتا کہ میں عظیم خان درانی کے پاس جاؤں لیکن آپ کی آمد میرے لئے باعث فخر و افتخار ہے آپ لوگ آئے ہیں تو آپ کی خاطر ضرور جاؤں گا خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو مجھے منظور ہے۔ الغرض جرگہ کے ساتھ نواب خان ہندوال اپنے لڑکے پائندہ خان کے ہمراہ دربند چلا آیا جہاں عظیم خان درانی چھ ماہ سے قیام پذیر تھا دربانوں نے درانی سردار کو جرگہ کے ساتھ نواب خان ہندوال کے آنے کی خبر دی تو انہیں خیمہ کے اندر آنے کی اجازت دی۔

نواب خان ہندوال نے سلام مسنون کیا اور عظیم خان تخت سے اٹھ کر نواب خان کے ساتھ بغل گیر ہوا اور خوش آمدید کہا نواب خان نے بعد مزاج پرسی شکریہ ادا کیا اور سب اہل جرگہ بیٹھ گئے۔

سید عبیداللہ شاہ ساکن نوکوٹ نے صلح و آشتی کے موضوع پر تقریر کی عظیم خان درانی نے اس کے جواب میں کہا اب ہماری طرف سے ہمارے ساتھ صلح ہے جو کچھ

دن بعد کابل روانہ ہو جاؤں گا پھر سکھوں سے اگر مناسب وقت لڑوں گا ان تمام باتوں کا مطلب یہ تھا کہ کسی طرح نواب خان ہندوال کو یقین آ جائے اور وہ اپنے اہل و عیال کو بلا لے چار روز خوب آؤ بھگت ہوتی رہی اور مہمان داری میں کوئی فروگذاشت باقی نہ رہی چار دن بعد عظیم خان درانی نے نواب خان ہندوال سے کہا کہ تم نے باوجود صلح و دوستی اپنے اہل و عیال پربیہ سے نہیں منگوائے اس لئے تم اور تمہارا بیٹا دونوں قید ہو جب تک کہ اہل و عیال نہ منگواؤ گے قید سے رہائی نہیں پاؤ گے۔ عظیم خان درانی کا قہر آلودہ اور روح فرسا حکم سن کر نواب خان وہم میں پڑ گیا اور سوچنے لگا دل نہیں مان رہا تھا کہ اس شخص سے ملاقات کروں لیکن جرگہ کی عزت واحترام کے لئے مجبور تھا اب معلوم ہوا ہے اس شخص کے عہد و پیمان اور قول و فعل میں تضاد ہے اب میری زندگی کو خطرہ لاحق ہے کسی طرح اپنے بیٹے کی زندگی بچاؤں۔ چنانچہ نواب خان ہندوال نے عظیم خان درانی سے عرض کیا میرے بال بچوں کو پربیہ کے امازئی کسی طرح بھی دوسروں کے ساتھ ہرگز روانہ نہیں کریں گے جب تک میں یا میرا لڑکا پائندہ خان نہیں جائیں گے تب عظیم خان دُرانی نے کہا پائندہ خان اونٹ، گھوڑے، ڈولے اور کہار لے جائے اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر آئے۔ نواب خان ہندوال نے اپنے بیٹے پائندہ خان کو پربیہ روانہ کیا اور ساتھ پند و نصائح اور تاکید کی کہ مجھے اب مردہ سمجھو میں نے یہاں سے تم کو حیل و بہانے سے نکالا ہے بال بچوں کو ساتھ ہرگز نہ لانا میری وصیت ہے جو پرگنے میں نے تمہارے بھائیوں مدد خان اور امیر خان کو گزر و بسر کرنے کے لئے دیئے ہیں ان سے ہرگز نہ لینا۔ اپنے سے غالب حاکم کے سامنے کبھی بھی پیش نہ ہونا میری طرف سے تمام اہل و عیال کو تسلی دینا جو مرضی خالق کی ہے اس کے آگے کسی کا بس نہیں ہے تمام ضروری باتیں اپنے بیٹے کے گوش گزار کرنے کے بعد اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا جاؤ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔ پائندہ خان باپ کے غم میں مبتلا آنکھوں میں آنسوں کا سیلاب اور دل میں آہوں کا طوفان لئے وہاں سے اونٹ، گھوڑے، ڈولے. کہار لے کر پربیہ روانہ ہوا۔ پائندہ خان نے

امازئی پر سبیہ پہنچ کر اونٹ، گھوڑے، ڈولے، کہار خالی در بند بھیج دیئے اور خود اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا جب ڈولے و کہار خالی در بند پہنچے تو انہوں نے پائندہ خان کے حالات بتائے۔ عظیم خان درانی سیخ پا ہو گیا اور اُسی وقت حکم دیا نواب خان ہندوال کو پابہ زنجیر کیا جائے اُس کے بعد کابل کی طرف کوچ کیا۔ عظیم خان کی کابل روانگی سے پیشتر ارکان جرگہ جو تمام صورت حال دیکھ چکے تھے انہوں نے دست بدست خان موصوف سے درخواست کی آپ نواب خان ہندوال کو پابہ زنجیر کر کے کابل لے جا رہے ہیں آپ کا یہ فعل قرآن و سنت کی رُو سے صحیح و مناسب نہیں ہے۔ سید عبید اللہ شاہ نوکوٹ نے بڑی جرأت سے عظیم خان درانی کو یاد دلایا آپ نے ہمارے ساتھ (جرگہ) یہ وعدہ کیا تھا کہ اب نواب خان اور ہمارے درمیان کوئی رنجش باقی نہیں ہے آپ اپنے عہد و وفا کا ایفا کریں اور پیمان شکنی کے مرتکب نہ ہوں نواب خان کو ہم اپنی ضمانت پر لے کر آئے ہیں اس کے ساتھ یہ ناروا سلوک نہیں ہونا چاہیئے آپ اس کو آزاد کریں۔ ء

۲۸۔ جنوری ۱۸۱۷ء **عظیم خان درّانی کا نواب خان ہندوال کو عبرت آموز سزا دینے کا عزم**

عظیم خان درانی غصہ میں آگیا اور ارکان جرگہ سے کہا تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے تھی تاکہ نواب خان ہندوال کی اس کے بعد نواب خان ہندوال کو لے کر کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ نواب خان ہندوال کو جہانگیرہ کے مقام پر چمڑے میں سی کر ساتھ بھاری پتھروں دریائے لنڈا میں ہمیشہ کے لئے غرقاب کر دیا۔ برصغیر کی تاریخ عہد شکنیوں اور احسان فراموشیوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے طرفین کی طرف سے پہلے احسان فراموشی کی اس کے بعد عہد شکنی ہوئی اگر طرفین میں سے کوئی بھی سمجھ بوجھ سے کام لیتا تو نوبت جنگ اور غرقابی تک نہ پہنچتی۔ افغانستان میں جب علی احمد جان کابل کے گورنر تھے تو بچہ سقہ ان دنوں ڈاکو تھا۔ ایک ڈاکے کی پاداش میں بچہ سقہ کو علی احمد جان کی خدمت میں پیش کیا گیا علی احمد جان اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوا کہ ایسا تنو مند خوبصورت جوان کبھی قوم کے کام آسکتا ہے اسے

رہا کرنے کا حکم دیا۔ جب بچہ سقہ اُس مقام پر پہنچا جہاں وہ قوم کے کسی کام آسکتا تھا تو اس نے جان بخشی کرنے والے اپنے محسن کو اتنی سزائیں دیں کہ احسان کا بدلہ چکا دیا میجر سمتھ اپنی کتاب "لاہور کے سکھ حکمران" میں لکھتے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مصر دیوان چند کو بھیجا کہ وہ محمد خان ترین کو عہد و پیمان کے ساتھ راولپنڈی کیمپ میں لے آئے جہاں مہاراجہ ٹھہرا ہوا تھا مصر دیوان چند نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور اپنی ضمانت پر اسے لے آیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ محمد خان ترین کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا وہاں اس نے وعدہ خلافی کر کے اسے جیل میں ڈال دیا اور ناروا سلوک کی وجہ سے اس کی جان خطرہ میں پڑ گئی جب مصر دیوان چند کو معلوم ہوا تو اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کہا کہ وہ اُس کو اپنی ضمانت پر لے کر آیا ہے اس کے ساتھ یہ ناروا سلوک نہیں ہونا چاہیئے اسے آزاد کیا جائے تاکہ عزت سے میں اپنی گردن سیدھی کر سکوں۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کانوں جوں تک نہ رینگی اس نے در پردہ محمد خان ترین کو لاہور سے کانگڑہ کے قلعہ میں بھیج دیا مصر دیوان چند کو اس سے بہت صدمہ اور افسوس ہوا اُس نے بھرے دربار میں رنجیت سنگھ کو غصہ سے کہا آپ کو میری ضمانت اور وعدے پر آئے ہوئے محمد خان ترین کو رہا کرنا پڑے گا اس کے جواب میں راجہ رنجیت سنگھ نے غصے سے کہا کہ تم کو اپنی جان کی فکر کرنی ہے کہ محمد خان کی جان کی اس پر مصر دیوان چند خاموشی سے اٹھا دربار پر اچٹتی نظر ڈالتے باہر نکل گیا مصر دیوان چند پھر سیدھا گھر گیا زہر کھا کر ہمیشہ کے لئے اپنی جان کو ختم کر دیا کیونکہ مہاراجہ کی ہٹ دھرمی سے وعدہ ایفا نہ ہو سکا جب صبح اس جانثار اور وفادار افسر کی موت کا پتہ چلا رنجیت سنگھ کو اس کی موت سے بہت دکھ ہوا۔ محمد ترین خان کی رہائی کا حکم دیا گیا لیکن محمد خان ترین وحشیانہ سلوک سے فوت ہو چکا تھا دونوں واقعات پر مہاراجہ رنجیت سنگھ رنجیدہ اور شرمندہ تھا کئی دن تک کھانا نہیں کھایا اور کئی ماہ پریشان رہا۔

مصر دیوان چند کی طرح سید عبید اللہ شاہ ساکن نوکوٹ تعلقہ پکھلی جو نواب خان ہندوال کے ضامن تھے بہت صدمہ اور خفت اٹھانی پڑی خواجہ امیر الدین پکھلی وال جو خواجہ یعقوب پکھلی وال کے پوتے تھے تاریخ کشمیر، تناول نامہ، پکھل نامہ تین کتابوں کے مولف تھے ۱۸۸۶ء میں

وفات پائی تناول نامہ میں لکھتے ہیں ۔ سید عبیداللہ شاہ ساکن نوکوٹ جب تک زندہ رہے اپنی مرگ تک گوشہ نشین رہے کسی کو اپنی شکل نہ دکھائی ان کو عظیم خان درانی کی ہٹ دھرمی اور عہد شکنی کا بہت ملال تھا سید موصوف عادات و خصائل کے برگزیدہ شخصیت تھے معززین نے ان کی بہت منت و سماجت کی کہ جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جائیں اور حسب معمول روزمرہ زندگی میں بھرپور حصّہ لیا کریں لیکن یہ صدمہ ان کے لئے جانکاہ ثابت ہوا طرفین کے مابین وجہ عناد و نفاق ایک فرضی قصہ ازار بند بھی بیان کیا گیا ہے جو سراسر غلط بے بنیاد اور بے سروپا ہونے کے علاوہ غیر مسلم اختراع ہے جو نواب خان ہندوال کی شخصیت مسخ کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے ۔ یہ من گھڑت قصہ راوی کے حوالے سے کالیستھ مہتاب سنگھ نے اپنی کتاب تاریخ ہزارہ عہد سرکار انگریزی دولتدار میں بیان کیا ہے اس تاریخ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم آفس لائبریری لنڈن میں موجود ہے اس پر تاریخ ۱۸۵۴ء درج ہے ۔ کالیستھ مہتاب سنگھ کا تعلق کان پور (انڈیا) سے تھا وہ ملازمت کی غرض سے ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۴ء تک ضلع ہزارہ میں سکھوں اور انگریزوں کے دفاتر سے منسلک رہے یہ کتاب میجر جمبر لین مہتمم اعلیٰ بندوبست ضلع ہزارہ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی ۔

"سلاطین دراتی" مطبوعہ ۱۸۴۰ء بہت پرانی مستند دراتی سلاطین کی تاریخ ہے اس میں عظیم خان دراتی اور نواب خان ہندوال کی جنگ کے تمام حالات تفصیل سے درج کیے گئے ہیں ۔ اس میں کہیں بھی ازار بند کا قصہ بیان نہیں کیا گیا ۔ محصول جو کہ نواب خان ہندوال کو نہیں لینا چاہیئے تھا وجہ جنگ کی بنیاد بنا اس کے علاوہ تناول نامہ میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے اس من گھڑت قصہ کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ بعد کی اختراع ہے ۔ سلاطین دراتی کا ایک قدیم نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (بھارت) میں موجود ہے تالیف کا دوسرا قدیم نسخہ جناب جمنا داس اختر قرول باغ دہلی کی ذاتی لائبریری کی زینت ہے یاد رہے جمنا داس اختر کا تعلق پشاور سے ہے قبل تقسیم ہند کانگرس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ چکے ہیں اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں کتابوں کے رسیا ہیں پاکستان کے ادبی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں ۔

پائندہ خان ہندوال ۱۸۱۷ - ۱۸۴۳

اپنے باپ کی غرقابی کے بعد ۸ مارچ ۱۸۱۷ء پائندہ خان ہندوال کی دستار بندی کی گئی اس طرح وہ اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا اس نے پربیہ (یاغستان) سے اپنے اور بھائیوں کے خاندانوں کو منگوا کر امب میں سکونت اختیار کی اور اس جگہ کو صدر الریاست بنایا ۔ پائندہ خان بہت بہادر اور دلیر شخص تھا فن سپہ گری کے جملہ امور نیزہ بازی، گھوڑا سواری شمشیر زنی کا استاد کامل مانا جاتا تھا سپاہ کی تربیت آراستگی و تربیت سے باقاعدہ واقف تھا چاک و چوبند بلند قامت تنومند خوبصورت جسم کا بارعب جوان تھا علم سے بے بہرہ نرم مزاج اور سخی تھا اپنے زمانے کا جنگجو، نڈر اور بہت بہادر آمر سوگزرا ہے جس سے بھی اس کی پنجہ آزمائی ہوئی سب اس کی بہادری کے قائل ہیں ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور کی یہ دلی خواہش رہی کہ اس بہادر شخص سے ملاقات کروں مہاراجہ گلاب سنگھ والئی کشمیر پائندہ خان سے ملاقات کے لئے ہزارہ آیا لیکن اپنے باپ کی وصیت کے مطابق زندگی میں کسی سے نہیں ملے ۔ پائندہ خان گوریلا طرز جنگ کے ماہر مانے جاتے تھے گوریلا جنگ کی ایک صنف کے بانی بھی تھے انہوں نے جب سے زمام ریاست سنبھالا کبھی چین سے نہیں بیٹھے مخالف طاقتوں سے نبرد آزما رہے ۔ تاریخ مخزن پنجاب میں تحریر ہے جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھوں کی پے درپے ناکامیوں کا سختی سے نوٹس لیا اور ان سے استفسار کیا تو کہنے لگے سرکار پیندا اے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کہا (ایہہ تے مینوں بھی پتہ اے کہ پیندا اے پر اوہدا نام کی اے) یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ پیندا ہے یعنی تباہی مچاتا ہے لیکن اس کا نام کیا ہے ۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو معلوم ہوا کہ اس کا نام ہی پیندا ہے تو اس سے غصہ کی حالت میں بھی ہنسی ضبط نہ ہو سکی اور وہ ہنس پڑا دوسرے تمام سکھ بھی ہنس پڑے یہ لطیفہ پنجاب میں بہت مشہور ہوا بالخصوص ہزارہ کے عوام میں یہ بات قابل ذکر ہے تاریخ مخزن پنجاب پورے پنجاب کی مکمل تاریخ

ہے۔ جناب مفتی غلام سرور قریشی لاہوری نے بڑی محنت سے اعلان آزادی، ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد اس تاریخ کو تحریر کیا یہاں تک کہ اس میں پنجاب کے دیہات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ پہلے صوبہ سرحد کا کوئی وجود نہیں تھا لنڈی کوتل تک سب پنجاب تھا یہ بات قابلِ ستائش ہے جناب غلام سرور قریشی نے خود قریہ قریہ جاکر تمام حالات قلمبند کیے۔ کتاب دی سکس اینڈ افغان کے مولف سر، سی، ایم وائڈ جنہوں نے (۱۸۳۲ - ۱۸۳۳) میں اس علاقہ کا دورہ کیا تھا ان کے ساتھ ان کا ترجمان شہادت علی بھی تھا۔ اپنی کتاب کے صفحات (۱۲۱ تا ۱۶۶) میں رقمطراز ہیں،۔ تناول کے باشندے جن کا سردار پائندہ خان ہے سب بہادر دلیر نڈر اور سرکش میں حسن ابدال تک حملہ کر کے سکھوں کو پامال کر دینا ان کا معمول ہے وہ سکھوں کی بالادستی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سکھوں کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے اگر فوج چوکنا نہ رہے تو شب و روز ایسا ہی کرتے رہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل سر ایگزانڈر برنس اپنے سفر نامے (۱۸۳۸ - ۱۸۳۶ء) کابل صفحہ ۷۸ میں لکھتے ہیں پائندہ خان تنولی نواب امب سکھوں کے علاقے سے سکھوں کو پکڑ کر لے جاتا ہے ان کے ورثاء سے روپیہ لے کر چھوڑتا ہے۔ اس کے پاس پانچ سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی ہیں ان کی اکثریت ہندوستانیوں پر مشتمل ہے جو سید احمد شہید کی شہادت کے بعد ۱۸۳۱ء میں اس کے پاس ملازم ہوئے۔

ہندوالوں کا پائندہ خان کو سربراہ تسلیم نہ کرنا۔ ۱۸، جولائی ۱۸۱۷ء

ابھی پائندہ خان کی دستار بندی کو چار ماہ بھی نہیں ہوتے تھے کہ ان کے ہم قوم ہندوالوں میں اس کے برخلاف در پردہ چہ میگوئیاں ہونا شروع ہوگئیں کہ بھائی تو یہ بھی ہماری طرح زمیندار ہے جیسے یہ ویسے ہم پھر اس کی سربراہی ہم کیسے مانیں۔ ہندوالوں کی سرکشی کا یہ لاوا لوگوں کے دلوں میں اندر ہی اندر پکتا رہا بالآخر ایک دن سب نے یک زبان ہو کر پائندہ خان کو کہہ دیا اب ہم آپ کی سربراہی نہیں مانتے پائندہ خان نے اپنی مصلحتوں کے پیش نظر وقتی طور پر خاموشی اختیار کر لی اور ان کو کچھ جواب نہیں دیا۔ لیکن لوگوں کی

سرد مہری عدمِ تعاون اور برملا انکار سے وہ بہت پریشان ہونے لگا اور اس کا حل سوچنے لگا لوگوں نے پائندہ خان کی خاموشی کو برتسلیم رضا سمجھا اور وہ بہت خوش ہوتے ولی مسرت کا اظہار مسجدوں، حجروں اور گھروں میں ہونے لگا پائندہ خان نے اس دوران کسی سے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہا اس نے کچھ افغانوں اور کچھ ملکی لوگوں کو ملازم رکھ لیا پائندہ خان نے جب سمجھ لیا کہ اب کام چل سکتا ہے تو ملازموں کے ذریعے وہ لوگوں کو پکڑ کر دریائے سندھ میں ڈبونے لگا بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ سرکشوں کو پکڑ کر قید کر لیا جاتا جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ان کو کشتی میں بیٹھا کر دریائے سندھ میں پھینک دیا جاتا۔ دریائے سندھ کے ٹھنڈے پانی سے جو بھی سر باہر نکالتا اس پر ڈنڈوں کی بارش ہو جاتی اس طرح کی ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہتا جب تک کہ وہ ڈوب نہ جاتے لوگ پائندہ خان کے خوف سے بھاگنے لگے۔ جنہوں نے ہمت و جرات سے پائندہ خان کو باز رکھنے کی تاکید کی ان لوگوں کو پائندہ خان نے برملا کہا بھائیو جیسا میں ہوں ویسے تم ہو جو تمہارا دل چاہتا ہے تم کرو اور جو میرا دل چاہتا ہے میں کروں گا جب ہم سب برابر ہیں پھر یہ شکوہ و شکایت کیوں معززین ہندوال نے متفق ہو کر پائندہ خان سے کہا تم قتل و غارت بند کرو ہم تم کو سربراہ تسلیم کرتے ہیں پائندہ خان نے جواب دیا اگر آپ لوگ میری خانگی و سربراہی تسلیم کرتے ہو تو مجھے تحریر لکھ دی جائے تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔ تو انہوں نے تحریر لکھ دی جو درج ذیل ہے پائندہ خان بن نواب خان ہندوال قوم ہندوال کا خان اور ریاست کا سربراہ ہوگا باقی قوم اس کے مزارعے اور کارندے ہوں گے ریاست میں حق ملکیت زمین کسی کو نہیں ہوگا۔ مزارعوں کی منتقلی اور بے دخلی سربراہ کرے گا معززین نے اس وقت یہ تحریر تو صرف قتل و غارت کو روکنے کے لئے تحریر کر دی تھی لیکن اس کے بعد ان کی نسلوں کو اس تحریر کا خمیازہ بھگتنا پڑا ڈسٹرکٹ کورٹ سے لے کر سپریم کورٹ تک یہ تحریر حائل رہی اور وہ حقوق ملکیت حاصل نہ کر سکے۔

پائندہ خان کا اپنے بھائی مدد خان سے ناروا سلوک ۱۲ ستمبر ۱۸۱۷ء

سردار مدد خان دلیر بہادر فن سپہ گری میں پائندہ خان سے کسی طرح کم نہ تھا باپ نے اسے شنگلی کا پرگنہ گذر و بسر کے لئے دیا ہوا تھا مدد خان نے اس پرگنہ کو اپنی شب و روز کی محنت سے بڑے اچھے طریقے سے آباد کیا۔ ہر قسم کے باغات لگاتے رہنے کے لیے عالیشان محلات تعمیر کرائے سپاہیوں کے لئے ایک قلعہ تعمیر کروایا یہاں ہی بردریں اثنا تعمیرات کا فرزند ارجمند محمد عبداللہ خان پیدا ہوا جب پائندہ خان نے سردار مدد خان کی اٹھان دیکھی۔ اس سے شنگلی کا پرگنہ لے لیا مدد خان نے احتجاج کیا تو بڑے بھائی پائندہ خان نے کہا تمہیں اس کے بدلے دوسرا پرگنہ دے رہا ہوں اسے بھی اچھے طریقے سے آباد کرنا ستم ہائے زمانہ جب مدد خان نے بھلڑہ کے پرگنہ کو بھی خوب آباد کر لیا تو بڑے بھائی نے وہ بھی بمعہ قیمتی سامان و زیورات اس سے چھین لیا اور اسے بلوچ گڑھی میں نظر بند کر دیا۔

تناول — تناول کا نام ۱۴۷۲ء میں تناول رکھا گیا

تناول ضلع ہزارہ کے انتہائی شمال مغربی کنارے پر ۱۵، ۳۴ درجے سے لے کر ۲۳، ۳۴ درجے عرض بلد شمال ۵۲، ۷۲ درجے سے لے کر ۱۰، ۷۳ درجے طول بلد مشرق میں واقع ہے یہ علاقہ ناہموار اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے پہاڑوں کا یہ راستہ مشرق دریائے سندھ تک چلا گیا ہے اس میں دریائے سرن شمال سے جنوب کی جانب بہتا ہے۔ اس کے حکمران تنولی رہے ہیں جن کی دو شاخیں پلال اور ہندوال ہیں تناول دو ریاستوں میں تقسیم تھا پلالوں کی ریاست عملاً سکھوں کے عہد تک رہی اس کے بعد یہ علاقہ انگریزوں کی عملداری میں آگیا اور یہ ریاست ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ دوسرا حصہ جس پر ہندوال قابض تھے پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۰ء میں باضابطہ یہ ریاست پاکستان میں شامل کر دی گئی یہ علاقہ اپر تناول کہلاتا ہے سطح سمندر سے ۵۴۰۰ فٹ کی بلندی پر ضلع ہزارہ کے مغربی حصہ کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں پکھلی اور مانسہرہ ہیں شمال میں وادی اگرور اور بالائی حصہ میں کالا ڈھاکہ جنوب

میں ہری پور مغرب میں تربیلا جھیل ہے یہ ریاست (امب) ایک نیم خودمختار ریاست تھی اس کا رقبہ دو سو چالیس مربع میل تھا آبادی ۱۹۰۱ کے مطابق ۳۱۶۲۲ تھی جواب بڑھ کر تقریباً آٹھ لاکھ کے لگ بھگ ہے رعیت زمین کی مالک نہیں تھی پاکستان میں مدغم ہونے کے بعد اس کا پہلا بندوبست ۵۲-۱۹۵۱ میں ختم ہوا تربیلا ڈیم کے باعث تنولیوں کا تاریخ ساز علاقہ جس پر عالمگیر شہرت یافتہ فاتح عالم سکندر اعظم اور حضرت خلیفہ سید احمد شہید کے علاوہ آزاد ہندوستان کے انقلابی شہرت یافتہ لیڈر سبھاش چندر بوس کا قیام اور گزر رہا ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹ گیا تناول معدنیات سے مالا مال ہے لیکن حکومت کی عدم توجہی کا شکار ہے ابھی تک جو معدنی ذخائر معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں سوپ سٹون میگنا سائیٹ، فاسفیٹ، فلپائر سوڈیم۔ گریفائیٹ۔ سوپ سٹون ملک کی چالیس صنعتوں میں استعمال ہوتا ہے اس کے بہت بڑے ذخائر شیروان کے گردونواح میں واقع ہیں ۱۹۲۵ سے نکالا جا رہا ہے پاکستان بھر میں استعمال کیا جا رہا ہے اس کی زیادہ مقدار کراچی کے صنعتی علاقوں میں استعمال ہوتی ہے۔ میگنا سائیٹ اس کا پنڈ کرگو کے نزدیک بہت بڑا ذخیرہ ہے پاکستان صنعتی کارپوریشن نے اس منصوبہ پر ابتدائی کام کیا تھا چند سالوں سے یہ کام تنازعہ کی وجہ سے بند پڑا ہوا ہے۔ فلپائر سوڈیم۔ کراکری۔ پاٹری۔ گلاس کے کارخانوں کے علاوہ کئی دوسری صنعتوں میں استعمال ہوتا ہے شیر گڑھ اور پڑھنہ میں کافی ذخائر ہیں گریفائیٹ کا غیر معمولی ذخیرہ کاپو کوٹھیالہ میں دریافت ہوا ہے لیکن اعلیٰ قسم کا نہیں ہے اس لیے نظر انداز کر دیا گیا ہے فاسفیٹ کے عمدہ ذخائر حال میں شیروان روڈ (صوبن گلی) دریافت ہوتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں سونا دریائے سندھ کی ریت سے نکالا جاتا تھا جب طغیانی آتی ہے سونے کے نکاس میں دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے دریائے سندھ میں یورینیم، پلاٹینم، سلور، گولڈ کی دریافت کا سہرا ڈاکٹر طاہر رشید طاہر خیلی کے سر ہے جنہوں نے انتہائی دشوار مراحل سے گزر کر ان بے انتہا قیمتی دھاتوں کو دریافت کیا (۱۹۸۰-۱۹۷۵) آسٹریا کی ایک کمپنی نے دریائے سندھ کی ریت سے پلانٹ کے ذریعہ سونا نکالنے کی اجازت حکومت پاکستان سے چاہی یہ معلوم نہ ہو سکا وہ کامیاب کیوں نہ ہو سکی۔ تناول میں یورینیم

سنگ مرمر، سیاہ، گلابی، سفید، پیلا کی بہت بڑی مقدار ہے لیڈ جست اور کاپر بھی موجود
ہے ذرائع آمدورفت نہ ہونے کے باعث بے کار پڑا ہوا ہے حکومت توجہ دے تو مفید
نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ سکھوں نے تناول پر اپنی حکومت مسلط کرنے کی کوشش کی جس
کی وجہ سے تناول جنگ و جدل میں مشغول رہا وہاں ایک ایک قریہ کے لئے سکھوں اور خوانین
میں لڑائیاں لڑی گئیں اور سکھوں کو ناک چنے چبوائے گئے۔ سکھوں کی پے در پے شکستوں
کے باعث لاہور کی پوری سکھ انتظامیہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی کیونکہ سکھوں نے اس
کو اپنی انا کا مسئلہ بنا دیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۸ میں ہزارہ فتح کرنے کے لئے
سردار امر سنگھ رئیس مجیٹھ کو مقرر کیا سردار موصوف نے دوسرے سکھ سرداروں کے ساتھ باہمی
صلاح مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا سب سے پہلے تناول پر قبضہ کیا جائے تناول کی جنگجو بہادر
اور نڈر قوم کو زیر کرنے سے باقی سب علاقے پر آسانی سے قبضہ ہو جائے گا ہزارہ میں کوئی
سرکش باقی نہیں جو ہماری سکھ فوج کا مقابلہ کر سکے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے کنارے
کنارے اپنے سپاہی مقرر کئے جائیں تاکہ پورے علاقے میں گرفت مضبوط ہو جائے
لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا سردار امر سنگھ مجیٹھ تناول سے باہر ہی راستہ میں نارڑہ کی
لڑائی میں مارا گیا۔ تناول کی مٹی کو یہ فخر حاصل ہے اس کے خمیر سے ہمیشہ سرفروش مجاہدوں
نے جنم لیا ہے جو پہلے سکھوں سے ٹکرائے جب پورے پنجاب پر سقوط چھایا ہوا تھا اور
انگریزی اقتدار کو جڑ سے پھینکنے کے لئے سرگرداں رہے۔ میری رگ رگ میں بسی
اس زمین کی خوشبو۔ اس مٹی میں مہکتا ہے شیروں کا لہو۔ بدقسمتی سے سرحد کی تاریخ پر
یورپین نے قلم اٹھایا ہے انہوں نے حریت پسندی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہر
محب وطن حریت پسند کی مزاحمت کی ہے ہمارے شمع آزادی کے پروانوں کو انہوں
نے کئی کئی القاب سے یاد کیا ہے۔

سکھ ریاست کا بانی - ۱۸۰۰ء

قارئین کرام آگے بڑھنے سے قبل کچھ سکھوں کے متعلق بیان کیا جائے اس لئے



بزور شمشیر ناجائز وارث و قابض بانی سکھ ریاست مہاراجہ رنجیت سنگھ

کہ آگے آنے والے واقعات کا سکھوں سے گہرا تعلق ہے اس لئے ضروری ہے ان کے ابتدائی حالات معلوم ہوسکیں تاکہ سمجھنے میں آسانی پیدا ہو۔ سکھ ریاست کے بانی راجہ رنجیت سنگھ کا تعلق گوجرانوالہ کے سکھ خاندان شکرچاکیا سے تھا وہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا احمد شاہ ابدالی کے پوتے بادشاہ شاہ زمان کی طرف سے ایک اضطراری حالت میں پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا۔ شاہ زمان نے جب مسند حکومت سنبھالی تو اس کے عہد میں خانہ جنگی شروع ہوچکی تھی شاہ زمان شاہ کابل کی چند توپیں پنجاب پر حملہ کرتے وقت دریائے چناب میں گر پڑی تھیں گوجرانوالہ کا رنجیت سنگھ اس وقت انیس سال کا گھبرو جوان تھا۔ رنجیت سنگھ نے وہ توپیں نکلوا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور بادشاہ نے خوش ہو کر اسے حاکم لاہور مقرر کر دیا اس دن سے رنجیت سنگھ کی طاقت دن بدن بڑھنے لگی۔ گو یہ حسب معمول یہ تاریخ کا ایک معمولی واقعہ ہے لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی اور بدبختی کا دور اس دن سے شروع ہوگیا جس دن سے رنجیت سنگھ حاکم لاہور مقرر ہوا۔ افغانستان کے دو بڑے خاندان سدوزئی اور بارک زئی آپس میں لڑ پڑے درانیوں کی حکومت کمزور ہوتے ہی راجہ رنجیت سنگھ نے دیر نہیں کی وہ بزور شمشیر پنجاب پر قابض ہوگیا اور اس نے سرحد پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے۔ شاہ زمان نے راجہ رنجیت سنگھ کو لاہور کا حاکم بنا کر سخت غلطی کی سدوزئی اور بارک زئی حکام کی باہمی چپقلشوں اور جنگوں کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا اور پورے پنجاب پر قابض ہوگیا وہ غاصب تھا۔ اگر اس وقت رنجیت سنگھ لاہور کا حاکم نہ ہوتا اس کی جگہ کوئی دوسرا مسلمان ہوتا تو آج تاریخ مختلف ہوتی نہ کشمیر کا جھگڑا ہوتا نہ سکھوں اور انگریزوں کی لڑائیاں ہوتیں نہ صوبہ سرحد میں اتنا قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب پر چالیس سال اور دریائے سندھ کے مغربی علاقوں پر پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۳۹ء میں وفات پائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کے دور میں فوج کی ترکیب کے بارے میں پوری واقفیت ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کے پنجاب پر قبضہ کے بعد لاہور کے دفاتر سے دستیاب ہوئی

فوج باقاعدہ سوار، ۱۶۶۷ توپ خانہ مع ۳۴ ضرب ۵ ۸۵ اس کے ساتھ پیادہ فوج کی خاص پلٹنیں تھیں۔ گورکھا پلٹن ۷۰۷ سپاہی تھے دیوا سنگھ پلٹن ۸۳۹ سپاہی تھے شام سوتا پلٹن ۸۱۰ سپاہی تھے خاص پلٹن ۸۴۰ سپاہی تھے۔

سوار فوج میں گرانڈیل رجمنٹ ۷۳۰ افراد پر مشتمل تھی سہ نیم سوار ڈراگوں رجمنٹ جن کی تعداد ۷۵۰ تھی اس میں شاہی محافظ دستہ بھی شامل تھا۔ جس میں ۱۸۷ آدمی تھے توپخانہ الٰہی بخش ایک مسلمان فوجی افسر کے زیر کمان تھا یہ شخص سکھ فوج میں بہترین افسر توپ خانہ تھا تمام فوج کی تنخواہ ۹۶۰۶۷ روپے ماہانہ تھی یہ رقم اس وقت دس ہزار پونڈ کے قریب تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد سکھ فوج کی ترکیب میں بڑا تغیر واقع ہوا اس کے جانشینوں کے وقت باقاعدہ فوج اور پیادہ، سوار، توپ خانہ کی تعداد اور مصارف کا اندازہ اس گوشوارہ سے ظاہر ہے۔

	تعداد	توپیں	اخراجات (روپیہ)
۱۸۳۹ مہاراجہ رنجیت سنگھ	۲۹۱۶۸	۱۹۳۲	۳ ۸۲۰۸۸
۱۸۴۳،۴۴ مہاراجہ شیر سنگھ	۵۰۰۶۵	۲۳۲	۵۴۸۶۰۳
۱۸۴۴ء راجہ ہیرا سنگھ	۵۰۸۰۵	۲۶۲	۶۸۲۹۸۴
۱۸۴۵ء سردار جواہر سنگھ	۷۲۳۷۰	۳۸۱	۸۵۲۶۹۶

جاگیرداروں کی امدادی فوج کا شمار مندرجہ بالا گوشوارے میں نہیں کیا گیا ہے۔ بانی ریاست مہاراجہ رنجیت سنگھ بے انتہا شرابی تھا۔ ۱۸۰۶ء میں جب کم عمر تھا ایک دوسری کسی عورت "موراں" نے اسے اپنا گرویدہ بنالیا ہولی کے تہوار میں وہ موراں کو ہاتھی پر اپنے پہلو میں بٹھا کر گشت لگاتا اس فعل پر وہ کبھی نہیں شرماتا تھا ایک دوسری عورت جو رقص و نقالی کی وجہ سے راجہ کی منظور نظر ہوئی اس کا نام "جنداں" تھا جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ماں تھی جسے اُس نے اپنے محل میں داخل کر لیا جس سے اس نے کبھی باضابطہ بیاہ نہیں کیا تھا ایک ادنیٰ ملازم گلو نامی ماشکی عام طور پر دلیپ سنگھ کا باپ مانا جاتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ان حرکات کی

تعجب اور چہ میگوئیاں ضرور کرتا تھا۔

سکھوں کے مسلمانوں پر مظالم

جرمنی کے نازیوں نے جو ستم یہودیوں پر ڈھائے ہیں ان کے مقابلے میں سکھوں کے مسلمانوں پر مظالم کئی سو گنا زیادہ ہیں۔ جن سے انسانیت کانپ اٹھتی ہے فرق صرف اتنا ہے یہودیوں پر نازیوں کے مظالم کی دنیا بھر میں ذرائع ابلاغ (مضبوط میڈیا) کے ذریعہ تشہیر کی گئی سکھوں نے مسلمانوں پر جو لرزہ خیز مظالم کئے ان مظالم کی صرف پنجاب کے کسی کو خبر نہیں ہزارہ میں پانچ شہداء کو توپ سے اڑایا گیا۔ تاکہ لوگ عبرت حاصل کر سکیں۔ پونچھ میں بارہ زندہ آدمیوں کو ٹکٹکی پر باندھ کر بھیڑ بکریوں کی طرح ان کی کھال اتار دی گئی ان پانچ چھ سو بے بس مظلوم بے گناہ مسلمان عورتوں کو جن کے کپڑے تار تار تھے جانوروں کی طرح ہانک کر پونچھ لایا گیا شدید سردی میں جانوروں کی طرح ان کے آگے مکئی کا چارہ ڈالا گیا۔ جو موت کے منہ سے بچ گئیں۔ وہ مہاراجہ کے محلات کی زینت بنیں۔ ان کی داستان اتنی غمگین اندوہناک ہے کہ ہر صاحب دل کی آنکھوں سے آنسو ٹپک جاتے ہیں۔ یہ آنسوؤں، آہوں میں ڈوبی ہوئی سرگزشت ہے جو عبرت ناک بھی ہے اور سبق آموز بھی ہے مشہور مغربی مفکر جارج برنارڈ شا نے خوب کہا ہے کہ تاریخ سے صرف ایک ہی سبق ملتا ہے کہ انسان نے تاریخ سے کبھی سبق حاصل نہیں کیا۔ سکھوں کے ساتھ ہزارہ کے مسلمانوں نے جس شجاعت بہادری ہمت و استقلال کے ساتھ بے سروسامانی کی حالت میں مقابلہ کیا تھا وہ قابل ستائش و تقلید ہے سکھوں نے مجبور نہتے بے بس مسلمانوں پر بے پناہ ستم ڈھائے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ سکھوں کا عہد حکومت بدترین دور میں شمار کیا جاتا ہے جسے لوگ سکھا شاہی کہتے ہیں۔ اب تک بڑے بوڑھے لوگ سکھوں کے ظلم و ستم کی داستانیں حجروں میں بیٹھ کر بیان کرتے ہیں۔ پیٹرسن جنرل نکلسن کا سوانح نگار "ہیرو آف دی ڈھلی" رنجیت سنگھ کے عہد حکومت کے متعلق لکھتا ہے اس زمانے میں پنجاب کے ایک سرے سے دوسرے تک کوئی عدالت کوئی مدرسہ کوئی جیل نہیں تھی۔ سزائیں صرف دو تھیں

امیر پر جرمانے اور غرباء کی ایک ٹانگ یا ہاتھ کاٹ دینا۔ اس نے کبھی کوئی سڑک پل یا نہر نہیں بنوائی پہلے سے بنی ہوئی عمارتوں کی مرمت نہیں ہوئی شہر اور دیہات اگر اجڑتے ہیں تو اجڑیں سکھوں کے علاوہ دوسرے شہریوں کے ساتھ غلامانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

بربریت کا ایک منہ بولتا ثبوت تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ سکھوں کا منہ چڑ چڑاتا رہے گا رئیس ہزارہ محمد خان ترین لاہور میں مقید تھا۔ کہ ہری سنگھ نلوہ نے ۵۵ ہزار روپے دے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے خرید لیا اس دلیر اور بہادر انسان کو قلعہ کلر کہار میں کھار ی زہر کھلا کھلا کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اور ۵۵ ہزار روپے سے کئی گنا زیادہ تاوان لگا کر ہزارہ کے لوگوں سے وصول کر لیا۔ عبرت کے لئے بے بس اور بے گناہ لوگوں کو توپ سے اڑانا سکھوں کے لئے ایک کھیل اور مذاق تھا ان کے عہد میں گائے بھینس ذبح کرنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا تھا۔ جہاں سکھوں کی فوج اور گروہ کا گزر ہوتا لوگ ان کے مظالم سے خوف کھا کر گھر بار چھوڑ دیتے تھے اور پہاڑوں اور محفوظ مقامات پر چلے جاتے تھے۔ دیہاتی کاشتکاروں کو جان سے مار ڈالنے کا پورا اختیار تھا حریت پسند قبائل اور افغانوں کے علاوہ باقی مسلمانوں کی حالت زار کا اندازہ بیرن چارلس ہیوگل کی اس تحریر سے ہوتا ہے۔ بیرن چارلس ہیوگل نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسر بکار خاص (آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی) کی حیثیت سے پنجاب اور کشمیر کا دورہ کیا ان کا سفر نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹر کی اجازت سے ۱۸۴۵ میں لندن سے شائع ہوا اس سفر نامہ کا آغاز شملہ سے ہوا۔ ہیوگل ٹریولس صفحہ (۲۱۳-۲۱۴) میں لکھتا ہے میں نے حکم دیا میرا بستر قریب ترین مسجد میں لگایا جائے اور دوسری مسجد میں میرا کھانا پکایا جائے۔ مسلمانوں کی کامل محکومی اور بے بسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میرا جیسا کافر انسان عبادت گاہ میں سوئے اور دوسری مسجد میں کھانا پکایا جائے۔ ہیوگل کے ساتھ اس دورے میں ۳۷ ملازم ۶۰ مزدور ۲ شکاری ایک اس کا سیکرٹری اور مترجم تھے سوائے ایک مسلمان کے باقی سب ہندو اور سکھ تھے کشمیر سے وہ ہزارہ میں داخل ہوئے مانگل اور نواں شہر سے وہ ہری پور آئے گرد و نواح کی سیر و سیاحت کے بعد براستہ کھوڑہ ۲۴ ستمبر ۱۸۳۵ کو حسن ابدال پہنچے مندرجہ بالا واقعہ حسن ابدال سے تعلق رکھتا

ہے۔ سکھ مالیہ زبردستی وصول کرنے کے لئے مویشی، اناج و دیگر گھریلو اشیاء ضبط کرلیا کرتے تھے اور سزا کے طور پر جس گاؤں نے مالیہ ادا نہ کیا ہو اس کو نذرِ آتش کر دیتے تھے۔ سکھوں کی یلغار ہزارہ میں ۱۸۱۸ء میں شروع ہو چکی تھی ۱۸۲۲ء میں ہری سنگھ نلوہ نے مکمل طور پر ہزارہ پر قبضہ کر لیا لیکن ہزارہ کے غیور مسلمانوں نے سکھوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ سکھوں نے ان ہنستے غیرت مند غیور مسلمانوں کو ہر طریقے سے محکوم بنانے کے حربے آزمائے اور ان پر بے انتہا ظلم و ستم توڑنے کی مثالیں قائم کر دیں لیکن سکھوں کو یہ سودا بہت مہنگا پڑا دربار لاہور کی ساری انتظامیہ کو ہزارہ کا نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے ہزارہ آنا پڑا لیکن پھر بھی اطمینان بخش انتظام نہ ہو سکا۔ سکھوں کی مسلمان دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے انہوں نے غنیمت جانا کہ حکومت مسلمانوں کو تو نہیں ملی ہندوؤں اور سکھوں نے انگریزوں کی غلامی کو خوش دلی سے قبول کر لیا مسلمانوں پر یہ مثل صادق آتی ہے آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا سکھوں کی غلامی سے چھٹکارا ملا تو انگریزوں کی غلامی کا طوق گلے کا ہار بنا۔ سکھوں کی غارت گری، مسلمان بادشاہوں کی یادگار عمارات کو جتنا نقصان سکھ عہد حکومت میں پہنچا شاید ہی کسی اور غیر مسلم دور میں ہوا ہو رائے بہادر کنہیالال کی تاریخ لاہور کے صفحات ۳۲۱ تا ۳۲۶ میں درج ہے مقبرہ جہانگیر کی منڈیروں پر سنگ مرمر کی جالیوں کے علاوہ شمع جلانے کے جو مرمریں ستون تھے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے اکھاڑ کر امرتسر پہنچائے گئے اور دربار کے پل پر لگائے گئے۔ ہری سنگھ نلوہ کا بیٹا ارجن سنگھ کچھ عرصہ مقبرہ جہانگیر میں رہا اس نے بھی عمارت کو بہت نقصان پہنچایا اور سنگ مرمر اکھاڑ کر لیا گیا۔ سکھ قوم یہاں بھی گئی انہوں نے بے دردی سے درختوں کا صفایا کیا دھمتوڑ (تکیہ) اور کاکول (اکیڈمی) میں ملکہ نور جہاں کے ہاتھوں لگائے ہوئے چنار کے درخت انہوں نے کاٹ ڈالے۔ ان میں سے کچھ نواں شہر قلعہ کی تعمیر میں لگائے باقی جلا ڈالے بنوں میں ریشم کی صنعت اس لئے پروان نہ چڑھ سکی سکھوں نے سب توت کے درخت کاٹ ڈالے تھے سکھوں کی مثال ایسے ڈاکو کی ہے جو راہ میں موقعہ کی تلاش کا منتظر تاک لگائے بیٹھا ہوتا ہے اور یونہی شکار سامنے آیا اس پر جھپٹ پڑا۔

گھناونی سازش کا ذمہ دار

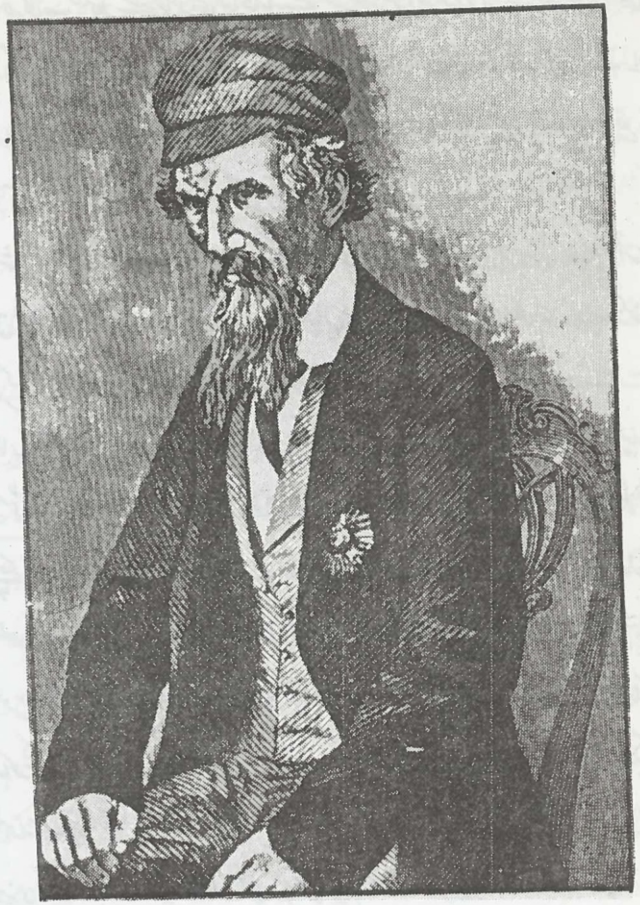
لاہور دربار کا انگریز ریذیڈنٹ سر ہنری لارنس

راجہ گلاب سنگھ جسے گلابو بھی کہا جاتا ہے خفیہ طور پر انگریزوں کے ساتھ ملا ہوا تھا سکھوں کے برخلاف انگریزوں کے مفادات کا محافظ تھا در پردہ ان خدمات کی وجہ انگریزوں نے راجہ گلاب سنگھ کو بام عروج تک پہنچایا کشمیر کے ساتھ ہزارہ بھی اس کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس موقع پر کیپٹن کنگھم مولف تاریخ "سکھ" کے الفاظ صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

"کشمیر کی فروخت کا سلسلہ انگریزوں کی عظمت و شہرت کے سراسر منافی ہے انگریز جمہوریت کے خالق تصور کئے جاتے ہیں اور روشن خیال بھی ان کا انصاف مشہور ہے لیکن چند سکھوں کی خاطر کشمیری مسلمانوں کے فیصلے سے ان کی حقیقت اشکارہ ہو جاتی ہے۔"

تاریخ کا یہ ایک المناک پہلو ہے سکھوں نے جس سالار اعظم پر اعتبار کیا اس نے سکھوں کا وقار مٹی میں ملا دیا جب سکھ بری طرح پٹ رہے تھے تو یہ شخص تماشا دیکھ رہا تھا جب سکھ پٹ چکے تو یہ شخص بڑی ڈھٹائی سے سر ہنری لارنس کا مشیر بن گیا۔ یہ ڈوگرہ مہاراج گلاب سنگھ تھا جو سکھوں کا ملازم ہوتے ہوئے انگریزوں کا طرفدار بن گیا اور انگریزوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہر جگہ موجود تھا جب سکھوں اور انگریزوں کی پنجہ آزمائی ہو رہی تھی تو یہ خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا جب سکھوں کو شکست ہوئی یہ پہلا شخص تھا جس نے انگریزوں کو پنجاب میں خوش آمدید کہا۔ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے ۳۰ مارچ ۱۸۴۹ء کو باقاعدہ پنجاب کے باضابطہ الحاق کا اعلان کیا اس طرح ہندوستان میں انگریزی حکومت کے دیگر قوانین بھی پنجاب میں نافذ کئے گئے جس سے انگریزی اقتدار کی جڑیں پختہ ہو گئیں۔

۹ مارچ ۱۸۴۶ معاہدے کی رو سے جو بیع نامہ امرتسر کے نام سے مشہور ہے کشمیر اور ہزارہ کا [illegible] لاکھ روپے کے عوض انگریزوں نے راجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دیا رقم راجہ گلاب سنگھ کے پاس بھی نہیں تھی۔ سکھ حکومت کے مہتمم رسد مولا بخش کے بیٹے شیخ سوداگر سے لے کر انگریزوں کو ادا کی گئی اسی موقع پر علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے



گھناونی سازش کا ذمہ دار سرہنری لارنس جس نے بیع نامہ امرتسر کی تکمیل میں حصہ لے کر اسے انجام تک پہنچایا۔

دہقان و کشت و جوئے خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

جب ہزارہ کے لوگوں کو معلوم ہوا ہزارہ کشمیر کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دیا ہے تو انہوں نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا ان میں مایوسی کی لہر پھیل گئی۔ انہوں نے انگریز ریذیڈنٹ کے اس اقدام کو بری نگاہ سے دیکھا۔ ریذیڈنٹ لاہور کو اپنے جذبات اور احساسات سے آگاہ کیا ہم مہاراجہ گلاب سنگھ کو تسلیم نہیں کرتے ہزارہ پنجاب کا ایک حصہ ہے اور پنجاب کے ساتھ رہے گا انہوں نے ہتھیار سنبھال لئے اور ہزارہ کی حالت بگڑ گئی۔ انگریز ریذیڈنٹ کو یہ جلد معلوم ہو گیا مہاراجہ گلاب سنگھ ہزارہ پر قابض رہ کر امن قائم نہیں رکھ سکتا وہ انتقام لے گا کسی مخالف کو قتل کر دے گا جس کے بدلے میں اس کی فوج قتل کی جائے گی اور پورے سرحد میں قتل و غارت کا ایک بازار گرم ہو جائے گا۔ راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ کسی طرح بھی ہزارہ کے لوگ اس کے قابو میں نہیں آ رہے اور بتدریج علاقے کی حالت بگڑتی جا رہی ہے لوگوں نے بدستور مورچے سنبھالے ہوئے ہیں راجہ گلاب سنگھ نے ہزارہ کا نظم و نسق سنبھالنے کی ریذیڈنٹ لاہور سے درخواست کی۔ چنانچہ مذکورہ امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۴۷-۱۸۴۶ء ریذیڈنٹ نے حکومت کی اجازت سے مہاراجہ گلاب سنگھ اور سکھ دربار کے سامنے علاقہ تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی۔ دونوں طرف بحث و تمحیص کے بعد یہ شرط منظور کر لی گئی پہلے ہزارہ کا منصفانہ بندوبست کیا جائے۔ ہزارہ میں تمام جاگیروں کا تخمینہ لگانے کے بعد جو آمدن نکلے اس کے نصف حصہ کے حساب سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو دوسری طرف کا علاقہ دیا جائے۔ کشمیر کشمیریوں کا ہے کشمیر کو فروخت ہوئے ایک سو سنتالیس سال گزر چکے ہیں کئی نسلیں پروان چڑھ کر راہی ملک عدم ہوئیں جو زندہ ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہیں۔ بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اب تک کشمیر کا فیصلہ نہیں ہو سکا یو، این، او کی واضح قرارداد کے باوجود اب بھی بھارت اپنی ہٹ دھرمی پر مصر ہے۔ آنجہانی وزیر اعظم بھارت پنڈت نہرو نے کشمیر کا جھگڑا حل کرنیکا فیصلہ کر لیا تھا۔

انہوں نے اپنی موت سے قبل شیخ عبداللہ کو پاکستان بھیجا تاکہ صدر ایوب سے مل کر لائحہ عمل تیار کیا جائے لیکن شیخ عبداللہ کے پاکستان پہنچتے ہی وزیر اعظم پنڈت نہرو انتقال کر گئے۔ کشمیر کے جھگڑے کے حل ہونے کی جو امید بندھی تھی وہ دوبارہ خاک میں مل گئی لوگوں کو یقین تھا کہ اب دوبارہ ہندوستان کشمیر کا جھگڑا حل کرنے کا باقاعدہ عمل جاری رکھے گا اس طرح کہ جھگڑا حل ہو جائے گا۔ لیکن تمام امیدوں پر پانی پھر گیا بھارت نے پھر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

سکھوں کے غیر ملکی ملازمین کی تفصیلات

دنیا کے بہترین تربیت یافتہ جرنیلوں نے سکھوں کی فوج کی تربیت کی جو پہلے نپولین کی فوج میں تھے نپولین شکست کے بعد وہ دنیا میں بکھر گئے بعض نے ایران میں ملازمت اختیار کر لی بعض مہاراجہ رنجیت سنگھ کی دعوت پر لاہور آ گئے۔ اور سکھ فوج کو جدید طریقے سے تربیت دینے لگے ان میں تمام یورپین اقوام کے افراد شامل تھے اور ہر ایک اپنے پیشے میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا در حقیقت ہندوستان میں برطانوی حکومت کو وسعت بتدریج سکھوں کے لئے درد سر بنی ہوئی تھی اس کا حل صرف یہ تھا کہ سکھ انگریزوں کے تسلط سے بچنے کے لئے اپنی عسکری قوت میں اضافہ کریں اور نئی سرحدی چھاؤنیاں قائم کریں اس لئے وہ انگریزوں کے اثرات کو روکنے کے لئے سرگرم عمل تھے انہوں نے نپولین بوناپارٹ کے مشہور جرنیلوں کی خدمات و تجربات سے پورا استفادہ کیا۔

فرانسیسی

الارڈ کیولری پشاور میں وفات پائی
اے کورٹ ارٹلری
ڈی سہوسٹ توپ خانہ
ڈیگبون تجارت
موٹن کیولری
ڈی لا۔ روچ کیولری
ڈی لا۔ مونٹ I توپ خانہ

اینگلو انڈین

گورڈن۔ کیولری
ہومس۔ کیولری
کورٹ لینڈ توپ خانہ
فٹز رائٹے ״ ہتھیاروں کی تجارت۔
لینرے ״
مارٹن ڈیل ״ گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوا
بیلنٹو ״

اٹالین

الورائین۔ توپ خانہ
ونتورا ״
اوتبائیل ״
بیاپچی ״

ڈی لا۔ مونٹ II توپ خانہ
ڈے نیشے کیولری لاہور میں فوت ہوا
اس کالر کا کیولری نام معلوم نہیں ہوسکا۔
جرویاس توپ خانہ
آرگو ״

جرمن

ہونیگ برگر میڈیکل
ڈوٹن وائنز انجینئر
سٹین بیچ توپ خانہ

متفرق

وچین روسی توپ خانہ
ڈاکٹر ہاردے سکاٹس میڈیکل
ہٹ یونانی توپخانہ، لاہور میں مارا گیا،
ہوری لیک یونانی توپخانہ
ہربون سپین انجینئر
ہومس ״ توپ خانہ
مرویٹوس ایرانی ״

امریکن

ہارلان سول تعمیرات
گارنر ارٹلری
کنارال، ارٹلری بری پور میں قتل ہوا

انگریز

مکفرسن توپخانہ
خولکر کیولری
فورڈ توپخانہ لاہور میں فوت ہوا۔

ہزارہ میں آنے والے سکھ حاکم

۱۔ مکھن سنگھ ۲۔ امر سنگھ مجیٹھ ۳۔ ہری سنگھ نلوہ (۱۸۲۲ء ۱۸۳۷)
۴۔ مہربان سنگھ ۵۔ تیجا سنگھ ۶۔ پیارا سنگھ (۱۸۴۱ء ۱۸۴۳)
۷۔ گلاب سنگھ اٹاری والا ۸۔ اربیل سنگھ ۹۔ دیوان مول راج (۱۸۴۳)
۱۰۔ راجہ گلاب سنگھ ۱۱۔ معز اللہ خان ۱۲۔ وزیر ہنوں
۱۳۔ دیوان موج راج (دوسری دفعہ) ۱۴) گلاب سنگھ موددوالا ۱۵۔ بدھ سنگھ
۱۶۔ دیوان ہری چند ۱۷۔ گلاب سنگھ ولد چتر سنگھ ۱۸۔ دیوان جوالا سہائے
۱۹۔ قاضی نادر علی (۱۸۴۶) ۲۰۔ بخشی ہری سنگھ (۱۸۴۷) ۲۱۔ چتر سنگھ اٹاری والا۔

ہزارہ کے مسلمانوں کی معاشی حالت

مسلمان کھتری مہاجنوں کے قرضے میں جکڑے ہوئے تھے مسلمانوں کی بے جا فرسودہ سماجی رسومات و تقریبات نے ان کو خستہ حالی سے دوچار کر دیا تھا مرگ کے موقع پر پندرہ سولہ من چاول بمعہ گھی و

شکمہ کی خیرات لازمی تصور کی جاتی تھی۔ اس طرح بیاہ و شادیوں میں اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر بے جا اخراجات کا سامان ہندو مہاجن مہیا کرتے تھے۔ ہندو مہاجن ہر کسی کو سود پر رقم مہیا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ خفیہ طریقے سے اس آدمی کی حیثیت اور ذرائع آمدنی معلوم کر لیتے تھے زیادہ قرضہ زمین کو رہن رکھ کر دیا جاتا تھا۔ جب انگریزوں نے ۱۹۰۰ میں قانون انتقال اراضی بنا کر پیش کیا جس کی رو سے کوئی غیر زراعت پیشہ قوم اراضی نہیں خرید سکتی تھی اور انہوں نے زراعت پیشہ اقوام کا اندراج کیا تو ہندوؤں میں برہمن گوت (ذات) پیشہ کے لحاظ سے کاشتکار نکلی۔ باقی ہندو جو زمین رہن رکھنے کا کاروبار کرتے تھے اور قرض دیتے تھے سب غیر کاشتکار نکلے ان کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا ایک ہندو مہاجن کا قصہ کرنل ولیس بیان کرتے ہیں کرنل ولیس لکھتے ہیں میں نے تحصیل مانسہرہ ۱۲ اگست ۱۸۸۶ء کو معائنہ کرتے وقت لاک اپ میں ایک مسلمان کاشتکار دیکھا جس کو نادہندگی مبلغ دس روپیہ قرض کی خاطر ایک ہندو مہاجن نے ساڑھے چار روپے مقدمہ پر خرچ کر کے ۲ ہفتہ کی سزا دلوادی تھی میں نے سوچا یہ غیر قانونی طریقہ ہے اور اسے آزاد کر دیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کرنل ولیس تاریخ ہزارہ کے مولف ہیں ۱۸۷۲ جب وہ مہتمم بندوبست ہزارہ تھے تو تاریخ ہزارہ مرتب کی کرنل ولیس انگریزوں میں بہت ہر دلعزیز تھے ان کا انتقال لاہور میں ہوا وہیں دفنائے گئے ان کے ماتم میں ہندوستان بھر سے انگریزوں نے آکر لاہور شرکت کی۔

بیع نامہ امرتسر

عہد نامہ فیما بین سرکار انگلیشیہ و مہاراجہ گلاب سنگھ

مرقومہ بمقام امرتسر بتاریخ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء

عہد نامہ ہذا فیما بین سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ رئیس جموں بواسطہ فریڈرک کرے صاحب بہادر بارنٹ و میجر لارنس صاحب بہادر کہ سفارتاً الصاحبانِ ممدوح اختیار کلی در ایں باب از طرف نواب مستطاب معلی القاب رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ صاحب بہادر جی سی۔ بی۔ گورنر جنرل بہادر کہ یکے از مشیرانِ خاص خصور فیض معمور ملکہ معظمہ رفیع الدرجہ انگلستان جلد اللہ ملکہا داز طرف سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر بنا بر انتظام و سرانجام تمامی امور جزو کل ہندوستان مامور اند حاصل شدہ و اصالتاً مہاراجہ صاحب گلاب سنگھ بدفعات تکمیل یافتہ فقط۔

دفعہ اول :- سرکار انگلیشیہ دیار کشمیر و ہزارہ و جمیع ملک کوہستانی کہ جانبیں راوی و سندھ جانب ہزارہ واقع اند بمعہ متعلق آن کوہستان واقع جانب مشرق دریائے سندھ و جانب مغرب دریائے راوی مع علاقہ چمبہ سوائے لاہول منجملہ ملک سرکار لاہور کہ بسرکار انگلیشیہ از روئے دفعہ چہارم عہد نامہ مرقوم نہم ماہ مارچ ۱۸۴۶ء تفویض و تسلیم ساختہ اند بہ مہاراجہ صاحب گلاب سنگھ نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن برائے اولاد ذکور صلبی شان برائے دوام باختیار مستقل عطا نمودند۔

دفعہ دوم :- حدود شرقی علاقہ جات کہ بموجب دفعہ اول ایں عہد نامہ بمہاراجہ گلاب سنگھ مفوض شدہ۔ بتجویز ایں ہا ئے کہ از طرف سرکار انگلیشیہ بمہاراجہ گلاب سنگھ مقرر خواہد شد تعین و تشخیص خواہد یافت و بعد ملاحظہ مندرج اقرار نامہ علیحدہ خواہد شد۔

دفعہ سوم :- مہاراجہ گلاب سنگھ بعوض عطا شدن ملک مندرجہ دفعات مذکورہ الصدر بمہاراجہ موصوف مبلغ ہفتاد و پنج لک روپیہ نانک شاہی بسرکار انگلیشیہ یک مرتبہ خواہد داد۔ یعنی پنجاہ لک روپیہ ہر وقت حسن انعقاد یافتن عہد نامہ ہذا بیست و پنج لک اندرون شش ماہ از تاریخ ہذا فقط۔

دفعہ چہارم :- حدود ملک مہاراجہ گلاب سنگھ بلا استرضائے سرکار انگلیشیہ کا ہے تبدیل و تغیر

نخواہد یافت۔

دفعہ پنجم :۔ احیاناً اگر فیما بین مہاراجہ گلاب سنگھ و سرکار لاہور یا دیگر کدام سرکار قرب و جوار مہاراجہ صاحب موصوف نزاع و تکرار رو دہد مہاراجہ موصوف اقراری نمایند کہ نزاع مذبورہ را پیش اہالی سرکار کمپنی انگریزیہ بہادر رجوع خواہند ساخت و اہالی ممدوح ہر چہ از روئے ثالثی رفع و انفعال خواہند خود مہاراجہ موصوف آں را بالطوع و رغبت قبول و منظور خواہند داشت

دفعہ ششم :۔ مہاراجہ گلاب سنگھ خود از طرف اولاد خود اقراری نمایند کہ وقتے کہ فوج ظفر موج انگریزی در ملک کوہستانی و یا ملکے کہ ملحق علاقہ جات مہاراجہ صاحب موصوف باشد مامور و متعین گردد مہاراجہ موصوف مع کل فوج خود عند الطلب شامل فوج انگریزی خواہند شد

دفعہ ہفتم :۔ مہاراجہ صاحب اقراری نمایند کہ بدون استرضائے و استجازت اہالئ سرکار کمپنی انگریزیہ بہادر کسے از مردمان ولایت انگلستان را یا دیگر مردم فرنگ و از متوطنان امریکہ ملازم و نوکر نخواہند داشت۔

دفعہ ہشتم :۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اقراری نمایند شرائط دفعات پنجم و ششم و ہفتم اقرار نامہ علیحدہ کہ فیما بین سرکار انگلشیہ و دربار لاہور مورخہ یازدہم ماہ مارچ ۱۸۴۶ء زیب توثیق یافتہ درباره ملکے کہ مفوض مہاراجہ موصوف شدہ ملحوظ خواہند داشت۔ فقط۔

دفعہ نہم :۔ سرکار انگلشیہ اعتراف می نمایند کہ امداد مہاراجہ گلاب سنگھ در حفاظت راج و ملک مہاراجہ موصوف از دشمنان بیرونی خواہند کرد فقط۔

دفعہ دہم :۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اقراری نمایند کہ نظر بر علو د عظمت و اقتدار سرکار انگریزی سال بہ سال یک راس اسپ و دوازدہ شاخ بز پشمین قسم اعلیٰ شش مادہ باشد و دو زوج دو شالہ کشمیری بطریق نذرانہ بسرکار انگلشیہ خواہند رسانید۔

ایں عہد نامہ مشتمل بر دہ دفعہ بمہر و دستخط فریڈرک کرے صاحب بہادر و میجر لارنس صاحب بہادر سفارتاً از جانب نواب مستطاب معلی القاب رائٹ آنریبل مسٹر ہنری ہارڈنگ جی۔ سی۔ بی گورنر جنرل بہادر اصالتاً از جانب مہاراجہ صاحب گلاب سنگھ بعد تکمیل مزین گردیدہ۔

مرقوم بمقام امرتسر۔ واقعہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء دستخط :۔ الیف کرے۔



مہاراجہ گلاب سنگھ

بیع نامہ امرتسر کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کو جو صدیوں دیرینہ رشتوں میں منسلک چلے آ رہے تھے درحقیقت سکھوں کی پہلی شکست کے بعد جو معاہدہ انگریزوں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے درمیان ہوا اس میں ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوانِ جنگ ادا کرنے کا اقرار کیا گیا تھا۔ اس رقم میں سے ایک کروڑ روپے کے عوض ملک کوہستان درمیان دریائے بیاس و سندھ جانب ہزارہ مع دیار کشمیر و ہزارہ ہمیشہ کے لئے انگریزوں کو دے دیئے گئے۔ انگریزوں کو اپنی حکومت چلانے کے لئے روپیوں کی سخت ضرورت تھی اس لئے انہوں نے یہ علاقے پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دیئے۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ماں رانی چنداں جس کا اصلی نام جے دیوی تھا بیع نامہ امرتسر کی وجہ سے سخت رنجیدہ ہوئی دو دن تک کچھ کھایا پیا نہیں مایوسی کے عالم میں رانی نے راجہ دینا ناتھ اور فقیر نور الدین کو سر ہنری لارنس اور کرے بارنٹ کے پاس بھیجا کہ اگر یہ ملک مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تو میں لندن میں جا کر استغاثہ دائر کروں گی۔ ان دونوں نے رانی چنداں کو جواب بھیجا آپ لندن تشریف لائیں تو آپ کا گھر ہے مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ جو اقرار ہوا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا بالآخر بیع نامہ امرتسر انگریزوں اور گلاب سنگھ کے درمیان قائم ہو گیا۔

اقرار نامہ علاقہ منادر او کھڑی سے ہزارہ کا تبادلہ

اقرار نامہ فی مابین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ

درباب تبادلہ ہزارہ وغیرہ با علاقہ شرق جہلم

اقرار نامہ فیمابین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ صاحب بہادر و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر بمنظوری دیوان دینا ناتھ و رائے کشن چند معتمداں سرکار لاہور و دیوان جوالا سہائے معتمد و قاضی محکم الدین وکیل مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر بشرط منظوری اہالیان جلیل الشان صدر عالی قدرت بیشگاہ خصور کرنیل سر ہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریذیڈنٹ لاہور دربار تبدیل ہزارہ دپکھلی و کھوڑہ الی حدود مظفر آباد علاقہ مہاراجہ ... نے جہلم با علاقہ سرکار لاہور واقع مشرق دریائے

جہلم طرف جموں بدین شرح است کہ طرفین را منظور و قبول است کہ صاحب عالیشان کپتان ایبٹ صاحب بہادر بصلاح و منفقی کاغذات ملک ہزارہ وغیرہ غربی جہلم دیدہ معاملہ مشخص کردہ معافیات منہا نمودہ یک رقم سالیانہ قرار دادہ بقدر نصف آمدنی رقم ملک محاصل سالیانہ از مشرق دریائے جہلم طرف جموں بعد منہائی معافیات مقرر و معین نمودہ یک حد مستحکم بنابر رفع تکرار و مغالطہ دوام بدین نمط کہ جانب مغرب دریائے جہلم لغایت حدود مظفر آباد و از آنجا از نالہ کو نہار بار آہ کوہستان یعنی از جائے کہ حد حتی الامکان راست شدن تواند و رائے صاحب ممدوح القدر لائق استواری باشد کشیدہ بیک خط تا دریائے سندھ رسانند کہ کدام نوع شک و شبہ در علیحدگی آں ملک باقی نماند۔ بعد ازاں مبادلہ ہر دو ملک شود دگاہے ازیں تجویز و تبدیل ہر دو سرکار را عدول و انحراف نخواہد بود و بر مقبوضہ خود قائم و قابض خواہد ماند۔ واگر احیاناً تکرار روداد بر رجوع و محکمہ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریذیڈنٹ لاہور انفصال خواہد یافت۔ یک نقل ایں اقرار نامہ بدستخط مقران طرفین بدفتر لاہور و یکے بدفتر جموں جناب صاحب ریذیڈنٹ لاہور خواہد ماند فقط تحریر۔ بتاریخ چہار دہم ماہ جیٹھ ۱۹۰۴ء مطابق بست و پنجم ماہ مئی ۱۸۴۷ء روز سہ شنبہ مقام لاہور۔ بمعہ نشان ہر چہار نشان۔

دستخط صاحب کلاں بہادر ہر چار نشانہ۔ دینا ناتھ۔ کشن چند۔ جوالا سہائے محکم دین۔

سکھوں کی ہزارہ میں آمد ۱۸۱۸

۱۸۱۸ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ہزارہ فتح کرنے کے لئے سردار امر سنگھ مجیٹھ کو مقرر کیا ہوا تھا کہ دریں اثنا راجہ ہاشم خان ترک رئیس مانکرائے مکھن سنگھ کاردار کے پاس راولپنڈی پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ تنازعہ کی اصلی وجہ ہاشم خان نے کمال خان ترک کو قتل کر دیا تھا اور محمد خان ترین مقتول کے ورثا کا طرفدار تھا اس نے راجہ ہاشم خان کو بزور طاقت اس کے علاقے سے نکالا ہوا تھا۔ اس وقت دونوں غاصب اور مظلوم کو یہ احساس نہ رہا۔ ان کی آپس کی چپقلش سکھوں کے لئے راستہ ہموار کر دے گی۔

ہزارہ کے مسلمانوں کو ایک نئی مصیبت میں ڈال دے گی ۔ چنانچہ ملکھن سنگھ پانچ سو سواروں کے ساتھ ہزارہ پہنچ گیا ۔ محمد خان ترین پر غالب آکر وہاں اپنا جانشین بخشی سگرا جی مقرر کیا اس وقت ہری پور آباد نہیں ہوا تھا ۔ اس لئے سکھوں نے سرائے صالح میں ایک گڑھی بنائی دوسرے سال ملکھن سنگھ محمد خان ترین کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا اور اس کے ہمراہیوں کو بیچھا چھڑا کر اٹک کے قلعہ میں بھاگ جانا پڑا ۔ جب یہ خبر اٹک کے گورنر سردار حکماں سنگھ چمنی فوجدار نے سنی تو اس نے اپنی فوج کے ساتھ ہزارہ پر حملہ کیا مگر خوانین و رئیسا سے شکست کھائی اور پسپا ہو کر دوبارہ اٹک چلا گیا اور ہزارہ کی گوشمالی کے لئے لاہور سے کمک منگائی جس کا سالار دیوان رام دیال تھا ۔ متحدہ قبائل ترین ، مشوانی، اتمان نے ۱۸۲۰ء میں ناڑہ کے مقام پر اسے شکست دی دیوان رام دیال لڑائی میں مارا گیا اس کے بعد سردار امر سنگھ مجیٹھ ہزارہ بھیجا گیا ۔ یہ بہادر سپاہی تھا اور ملکی معاملات کو اچھی طرح سمجھتا تھا ۔ اس نے حسن سلوک سے رئیسوں کو اپنا بنا لیا تھا ۔ اگر سردار امر سنگھ مجیٹھ زندہ رہتا تو غالباً اپنے آپ کو لائق حکمران ثابت کرتا لیکن یہ علاقہ ناڑہ کے باغی مواضعات کو زیر کرتے ہوئے ۱۸۲۱ء میں خدا بخش خان کڑرال کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ تاریخ پنجاب مصنف کنہیا لال (یہ سکھ عہد کی تاریخ ہے) صفحہ ۴۷۹ میں لکھتا ہے سکھوں نے ایک چال چلی ایک قوم جو رتبہ اور شجاعت کے لحاظ سے دوسری قوموں سے بلند تھی ۔ تمام قومیں اس کے زیر اثر دے دی گئیں ۔ لیکن ان کی یہ چال بھی کامیاب نہیں ہوئی تمام قومیں یک جان ہو کر سکھوں سے لڑنے لگیں ہر آدمی مسلح و مستعد تھا ۔ ان کی تعداد تقریباً پچاس ہزار کے قریب جو پورے ہزارہ میں پھیلے ہوئے تھے ۔ میجر جیمس ایبٹ نے بھی تقریباً اتنی ہی تعداد کا ذکر کیا ہے ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہزارہ میں یکے بعد دیگرے سکھوں کی شکست وہلاکت سے سخت پریشان ہوا اس نے حاکم کشمیر سردار ہری سنگھ نلوہ جس کے متعلق بہت سی شکایات تھیں کی جگہ دیوان موتی رام کو کشمیر کا حاکم مقرر کیا اور اسے لاہور پہنچنے کی تاکید کی ۔ دریں اثنا مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے لڑکے کنور شیر سنگھ اور اپنی ساس مائی سدا کور کو ایک بڑی فوج بمعہ توپ خانہ کرنل الٰہی بخش ہزارہ بھیجا ۔ مائی سدا کور نے محمد خان ترین کو منہ بولا بیٹا بنا لیا اور تربیلا میں ایک گڑھی بنائی

چند دن یہاں قیام کیا گھوڑے ، باز اور معاملہ وصول کر کے واپس لاہور چلی گئی ۔ جیسا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ہری سنگھ نلوہ کو لاہور آنے کی ہدایت کی ہوئی تھی ۔ جب ۱۸۲۱ء میں ہری سنگھ سات ہزار باقاعدہ منظم فوج کے ساتھ براستہ منظفرآباد لاہور جا رہا تھا تو مانگل کے مقام پر جدونوں نے محمد خان ترین کے ساتھ مل کر ہری سنگھ کا راستہ روکا ۔ سردار ہری سنگھ نے نجیب اللہ خان سواتی اور راجہ لال کنور کو وکیل بنا کر بھیجا کہ ان لوگوں سے کہیں سردار ہری سنگھ کو تمہارے ملک سے کچھ غرض نہیں وہ جلد از جلد منگیرہ جانا چاہتا ہے ۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہری سنگھ کو جواب بھیجا سردار بہت دولت اور پشمینہ کشمیر سے لایا ہے ۔ ہم پشمینہ کا محصول اور حق بدرقہ ضرور لیں گے ۔ وکیلوں کی تین بار ناکامی کے بعد سردار ہری سنگھ نے فیصلہ کر لیا کل میرا لشکر اسی راستے سے گزرے گا صبح ہوتے ہی سردار ہری سنگھ نے اپنی فوج کا میمنہ اور میسرہ ترتیب دیا اور مانگل پر حملہ کر دیا ۔ سکھوں کے رہبر اقبال سنگھ نے کمال ہوشیاری اور پھرتی کا مظاہرہ کیا ۔ اس کے زیر قیادت سکھ دیواروں کو پھاند کر مکانوں پر چڑھ گئے جو سامنے آیا اسے قتل کر دیا ۔ اور مکانوں کو آگ لگا دی گئی افغانوں میں بھگدڑ مچ گئی ۔ مانگل جل رہا تھا ۔ آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے ۔ اس جنگ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کئی ہزار زخمی ، ہری سنگھ کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی اور افغان معافی کے خواستگار ہوئے علاقہ جدون پر تاوان جنگ عائد کیا گیا ۔ نواں شہر ، دھمتوڑ ، مانگل اور رجوعیہ کے مکینوں سے ساڑھے پانچ روپیہ فی گھر وصول کیا گیا ۔ ہری سنگھ نے چند روز نواں شہر میں قیام کیا اور ایک گڑھی کی بنیاد رکھی بعد ازاں عازم سفر لاہور ہوا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں تحائف پیش کئے ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت سے قیمتی تحائف کو دیکھ کر بہت خوش ہوا دربار عام میں مانگل کی فتح کی خوشی میں ہری سنگھ کو مبارک باد دی اور ایک کاغذ کا ردی ٹکڑا لے کر اسے پھاڑتے ہوئے بلند آواز سے کہا کشمیر کا حساب یہ کاغذ ہے میں نے مانگل کی فتح کی خوشی میں سردار ہری سنگھ کو بخش دیا ۔

ہری سنگھ نلوہ کا حاکم ہزارہ مقرر ہونا ۱۸۲۲ - ۱۸۳۷

ہری سنگھ نلوہ سکھ سرداروں میں سب سے زیادہ نامور تھا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس سے بہت گرویدگی تھی ۔ یہ شخص بھی رنجیت سنگھ کی طرح گوجرانوالہ میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا وہ

مہاراجہ کے تمام سالاروں میں بہادر اور سب سے زیادہ ہوشیار تھا۔ مشکل مہمات اس کے سپرد کی جاتیں ۱۸۱۸ میں ملتان کی فتح میں زیادہ تر اسی کا حصہ تھا۔ اس کے ایک سال بعد اس نے فوج کے ساتھ کشمیر پر حملہ کیا اور وہاں حاکم مامور کیا گیا۔ اس کی طبیعت انتظام مملکت سے مناسبت نہیں رکھتی تھی وہاں لوگ اس کے برخلاف ہو گئے۔ مجبوراً اسے واپس طلب کرنا پڑا اس کے بعد ۱۸۲۲ میں اسے ہزارہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد پشاور کا حاکم مقرر ہوا ۱۸۳۷ میں قلعہ جمرود افغانوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ وہ اپنی موت تک ہزارہ کا حاکم رہا ضرورت کے تحت اس کی خدمات مشکل مہمات سر کرنے کے لئے مستعار لی جاتیں اس کی غیر موجودگی میں اس کا نائب مہان سنگھ کام چلاتا تھا۔ ۱۸۳۷ میں وہ پشاور کا حاکم مقرر ہوا مگر ہزارہ کا بھی وہ بدستور حاکم تھا۔ مشکل کے وقت اطلاع ملنے پر فوراً حاضر ہو جاتا تھا۔ اور مشکل کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ اس نے ۱۸۲۲ میں ہری پور شہر کی بنیاد رکھی۔ اور ایک قلعہ کشن گڑھ تعمیر کروایا ابتداء میں ہزارہ کا نظم و نسق سنبھالتے وقت اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۱۸۲۳ء میں ناڑہ کے مقام پر ایسی شکست فاش ہوئی خود مہاراجہ کو اس کی مدد کے لئے آنا پڑا اس نے شورشیں ختم کرنے کے لئے قلعوں کا نظام بہتر بنایا سپاہی متعین کئے شورش زدہ علاقوں کا دورہ کیا اور شورشیں ختم کرنے میں عملی حصہ لے کر ان کو رفع کیا۔

جنگ منگلور سنہ ۱۸۲۳ء

ہری سنگھ نلوہ بمقابلہ سربلند خان

ہری سنگھ نلوہ کو ہزارہ کا حاکم ہوتے تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا کہ سربلند خان پلال رئیس شنگڑھی نے ابھی تک ہری سنگھ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ ہری سنگھ کو یہ امید تھی کہ سربلند خان پلال اطاعت قبول کر لے گا۔ لیکن اس کی امید کے برعکس جب اسے اطلاع ملی سربلند خان منگلور میں سکھوں سے بنرد آزما ہونے کے لئے جنگی ساز و سامان اکٹھا کر رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ہری سنگھ نے دیر نہیں کی باقاعدہ دس ہزار فوج کے ساتھ ہری پور سے منگلور کی طرف روانہ ہوا۔ سربلند خان بھی چھ ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا

دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا طرفین کے کافی آدمی مارے گئے سربلند خان کو شکست ہوئی اس جنگ میں قوم لابیال کے جو آدمی سربلند خان کے ساتھ تھے ہری سنگھ کے ساتھ مل گئے سربلند خان خائف ہو کر معہ اپنے اہل و عیال مقام تندولہ بیل گاؤں میں قیام پذیر ہوا وہاں مشوانیوں اور طاہر خیلیوں کا ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کو ساتھ لے کر قلعہ شیرواں پر دھاوا بول دیا۔ سب سکھوں کو قتل کیا اور خزانہ میں جو رقم تھی لوٹی جو تقریباً آٹھ ہزار تھی۔ سربلند خان قلعہ شیرواں غارت کرنے کے لئے موضع سہکی میں آیا سکھوں کے حملہ سے بچاؤ کے لئے اپنے بڑے بیٹے شیر محمد خان کو پچاس سواروں کے ساتھ دروازے کے راستہ پر متعین کیا۔ جب ہری سنگھ نلوہ نے قلعہ شیرواں کی غارت اور سکھوں کی ہلاکت کا سنا تو اسے اس واقعہ سے بہت صدمہ ہوا۔ ہری سنگھ نے قمر الدین قوم لابیال کو اپنا وکیل بنا کر سربلند خان کے پاس بھیجا تاکہ اسے صلح کا پیغام دے لیکن خفیہ طور سے اپنے وکیل کو ہدایت کی کہ وہ سربلند خان کی دفاعی طاقت اس کے ارادوں اور سکونت تک تمام حالات سے آگاہ کرے۔ قمر الدین وکیل کی طرف سے خفیہ ڈائری ملتے ہی ہری سنگھ بمعہ فوج دروازے پہنچ گیا۔ شیر محمد خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ جب سربلند خان نے اپنے بیٹے کی موت کا سنا تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔ سربلند خان نے وکیل قمر الدین قوم لابیال کو پھانسی کی سزا دی اور خود لشکر کے ساتھ شیرواں اور بھلڑہ سے ہوتا ہوا گزر کوٹ قصبہ جا پہنچا وہاں دریائے سندھ کو عبور کر کے تھپنی میں قیام کیا اس طرح ہری سنگھ کی کوشش رائیگاں گئی۔ کہ سربلند خان اس کے ہاتھوں گرفتار ہو۔ ہری سنگھ واپس ہری پور آیا اور شیر محمد خان کا سر کاٹ کر قلعہ ہری پور پر آویزاں کروایا تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ سکھوں نے سردار پائندہ خان ہندوال کے تین پرگنوں۔ کلالی۔ بدہبک اور بھلڑہ پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ پائندہ خان سکھوں سے جنگ کے ذریعہ اپنے پرگنے آزاد کرانے کا منتظر تھا۔ ہری سنگھ پائندہ خان کے اس ارادے سے باخبر تھا لیکن پائندہ خان سے لڑائی لڑنے سے وہ کتراتا تھا۔ اس لئے ہری سنگھ نے ایک نئی پالیسی اختیار کر لی اور پائندہ خان سے کہا کہ وہ سربلند خان کو گرفتار کر کے سکھوں کے حوالے کر دے۔ تو اس کے تین پرگنے اسے واپس مل جائیں گے۔ چار سطروں کے اس خط کا اردو متن درج ہے۔



سردار ہری سنگھ نلوہ۔

مرقوم بمقام کشن گڑھ ۱۸۲۳ء نامہ سردار ہری سنگھ بنام پائندہ خان۔ گرو جی سدا نگہبان ہو۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سربلند خان کو حراست میں لیں۔ اور پیش کر دیں۔ اس کے بدلے میں اپنے پرگنہ واپس لے لیں۔

جواب کا منتظر ہری سنگھ نلوہ (مہر ہری سنگھ نلوہ ۱۱۹۰)

ہری سنگھ کا انتقام

شنگرڈھی کو جلا کر خاکستر کر دیا ۱۸۲۳ء

دراصل یہ لفظ شن گرڈھی ہے جیسا کہ شنکیاری اور شن گلی ہے۔ شن پشتو میں سرسبز جگہ کو بولتے ہیں اور گرڈھی اونچی جگہ یہ لفظ عام بول چال میں شنگرڈھی زبان زد ہو گیا ہے اور آج کل کی یہی مستعمل ہے سربلند خان تنولی کے مسکن شنگرڈھی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا۔ سردار بلند خان نے ابھی تک ہری سنگھ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی جس کی وجہ سے ہری سنگھ نے سربلند خان تنولی کی آبائی جاگیر ضبط کی ہوئی تھی اور اس کو حراست میں لینے کے لئے دور دراز تک رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ تنولی قوم کے دو پتوں پلال اور ہندوال میں قدیم دشمنی چلی آ رہی تھی اس لئے دونوں فریق ایک دوسرے کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے خالی جانے نہیں دیتے تھے ہری سنگھ ان کی آپس کی اس دشمنی سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس لئے اس نے سربلند خان کی گرفتاری کے لئے پائندہ خان کو بھی لکھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا پہلے ہری سنگھ کو تناول کے حالات سے قمر الدین لابیال آگاہ کرتا تھا۔ اس کی پھانسی سے ہری سنگھ رنجیدہ خاطر تھا۔ سکھ شنگرڈھی پر حملہ آور ہوئے تنولیوں نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور راستہ روکا سکھ بجائے لڑنے کے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے اور مکانوں کو آگ لگانی شروع کر دی دیکھتے ہی شنگرڈھی کی پُر رونق بستی آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھی لوگ اپنے اہل و عیال و اطفال کو بچانے کی فکر میں لگ گئے اور چند گھنٹوں میں یہ بستی راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ جب ہری سنگھ کے ہاتھوں سربلند خان کو اپنے مسکن شنگرڈھی جل جانے کا علم ہوا جو دریائے سندھ کے پار چھنی میں مقیم تھا تو اس نے نہایت دکھ بھرے لہجہ میں کہا یہ کیسی اکھڑ بے رحم دل بے درد

قوم ہے جو بستیاں جلاتی اور اجاڑتی ہے ۔ جب چند سال بعد سکھوں سے سربلند خان تنولی کی صلح ہوئی تو انہوں نے شنگرڑھی کے بجائے خان موصوف کو جوڑے پنڈ کی جاگیر عطا کی اور ساتھ یہ شرط بھی عائد کی آپ بجائے شنگرڑی کے جوڑے پنڈ سکونت اختیار کریں سربلند خان تنولی تامرگ جوڑے پنڈ میں قیام پذیر رہے ۔

جنگ ہرناڑہ ۱۸۲۳ء

رئیسان ہزارہ بمقابلہ سردار ہری سنگھ نلوہ

ہرناڑہ دامن کوہ گندگر میں واقع ہے جہاں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی محمد خان ترین (گل ڈھیری) محمد صالح و حسن علی (شُریٰ کوٹ) نے سکھوں کے مظالم سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے سکھوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا آپس میں عہد و پیماں کیا۔ جب یہ خبر سربلند خان کو پہنچی جو چھنی میں قیام پذیر تھا ۔ تو وہ بھی سازو سامان اور اپنے لشکر کے ساتھ باقی رئیسوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ سردار ہری سنگھ بھی شرکا ، جنگ محمد خان ترین صالح محمد و حسن علی، سربلند خان تنولی کا سن کر اپنی باقاعدہ سکھ فوج و ساز و سامان کے ہری پور سے روانہ ہو کر ہرناڑہ پہنچا دونوں فوجیں ایک دوسرے سے بزد آزما ہوئیں۔ صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی لاشوں کے انبار لگ گئے سکھوں کے دو مشہور جرنیل کشن سنگھ اور جمعیت سنگھ بھی مارے گئے ہری سنگھ کے سر پر ایسی شدید چوٹ لگی وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی فٹ دور نیچے کھائی میں جا گرا اور آدھی رات تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب وہ کہیں نظر نہ آیا تو مسلمانوں کو اس کے مرنے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس کی زندگی کے کچھ ایام باقی تھے ۔ اس لئے کھائی ہر کسی سے اوجھل تھی ورنہ وہ ضرور مارا جاتا ۔ آدھی رات اسے ہوش آیا تو رات کی تاریکی میں ہری پور قلعہ میں پہنچا۔ ہری سنگھ نے سکھ جرنیلوں کے مارے جانے اور سکھوں کی شکست کے تمام حالات سے مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور کو فوراً مطلع کیا خبر ملتے ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک بہت بڑی فوج اور توپ خانہ کے ساتھ ہزارہ پہنچا اور کئی روز تک ہری پور میں قیام کیا تاکہ متحدہ قبائل دوبارہ

اکٹھے ہو کر سکھوں پر حملہ نہ کر سکیں ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جاگل اور تربیلا میں کیمپ لگائے موضع جاگل کوہ گندگر کے دامن میں واقع ہے جو سکھوں کے برخلاف حریت پسندوں کا ایک اہم اڈہ تھا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس کیمپ میں سرکشوں کی تادیبی کارروائیوں میں مشغول رہا ۔ جنگ ہرناڑہ میں سکھوں کے ساڑھے چھ سو سپاہی مارے گئے بے شمار اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا ۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید اور متعدد زخمی ہوئے ۔

نوٹ ۔ بعض تواریخ میں دیوان رام دیال کا اس لڑائی میں حصہ لینے اور قتل کا ذکر ہے جو صحیح نہیں ہے ۔

دیوان رام دیال نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا جب مکھن سنگھ کاردار دوسری دفعہ ہزارہ آیا تو محمد خان ترین کے ساتھ لڑائی میں (شاہ محمد) کے مقام پر قتل ہوا ۔ اس کے بعد ہزارہ کے لئے دیوان رام دیال سکھ سپہ سالار مقرر ہوا - ۱۸۲۰ء میں متحدہ قبائل (ترین، مشوانی او تمان) کے ساتھ لڑائی میں ناڑہ کے مقام پر مارا گیا دیوان رام دیال، حکم چند کا پوتا تھا ۔ حکم چند مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام افسروں میں سب سے لائق افسر تھا ۔ یہ شخص ذات کا کھتری تھا (۱۸۰۶ - ۱۸۱۴) جب تک اس کا انتقال نہیں ہوا ۔ تمام سکھ فوج کا یہی سپہ سالار تھا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام فتوحات میں شریک تھا ۔ دوسری جنگ ناڑہ کے مقام پر ۱۸۲۳ء میں سردار ہری سنگھ اور (محمد خان ترین، صالح محمد و حسن علی، سربلند خان تنولی) کے درمیان لڑی گئی ۔ اس جنگ میں سکھوں کو شکست ہوئی ہرناڑہ دامن کوہ گندگر میں واقع ہے زبان زد ناڑہ ہی ہے جہاں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان دو خونریز معرکے ہوئے ۔ یہاں صرف تناول کے حالات پر روشنی ڈالنا مقصود ہے میں ان جنگوں کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ۔ جو بیرون تناول لڑی گئیں ہیں ۔ تنولی جنہوں نے بیرون تناول کسی جنگ میں حصہ لیا ہے ۔ تو اس جنگ کا ذکر صفحات میں آئے گا ۔

پائندہ خان کا قلعہ دربند پر دھاوا، مئی ۱۸۲۴ء

جب سے سکھوں نے پائندہ خان کے تین پرگنوں کلائی ۔ بدنہک ۔ پھلڑہ پر قبضہ کیا اس دن سے پائندہ خان ان پرگنوں کو چھڑانے کی فکر میں تھا خان موصوف یہ سمجھتا تھا سکھ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق پالیسی پر ملک میں عمل پیرا ہیں۔ اس لئے ان سے بات چیت بے معنی ہے ۔ دراصل اول الذکر دو پرگنے پالاوں کے تھے جن پر نواب خان ہندوال نے قبضہ کر رکھا تھا ۔ اور آخر الذکر پھلڑہ پائندہ خان کے بھائی مدد خان کا تھا۔ جس سے اس نے چھین لیا تھا ۔ نواب خان ہندوال کی وفات (عز قابی) کے بعد پائندہ خان ان کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ سکھ سربلند خان کی شکست کے بعد ان پرگنوں کو اپنے تسلط میں کئے ہوئے تھے ۔ اور کسی طرح بھی غیر مشروط پائندہ خان کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں تھے ۔ پائندہ خان نے اپنے پرگنے آزاد کرانے کے لئے سکھوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا حسن زئیوں اور مداخیلیوں کی کمک کے ساتھ اس وعدے پر قلعہ دربند کے اندر جو کچھ ہوگا وہ ان کا مال غنیمت ہوگا۔ قلعہ دربند پر دھاوا بول دیا نگران قلعہ بشن سنگھ مقابلہ کی تاب نہ لاکر قتل ہوا ۔ دو سو سکھ سپاہی مارے گئے قلعہ کے اندر جو مال و اسباب تھا وہ شریک اقوام نے لوٹا اور قلعہ دربند کو مسمار کر دیا دربند بازار کے کھتریوں کو لوٹا جنہوں نے مزاحمت کی قتل ہوئے ان کھتریوں کا گرو بال بھی قتل ہوا اس شخص کا پورا نام گرُودت بال تھا ۔ اس کا خاندان پورے ہزارے میں حکمت کے لئے مشہور تھا ۔ روایت ہے کہ یہ شخص حکمت نہیں کرتا تھا صرف پوجا پاٹ کا کام سر انجام دیا کرتا تھا ۔ لیکن ضرورت پڑنے پر لوگوں کے کام آتا تھا اور اپنی حکمت سے لوگوں کو مستفید کرتا تھا ۔ حسن زئی زندہ کھتریوں کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گئے بعد ازاں فی کس کھتری معقول معاوضہ لے کر ان کو رہا کیا جب سردار ہری سنگھ نے قلعہ دربند کی قتل و غارت کا سنا تو وہ ہری پور سے کافی فوج لے کر دربند پہنچا قلعہ دربند کو دوبارہ تعمیر کروایا اور سپاہی متعین کئے لیکن پائندہ کی تیز و طوفانی یلغاروں کا وہ بھی

صوابی میرا ایں

پائندہ خان کے جمعداروں کی گرفتاری ۱۸۲۴ء

پائندہ خان کے چار جمعدار سید منصور شاہ ۔ عبد الرحمن ۔ ملک کرم داد اور جمعدار عبد اللہ گھوڑوں کا ساز و سامان اور اسباب بار برداری خریدنے کے لئے ہری پور آئے اور انہوں نے سارا دن مطلوبہ اشیاء منتخب کیں اور خریدیں رات بسر کرنے کے لئے وہ صوابی میرا سیدوں کے پاس چلے گئے ۔ سردار مہان سنگھ نے صوابی میرا ایک دستہ بھیج کر اسی روز ان کو گرفتار کر لیا اور یرغمال بنا کر قلعہ کشن گڑھ میں بند کر دیا اس واقعہ سے صوابی میرا کے سید بہت ناراض ہوئے کیونکہ پائندہ خان کے جمعداروں کی گرفتاری ان کے ہاں سے ہوئی تھی ۔ گرفتاری کی اصلی وجہ ہری پور کے کنجروں کی شکایت تھی جو مہان سنگھ کی ضمانت پر پائندہ خان کے رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لئے انب گئے تھے جب شادی ختم ہوگئی تو کنجروں نے واپس جانے کی اجازت چاہی دریں اثناء دو حسین طوائفوں کو ملازمین جھتا کالو اور رحیم گجر نے اپنے نکاح میں لیا۔ تیسری جو زیادہ حسین تھی وہ اکبر علی خان نے اپنے نکاح میں لے لی ۔ اور کنجروں سے کہا کہ آپ کی عورتوں کو باعزت زندگی مل گئی ہے ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے ۔ آپ خوش و خرم جا سکتے ہیں ۔ کنجروں نے بہت شور مچایا لیکن وہاں کچھ داد رسی نہ ہو سکی ۔ بالآخر وہ مایوس ہو کر بے نیل و مرام واپس لوٹے اور مہان سنگھ کے پاس حاضر ہو کر شکایت کی کہ آپ کی ضمانت پر ہم انب گئے تھے انہوں نے ہماری تین لڑکیاں رکھ لیں ہیں باوجود منت سماجت کے واپس نہیں کیں ۔ سردار مہان سنگھ کو اس واقعہ سے دلی صدمہ ہوا چونکہ وہ ذمہ دار تھا لہذا اس نے سوچا اس کا ضرور تدارک و سد باب ہونا چاہیئے۔ جس کے بدلے میں اس نے پائندہ خان کے جمعداروں کو یرغمال بنا لیا۔

مہان سنگھ کی ناکامی

پائندہ خان کا قلعہ قادر آباد پر قبضہ ۱۸۲۴ء

جب پائندہ خان کو اپنے ملازمین کی گرفتاری کی خبر ملی تو اس نے اپنی فوج کے ساتھ قلعہ قادر آباد کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کا مہتمم منیر خان بن حبیب خان برہانی تھا وہ دو دن انتظار کرتا رہا کسی طرح کمک آ جائے لیکن تیسرے دن اس نے قلعہ پائندہ خان کے حوالے کر دیا اور اپنے تمام آدمی قلعہ سے صحیح و سلامت نکال لئے۔

پائندہ خان قادر آباد سے سیدھا کرپلیاں پہنچا کر پلیاں پر قبضہ کرنے کے بعد کلنجر آیا۔ پائندہ خان کے کلنجر آنے سے پیشتر کلنجر کے زمینداروں نے پائندہ خان کی قلعہ قادر آباد اور کرپلیاں پر قبضہ کی خبر سن لی تھی۔ وہ مہان سنگھ کے پاس قلعہ کشن گڑھ مدد لینے گئے ہوئے تھے۔ مہان سنگھ نے حوالدار خیر بخش کی زیر قیادت پچاس سپاہیوں کا ایک چاق و چوبند دستہ کلنجر کے زمینداروں کی حفاظت کے لئے بھیجا کلنجر کے زمینداروں نے اپنے دیہات کی حفاظت کے لئے مورچہ بندی کر لی اور مقابلہ کے لئے تیار بیٹھ گئے مہان سنگھ اس کا بھتیجا موہر سنگھ فوج کے ساتھ قلعہ کشن گڑھ سے کلنجر کے لئے روانہ ہوئے تاکہ پائندہ خان سے جنگ کی جائے۔ مہان سنگھ کی ہدایت پر سردار فتح سنگھ تربیلا کو بھی اپنی جمعیت کے ساتھ مہان سنگھ کے ساتھ شامل ہونا تھا۔ جب بسیار انتظار کے بعد وہ مجوزہ مقام میرایں نہیں آیا تو لامحالہ سکھوں کی فوج صوابی کی طرف روانہ ہوئی صوابی کے سیدوں نے سکھوں پر گولیاں چلانی شروع کر دیں جب دور دراز لوگوں نے سکھوں پر سیدوں کے حملے کا سنا تو وہ لوگ بھی سکھوں کے برخلاف ہو گئے سکھوں نے آپس میں مشورہ کیا حالات کا تقاضا ہے کہ پائندہ خان سے مقابلہ کیا جائے اگر پائندہ خان

سے مقابلہ کرتے ہیں تو شدید جانی و مالی نقصانات کے ساتھ شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت سکھوں کے برخلاف ہے اور مسلمانوں کا ساتھ دے رہی ہے چنانچہ انہوں نے پائندہ خان کے ساتھ جنگ کرنے سے اجتناب کیا اور واپس ہو گئے۔ جب کلنجر کے زمینداروں نے مہان سنگھ کا سنا کہ وہ بہار کوٹ سے قلعہ کشن گڑھ واپس چلا گیا ہے تو انہوں نے پائندہ خان کی اطاعت قبول کر لی اور پچاس سکھ حفاظتی سپاہیوں کو پائندہ خان کے حوالے کر دیا جو پائندہ خان نے حراست میں لے لئے زمینداروں نے آئندہ سکھوں کو معاملہ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

پائندہ خان کے قتل کا منصوبہ ناکام ۵ ستمبر ۱۸۲۴ء

پائندہ خان کلنجر سے صوابی میں آیا صوابی کے سیدوں نے پائندہ خان کو اپنی حمایت کا پورا یقین دلایا اور ہر طرح سے ساتھ دینے کا عہد کیا پائندہ خان کی حراست میں پچاس سکھ سپاہی بھی تھے جو مہان سنگھ کی طرف سے کلنجر کی حفاظت کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ ان زیر حراست سکھ سپاہیوں نے دوران سفر آپس میں مشورہ کر لیا تھا۔ کہ موقع اور محل وقوع مناسب دیکھ کر رات کو پائندہ خان کو قتل کر دیں گے۔ اور خود فرار ہو کر کشن گڑھ پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے ایک نہایت ہی تجربہ کار سکھ سپاہی پیارے سنگھ کو پائندہ خان کے قتل پر لگایا چار دیگر طاقتور سکھ اس کے معاون مقرر کئے رات پائندہ خان کی خواب گاہ کے باہر دو پہرے داروں میں سے ایک کو پیارے سنگھ نے خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا کہ پتہ ہلنے کی آواز تک نہ آئی۔ جب دوسرے پہرے دار پر حملہ ہوا تو اس نے مزاحمت کی اور شور مچایا پائندہ خان کا خدمت گار فوراً جاگ گیا محافظوں نے سکھوں کو قابو کر لیا اس شور و غل میں سب لوگ بیدار ہو گئے۔ پائندہ خان نے سیدوں سے اجازت چاہی اور سکھ سپاہیوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر امب کی طرف روانہ ہوا۔ سکھ ساری عمر ایک دوسرے کو ملامت کرتے رہے کہ پائندہ خان کے قتل کا ایک بہترین موقع ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کیونکہ جب تک یہ شخص زندہ رہا ان کے لئے مصیبت بنا رہا سکھ دوسرے پہرے دار کو صحیح طریقے سے قابو میں نہ کر سکے ورنہ خان موصوف کے قتل میں کوئی دیر

باقی نہ تھی ۔ درحقیقت پائندہ خان کے زندگی کے کچھ دن باقی تھے اس لیے ان سے کوتاہی ہوئی ۔

مہان سنگھ اور پائندہ خان میں صلح ۱۸۲۵ء

مہان سنگھ نے پائندہ خان کے چار جمعداروں کو جو قلعہ کشن گڑھ میں قید تھے رہا کر دیا اس کے بدلے میں پائندہ خان نے بھی دو کے سوا باقی ۴۸ سکھوں کو جو اس کی حراست میں تھے رہا کر دیا۔ دو سکھ جو پائندہ خان قتل منصوبے کے محرک تھے ان کو پھانسی کی سزا دے دی گئی تھی۔ سردار پائندہ خان کے سوتیلے بھائی علی اکبر خان نے ایک نقری گھوڑا اور ایک باز از خدمت مہان سنگھ پیش کیا مہان سنگھ نے ایک خلعت علی اکبر خان کو دی اور دو طلائی خلعت پائندہ خان کے لئے بھیجیں مہان سنگھ اور پائندہ خان کی کشیدگی کم ہوئی تو لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی کاروبار جو چند ماہ سے بند پڑا تھا ۔ دوبارہ بحال ہوا۔ درحقیقت ہزارہ میں سکھوں کا عہد بدامنی کا عہد تھا اس عہد میں کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا لوگوں کو امید تھی درانیوں کی نسبت جن کے عروج کا زمانہ ختم ہو چکا تھا سکھ اچھے ثابت ہونگے ۔ مگر سکھوں نے ہزارہ کے لوگوں کو ایسا پیا جس کی کبھی پہلے مثال ملنی مشکل ہے ۔ تناول پر انھوں نے سکھا شاہی مسلط کرنے کی کوشش کی تو پائندہ خان ان کی راہ میں آکھڑا ہوا جس نے نامساعد حالات کے باوجود سکھوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پورے تناول پر سکھوں کا قبضہ نہیں ہونے دیا ۔

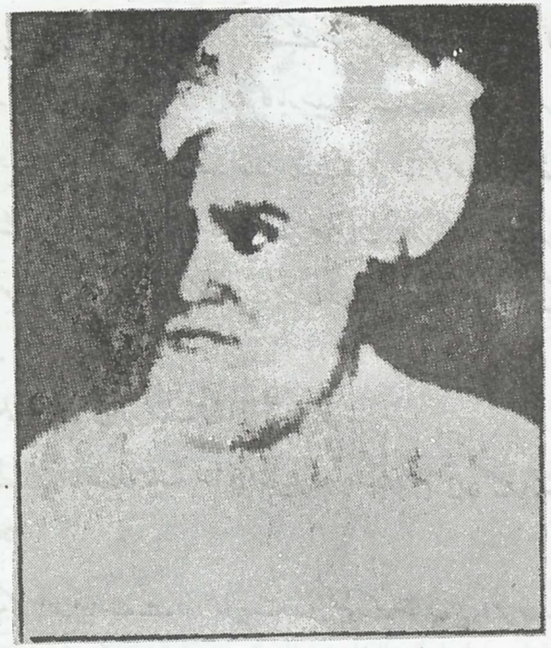
پائندہ خان کا تربیلہ پر شب خون ۱۸۲۶ء

پائندہ خان بمعہ جمعدار ہمند اور رحمر ڈا پانچ سو پیادہ اور دو صد سواروں کے ہمراہ پہلے بھکر کوئی آیا وہاں سے تیز طوفان کی طرح چند ڑر اور گندف سے ہوتا ہوا سیدھا تربیلہ پر جا شب خون مارا لوگ محو خواب تھے جو جاگے وہ مقابلے کے لئے نکلے لیکن تاب نہ لاکر فرار ہوتے مقابلہ کرتے ہوئے ایک شخص جہانگیر گجر مارا گیا۔ قلعدار فتح سنگھ تین سو سکھ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ تربیلہ میں موجود تھا جب انہوں نے پائندہ خان کے حملے کا سنا تو خاموشی سے پڑے رہے ایک سپاہی بھی مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلا اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حملہ آوروں نے بہت سا مال و اسباب لوٹا چند مسلمان اور ہندو عورتوں کو بھی قیدی بنا کر اپنے ساتھ امب لے گئے سوائے ایک عورت باقی تمام عورتوں کو ایک جرگہ کی وجہ سے رہائی ملی جو حمید خان اور دولہ خان ساکنان کھبل و گیا پر مشتمل تھا کھترانی مسمات دہی جو نہایت حسین و جمیل تھی ایک ہندو بنام جواہر کے ساتھ بیاہ دی گئی جو مسلمان ہو گیا تھا ۔ پائندہ خان نے مانسہرہ ، شنکیاری اور حسن ابدال تک سکھوں پر شبخون مارے وہ مال غنیمت کے ساتھ سکھوں کو بھی پکڑ کر لے جاتا تھا پھر ان سے بھاری معاوضہ لے کر چھوڑتا تھا۔ پائندہ خان کی دہشت کا یہ عالم تھا اس کا نام سنتے ہی سکھ اپنا کام کاج چھوڑ دیتے تھے ۔ اور کانپنے شروع ہو جاتے تھے ۔ پائندہ خان نفسیاتی طور سے ان پر حاوی تھا جس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے ۔ سکھوں کی ایک بری سی عادت یہ تھی وہ راہ چلتے آدمی کو پکڑ لیتے اور بگار پہ لگا دیتے تھے۔ جب تک کام ختم نہیں ہوتا وہ اس کو نہیں چھوڑتے تھے ۔ ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی ۔ خواہ کسی کا باپ ہی کیوں نہ فوت ہو گیا ہو اور وہ اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دینے جا رہا ہے یعنی جبری مشقت کا ایک نہایت

ہی ظالمانہ دور تھا۔ ایک دفعہ راہ چلتے دو بھائیوں کو سکھوں نے پکڑ کر درخت کاٹنے پر لگا دیا
تیسرا بھائی جو کچھ فاصلے پر ان کے پیچھے آرہا تھا وہ سب کچھ دیکھ کر اوٹ میں چھپ گیا تھوڑی
دیر گزری تھی ایک راہ گیر گھوڑے پر سوار اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ پہلے آدمی نے اسے روکا
آگے مت جانا سکھ بیگار لے رہے ہیں اور راہ گیروں کو پکڑ رہے ہیں سوار بولا یہ کون سی بڑی بات
ہے ابھی سب کو بیگار سے آزاد کرا دیتا ہوں ۔ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے تیزی
سے بلند آواز میں پکارتے ہوئے کہ پائندہ خان آگیا ہے سکھوں کو پکڑ رہا ہے" وہاں سے گزرا
جہاں بیگار لی جا رہی تھی۔ پھر کیا تھا سکھوں نے دیر نہیں کی سب بھاگ گئے اور قلعہ کشن گڑھ
پہنچ کر دم لیا سب بیگاری ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے سب نے کہا یار یہ تو کوئی فرشتہ انسان
تھا۔ جس نے ہماری جان جبری بیگار سے آزاد کرائی ہے۔

تحریک جہاد، سید احمد شہید کی صوبہ سرحد میں آمد ۲۱ نومبر ۱۸۲۶ء

سید احمد شہید کی پیدائش شاہ ولی اللہ کی وفات کے ۴۳ سال بعد ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی کے ایک
خدا پرست سادات گھرانے میں ہوئی انہوں نے چند سال شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی
سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ علم کے مقابلے میں طبیعت کا رجحان زیادہ پہلوانی اور سپہ گری کی طرف
مائل تھا۔ اس لیے نواب امیر خان والئ ٹونک کی رفاقت اختیار کی جو راجپوتانہ کے ایک طاقت ور
ترین سرداروں میں سے ایک تھا تقریباً سات سال نواب ٹونک کی فوج میں رہے۔ اس دوران
جنگ کا عملی تجربہ حاصل کیا کیونکہ نواب غیر مسلم ریاستوں کے برخلاف لڑائی میں مشغول رہتا تھا۔ سید
صاحب چاہتے تھے کہ امیر خان کو بھی اسلامی سلطنت کی بحالی کے لئے جہاد پر لگائیں۔ جب امیر خان
والئ ٹونک نے انگریزوں سے صلح کر لی تو سید صاحب ان کی ملازمت چھوڑ کر دہلی چلے آئے اور
خود ہی مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کرنے کی تحریک جاری کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ان
کے پاس مجاہدین کی ایک خاصی بڑی جماعت جمع ہو گئی۔ انہوں نے جہاد شروع کرنے سے پیشتر
حج پر جانے کا فیصلہ کیا سید صاحب کے زمانے میں بعض علماء نے فریضہ حج کے بارے میں
فتویٰ دیا ہوا تھا کہ سمندر کے راستے فرنگیوں کو لوٹ مار کے باعث سفر خطرناک بن گئے ہیں۔ اس



حضرت سید احمد شہید
جنہوں نے صوبہ سرحد میں تحریک جہاد شروع کی۔

لئے حج ضروری نہیں رہا۔ شاہ اسمٰعیل، مولانا عبدالحی اور شاہ عبدالعزیز نے عالمانہ انداز میں اس فتویٰ کا جواب دیا۔ سید صاحب نے اس فتویٰ کو عملاً غلط ثابت کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔ ہندوستان میں ہر طرف اس مضمون کے خطوط بھجوائے کہ میں حج کو جا رہا ہوں جو مسلمان یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جائے خرچہ پاس نہ ہو تو کوئی پرواہ نہیں میں خرچہ کا انتظام کروں گا۔ چنانچہ ساڑھے سات سو مردوں اور عورتوں کو لے کر وہ حج پر روانہ ہوئے سفر کے لئے جہاز کرائے پر لئے گئے کھانے پینے کے انتظامات اور کرائے پر تیس ہزار سے کچھ زیادہ رقم خرچ ہوئی اس کل رقم کا بار سید صاحب نے خود اٹھایا۔ فریضہ حج سے واپسی کے بعد سید صاحب نے اپنے اصل مقصد نفاذ شریعت بذریعہ جہاد کی طرف قدم اٹھایا ہندوستان میں جتنے آزاد علاقے تھے ان میں سے جو مقام سب سے بڑھ کر ان کو نظر آیا وہ صوبہ سرحد تھا اس لئے سید صاحب نے صوبہ سرحد کو منتخب کیا ان کا انتخاب ہر لحاظ سے بہتر اور موزوں تھا اس کی چند بڑی وجوہات درج ہیں۔

١۔ اکثریت مسلمانوں کی تھی اور جنگ جو قبائل پر مشتمل تھی۔

٢۔ اس علاقے کے ساتھ دور تک اسلامی آبادیاں اور اسلامی حکومتیں تھیں جن سے ہر قسم کی مدد لی جا سکتی تھی

٣۔ مقابلہ پنجاب کی سکھ حکومت سے تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقابلے میں اتنی طاقتور نہیں تھی

٤۔ صوبہ سرحد برِاعظم کے ایک کونے میں محفوظ مقام تھا جہاں دشمن سے مقابلہ آسان تھا شروع میں سید صاحب کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہر طرف دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

١٧ جنوری ١٨٢٦ء کو سید احمد شہید کی رائے بریلی سے بغرض جہاد روانگی۔

• سید صاحب نے ساڑھے پانچ سو مجاہدین بغرض جہاد اپنے ساتھ جن لئے گھر میں دس ہزار روپے تھے۔ جس میں ۵ ہزار گھر میں خرچہ کے لئے چھوڑ دیا اور ۵ ہزار اپنے ساتھ لے لیا سید صاحب براستہ جہاں سے گئے وہ مقامات درج ہیں۔

رائے بریلی ← گوالیار ← ریاست ٹونک ← اجمیر ← حیدرآباد (سندھ) ← پیر گوٹھ

کابل ← غزنی ← قندھار ← افغانستان ← کوئٹہ ← شکارپور

کابل میں ڈیڑھ ماہ قیام کیا۔ پیر گوٹھ میں کچھ دن قیام کیا اور پیر صبغت اللہ بانی تحریک سے ملاقات کی۔

٢١ نومبر ١٨٢٦ پشاور پہنچے تین دن پشاور .... چارسدہ کے مقام سے یکم دسمبر ١٨٢٦ء کو جہاد کا اعلان کیا۔

حملے کی ابتداء

سید احمد شہید کا اکوڑہ خٹک پر شبخون ٢٠ دسمبر ١٨٢٦ء

سید احمد شہید کے سرحد میں پہنچنے کے ایک ماہ بعد وہ نوشہرہ میں آئے اور سکھوں پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا۔ اکوڑہ خٹک میں سکھوں کا لشکر موجود تھا جس کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی سید صاحب نے اپنے جانثاروں میں سے دو سو سولہ جانثار چنے ان کے ساتھ چھ سو پٹھان شامل ہو گئے۔ جنہوں نے ٢٠ دسمبر ١٨٢٦ء کو اکوڑہ خٹک میں سکھوں پر شبخون مار اور گھنٹوں میں سات سو سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اکوڑہ خٹک کے کامیاب شبخون کا سنتے ہی پٹھانوں کے جتھے شوقِ جہاد میں سید صاحب کے پاس پہنچنے لگے دو ماہ میں ایک لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا۔ رئیسوں میں زیدہ، ہنڈ، پنجتار پیش پیش تھے۔ ہنڈ میں جمع ہو کر ہزاروں لوگوں اور علماء نے سید احمد شہید کو امام جہاد بنا دیا بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر پشاور کے بارک زئی سردار یار محمد خان اور سلطان محمد خان بھی سید صاحب کے ساتھ ہو گئے۔

سید احمد شہید کی
بارک زئی سرداروں سے کشمکش

سیدو کے مقام پر سکھوں اور مجاہدین کے درمیان جنگ ہوئی یار محمد خان بظاہر سید احمد شہید کے ساتھ تھا لیکن خفیہ طور سے سکھوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ جنگ سے ایک روز قبل سید احمد شہید کو زہر دلا دیا گیا وہ موت کے منہ سے تو بچ گئے لیکن کچھ عرصہ زہر کے اثرات زائل ہونے میں لگ گیا۔ جب میدان کارزار میں سکھوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو یار محمد خان اور اس کا بھائی سلطان

محمد خان اپنے لشکروں کے ساتھ میدان سے رفو چکر ہو گئے۔ اس جنگ میں صاحبزادہ گدڑی نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی جن کی قبر شیدو میں ہے۔ جب سید احمد شہید کو صحت نصیب ہوئی۔ تو انہوں نے بنیر، سوات اور دوسرے علاقوں کا دورہ کیا اور پٹھانوں کو جہاد میں شامل ہونے کی تلقین کی۔ اس عرصہ میں بارک زئی سرداروں نے ان کے برخلاف کمر بستہ ہونے کا اتفاق کر لیا۔ اور انکی ہر تدبیر اور کارروائی میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں۔

سید احمد شہید نے پنجتار کو اپنا مرکز بنالیا جو ایک محفوظ مقام تھا وہ ایک سال تک وہاں ٹھہرے رہے زیدہ کی لڑائی میں یار محمد خان مارا گیا اس کے بعد سلطان محمد خان نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ سید صاحب پر حملہ کیا مایار کے مقام پر سلطان محمد خان کو شکست ہوئی سید احمد شہید نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ ارباب فیض اللہ خان تاتار خانی نے ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے دونوں فریقین کے درمیان صلح کرائی۔ سید صاحب نے پشاور اور باقی علاقے سلطان محمد خان کو اس شرط پر واپس کر دیئے کہ وہ نظام شریعت کے مطابق حکومت چلائے گا اور جہاد میں ضرورت پڑنے پر مجاہدین کو مدد فراہم کرے گا۔ ارباب فیض اللہ خان تاتار خانی کو سلطان محمد خان نے صرف اس لئے قتل کرا دیا تھا کہ وہ سید احمد شہید کا ایک نہایت مخلص ساتھی تھا حالانکہ اس نے سلطان محمد خان کو پشاور واپس دلایا تھا۔

تنولی سرداروں کی سید احمد شہید کے ہاتھوں بیعت ۱۸۲۷ء

ہری سنگھ نے سر بلند خان تنولی کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی اور اس کی گرفتاری کے لئے بے چین تھا تاکہ دوسرے باغی عناصر کو یہ باور ہو جائے کہ سکھوں کے برخلاف ان کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں اور سازشی باقیات کا اب کوئی وجود سرگرم عمل نہیں رہا۔ سر بلند خان ہرناڑہ کی لڑائی کے بعد عارضی طور پر چھبنی میں مقیم تھا۔ ہری سنگھ اپنے مخبر کی اطلاع پر اسے گرفتار کرنے شنگرڑھی آیا لیکن ناکام رہا اور انتقامی طور پر شنگرڑھی کو راکھ کا ڈھیر بنا کر چلا گیا۔ سر بلند خان کو ہر طرف سے اپنی جان کا خطرہ تھا اس لئے وہ کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ بہتری اس میں ہے پنجتار میں سید احمد شہید کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کی سعادت

اس سے پہلے دو جانوادے سردار مدد خان برادر پائندہ خان اور عباس خان بھی سید صاحب کے ہاتھوں بیعت ہو چکے تھے تناول کے بے شمار لوگوں نے سید صاحب کا ساتھ دینے کا عہد کیا تناول کے دیگر سرکردہ ممتاز حضرات بھی پنجتار پہنچ کر سید صاحب کے ہاتھوں بیعت ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ سردار سر بلند خان (شنگرڑھی) ۲۔ مدد خان (بھلاڑہ) اپنے بھائی پائندہ خان کے ہاتھوں پرگنہ بھلاڑہ سے بے دخل تھا۔ ۳۔ عباس خان (چھوہار) ۴۔ فیض علی خان (چھوہار) ۵۔ نواب خان (شنگرڑھی) ۶۔ گاموں خان (ڈگوتری) ۷۔ جمعدار نادر خان (چھبر ہارڑی) اس کے علاوہ ہزارہ کے جدون، مشوانی، طاہر خیلی، ڈھونڈ، ترین قبائل علاقہ کے لوگ بکثرت بیعت ہوئے جب ان کی افرادی قوت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے دور دراز دوسرے قبائل کو بھی بیعت ہونے کی دعوت دی۔

سردار ہری سنگھ بمقابلہ پائندہ خان ۱۸۲۷ء

پائندہ خان کے تدارک کے لئے سردار ہری سنگھ، راجہ سپیت سنگھ، سردار کسیرا سنگھ ایک بڑی فوج کے ساتھ تناول میں آئے اور بھلاڑہ کے مقام پر کیمپ لگایا۔ پائندہ خان بھی بھینگڑہ پہاڑ کی چوٹی سے جو اس کی پرانی ایڈوانس پوسٹ تھی فوج کے ساتھ نیچے اتر کر ہری سنگھ کی فوج کے بمقابل صف آرا ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے اس چوٹی سے دور دراز چاروں اطراف دشمن پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی سردار ہری سنگھ نے چند دن انتظار میں گزار دیئے کہ پائندہ خان صلح و سلامتی کی بات کرے تاکہ وہ کشت و خون کئے بغیر واپس ہو جائے۔ لیکن پائندہ خان اپنی جگہ مطمئن و متکبر تھا کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا اس نے حکم دے رکھا تھا راستے میں سکھوں کا کوئی راہگذر دیکھیں تو اسے قتل کر دیں۔ جو کوئی ایک سکھ سپاہی کا سر کاٹ لائے گا وہ بیس روپے انعام کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ اس خوف و ہراس کے باعث تمام راستے بند ہو گئے آمد و رفت رک گئی۔ غلہ اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء کی فراہمی بند ہو گئی۔ سکھوں کے فوجی [illegible]

قلتِ اجناس کے پیشِ نظر سردار کسیرا سنگھ اور راجہ سنجیت سنگھ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے سردار ہری سنگھ نے دونوں کی مرضی کے مطابق پائندہ خان سے صلح کی بات چیت شروع کی اور اپنا کیمپ وہاں سے اٹھالیا۔

سید احمد شہید کی پائندہ خان کو بیعت ہونیکی دعوت اور ملاقات ۱۸۲۸ء

آپ نے دُور دراز اور قرب وجوار میں دوسرے معتبرین کی طرح پائندہ خان کو بھی ایک خط روانہ کیا اور بیعت ہونے کی دعوت دی کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ اور میرے وزیر بن جاؤ میں بعد ازاں خلافت تم کو دے دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوب کام چلے گا۔ اس طرح جانشینی کا بھی اچھا انتظام ہو جائیگا۔ پائندہ خان نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا جب چند ماہ گزر گئے اور پائندہ خان سید احمد شہید کی دعوت پر پنجتار خود نہ گیا تو سید احمد شہید خود شاہ اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ عشرہ میں آگئے۔ پائندہ خان نے نہایت عزت واحترام سے دونوں سیدوں کو خوش آمدید کہا۔ ملاقات کے اس خوش کن موقعہ پر فریقین نے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا سید احمد شہید نے پائندہ خان کو وعظ و پند و نصائح و شرعی دلائل سے بیعت کی دعوت دی اور وزارت عظمیٰ کے عہدہ کی پیش کش کی پائندہ خان خاموشی سے سید صاحب کی باتیں سنتا رہا اور کسی مثبت ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ جب پائندہ خان نے سید صاحب کی دعوت پر بیعت نہ کی تو سید صاحب کو بہت دکھ وملال ہوا پیچ وتاب کھاتے ہوئے واپس پنجتار چلے گئے اور پائندہ خان پر کفر کا فتویٰ لگادیا۔

تناول پر سید احمد شہید کا قبضہ
جنگ کنہڑی مجاہدین مابین پائندہ خان ۱۸۲۸ء

پائندہ خان پر کفر کا فتویٰ لگتے ہی اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ ہوا حملہ کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا گیا اس لشکر میں پائندہ خان کا سگا بھائی مدد خان ہم قومی بھائی سربلند خان وعباس خان رئیس پنجتار سردار فتح محمد خان شامل تھے۔ پائندہ خان پر اچانک حملہ کی

تحریک کا محرک پائندہ خان کا بھائی مدد خان بیان کیا جاتا ہے۔ جس نے سید صاحب کو اپنے بھائی کے ہاتھوں اپنی تباہی وبربادی کی المناک داستان سنا کر آمادہ جنگ کیا سید صاحب نے تمام داستان سننے کے بعد مدد خان سے وعدہ کر لیا تھا تمہارا چھینا ہوا علاقہ تمہیں واپس دلاؤں گا۔ مجاہدین کا لشکر پنجتار سے روانہ ہو کر منازل طے کرتے ہوئے کنہڑی کے میدان میں صف آرا ہوا پائندہ خان اچانک اس ناگہانی حملے سے بالکل بے خبر تھا بہر کیف۔ جو موجود فوج تھی بمعہ جمعدار رحمرٹا اور مہندا جنگ کرنے کے لئے آموجود ہوا۔ دونوں طرف سے بہت آدمی مارے گئے اور متعدد زخمی ہوئے اس جنگ میں مجاہدین نے بہت مردانگی دکھائی اور خوب جم کر لڑے پائندہ خان کو شکست ہوئی۔ پائندہ خان بمعہ اہل وعیال واسباب فرار ہو کر براستہ بانڈی شمدھڑہ اگرور میں قیام پذیر ہوا دوسرے دن سید صاحب امب میں تشریف لائے لوگوں نے سید صاحب کا نہایت شاندار طریقے سے استقبال کیا اور خوشیاں منائیں گئیں۔ سید موصوف نے وعظ اور تقریر کی لوگ مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ تناول پر سید صاحب کی حکومت چھ ماہ کچھ ایام رہی محصول ایک فصل کا وصول کیا لوگوں نے سید صاحب کو یقین دلایا اب ہمارا کوئی واسطہ پائندہ خان سے نہیں ہے پائندہ خان جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اگرور میں مقیم تھا اگرور سے نکل کر ڈیرہ میں آگیا اگرور کے خان عبدالغفور خان نے پائندہ خان کے قیام کے تین چار روز بعد رات کو پائندہ خان کے آدمیوں کو قتل کر کے پائندہ خان کی بہن کو اپنے نکاح میں لینے کا منصوبہ بنایا لیکن یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اور قبل از وقت منکشف ہو گیا۔ پائندہ خان کی بہن جس کی منگنی پائندہ خان کے والد نواب خان نے خود کی تھی نواب خان کے مرنے کے بعد پائندہ خان اسے نکاح کر کے نہیں دے رہا تھا۔

جنگ پھلڑہ ۱۸۲۹ء
مجاہدین مابین ہری سنگھ

ہری سنگھ مانسہرہ میں تھا اور تناول جانے کی تیاری کر رہا تھا تاکہ تناول کے مشرقی

علاقہ پر حملہ کر کے اس علاقہ پر قبضہ کرے چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر سید صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی احمد علی کو برائے پیشگی حفظِ ماتقدم پانچ سو مجاہدوں کا ایک دستہ دے کر بھلڑہ روانہ کیا۔ مولوی احمد علی کی راہنمائی کے لئے سربلند خان، عباس خان اور مدد خان کو ساتھ روانہ کیا تاکہ ہری سنگھ کا راستہ روکا جا سکے یہ لشکر آکر دریائے سرن کے مغربی کنارے مورچہ زن ہوا مانسہرہ سے ہری سنگھ، مہان سنگھ اپنی چار ہزار تربیت یافتہ فوج بمعہ توپ خانہ جدید جنگی ساز و سامان کے ساتھ چل کر دریائے سرن کے مشرقی کنارے پہنچا اور بھلڑہ کے راستے کے بالمقابل صف آراء ہوا۔ دونوں طرف سے لڑائی کا آغاز ہوا یہ لڑائی دریائے سرن کے کنارے اور دامن میں ہوتی رہی دو مرتبہ مہان سنگھ پسپا ہوتے ہوتے بچا اس پسپائی کو دیکھ کر سردار ہری سنگھ غصہ میں آگیا اور مہان سنگھ پر برس پڑا اور خود کمان سنبھال لی۔ سکھوں کے غالب آتے ہی مجاہدین کو دریائے سرن سے ہٹنا پڑا۔ جب مجاہدین کو ہٹنا پڑا تو انہوں نے لڑائی کو کھلے میدان میں پہنچا دیا یہاں وہ سکھوں کی توپوں کی زد میں تھے۔ کسی ایک کا بچنا بھی محال تھا اس خطرناک صورتحال کو دیکھ کر تینوں راہنماؤں نے مولوی احمد علی کو مشورہ دیا۔ آج جنگ مناسب نہیں ہے ہم سکھوں کی زد میں ہیں جب تک ہم لڑائی کی سمت تبدیل نہیں کرتے ہم کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ راہنماؤں کی مرضی تھی کچھ وقت کے لئے لڑائی بند کر دی جائے پورے لشکر کو توپوں کے نرغے سے بچایا جائے۔ الغرض مولوی احمد علی نے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔ اور کہا ہم دور دراز سے یہاں جہاد کرتے آئے ہیں اور جنگ جاری رکھیں گے۔ پھر ان راہنماؤں نے کہا آپ ہمیں ایک تحریر لکھ دیں۔ ہم آپ کو مشورہ دے رہے تھے اور آپ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا۔ چنانچہ مولوی احمد علی نے تحریر لکھ دی۔ اور وہ تینوں راہنما لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے اور مولوی موصوف کا نوشتہ محفوظ کر لیا تاکہ مولوی کے خون کی تہمت ان پر نہ آئے جنگ بھلڑہ کا انجام نہایت ہی افسوسناک ہوا۔ سکھوں کے نرغے میں آئے ہوئے پانچ سو مسلمانوں میں سے دو شمشیر زن

سامنے جو آیا انہوں نے اسے عدم کا نشانہ بنایا جب سکھوں نے ان بہادر شمشیر زن جرارں کو بندوق کی گولیوں سے ہلاک کرنا چاہا تو سردار ہری سنگھ نے بلند آواز اپنی فوج سے کہا خبردار ایسے جرار شیروں کو گولی نہ ماری جائے نہ بھالے سے زخمی کیا جائے جسے جرأت ہو تلوار کا وار کرے۔ ان مجاہدوں کو لڑتے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی جو بھی تازہ دم سکھ لڑنے کے لئے آیا وہ بچ کر نہیں گیا۔ آخر کار ایک مجاہد مقابلہ کرتے ہوئے ایک سکھ کی تلوار سے زخمی ہو کر گر پڑا اور جام شہادت نوش کیا دوسرا جو تنہا رہ گیا تھا اس کے قبضہ سے تلوار نکل گئی تو اس نے اچھل کر سکھ کو قابو کر لیا۔ اس کے گلے کو ایسا کاٹا کہ سکھ تلملا کر رہ گیا اسی کش مکش میں سکھ کی تلوار کاری زخم دے گئی اور اس مجاہد نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ جنگ اختتام پذیر ہوئی تو تینوں راہنماؤں نے سید احمد شہید کی خدمت میں پیش ہو کر جنگ کی تمام سرگزشت سنائی۔ اور مولوی احمد علی کا دستخط شدہ نوشتہ پیش کیا۔ اور کہا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ سید صاحب نے اپنے بھتیجے کا بہت افسوس کیا۔ اس جنگ میں مولوی احمد علی کے علاوہ دوسرے شہدا کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ کریم بخش سہارنپوری، امام خان سہرامی، فیض اللہ بنگالی، شیخ برکت اللہ گورکھپوری، میر فیض علی گورکھپوری، مولوی محمد حسین رامپوری، امیر احمد بہاری، محمد خان خیر آبادی، سید عبدالرزاق نگرامی، رحیم بخش جراح، مرزا عبدالقدوس کشمیری۔

پائندہ خان کی ہری سنگھ سے امداد کی درخواست ۱۸۳۰ء

پائندہ خان گردش زمانہ سخت مشکلات سے دوچار تھا اور بے سر و سامانی کی حالت میں بھٹک رہا تھا باپ کی نصیحت کے مطابق بخوف وہ کسی سے ملاقات نہیں کرتا تھا کہ رواں زندگی کا کہیں چراغ گل نہ ہو جائے گرد و پیش میں کوئی ایسی مسلمانوں کی ریاست نہیں تھی جہاں سے وہ امداد حاصل کر سکتا ہو۔ ملک میں ایک طویل عرصہ کی خانہ جنگی کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمانوں کی چھوٹی ریاستیں تو بالکل ختم ہو گئی تھیں۔ سکھوں نے ان پر قبضہ کر لیا تھا وہ اب سکھوں کے جاگیردار تھے۔ پائندہ خان جب بھی سوچ بچار کرتا تھا تو اپنے سامنے

دو ہی راستے پاتا تھا اول یہ کہ ہمیشہ کے لئے اپنی آبائی ریاست کی ملکیت سے دست بردار ہو جائے جو اس کے لئے ممکن نہیں تھا ۔ دوئم یہ کہ بذریعہ طاقت اپنی ریاست کو حاصل کرے پائندہ خان کو یہ بھی معلوم تھا ۔ اگر وہ سکھوں سے طاقت حاصل کرے گا تو وہ اسے غیر مشروط طاقت نہیں دیں گے وہ ہر طرف ذہن دوڑاتا تھا لیکن کچھ بن نہ پاتا تھا ۔ مجبور تھا اس لئے سردار ہری سنگھ کو ایک خط لکھا اور امداد کا طالب ہوا۔ سردار ہری سنگھ اس وقت قلعہ مانسہرہ میں مقیم تھا جب وہ خط سردار ہری سنگھ کی نظر سے گذرا تو وہ بہت خوش ہوا کہ دونوں مسلمان ہیں اور دونوں دشمن ہیں جب یہ آپس میں لڑیں گے تو سکھوں کو فائدہ پہنچے گا۔ سید احمد شہید ملک تناول فتح کر چکا ہے اور آئندہ پکھلی پر ہاتھ ڈالے گا جو سکھوں کے لئے سودمند نہیں ہے ۔

سردار ہری سنگھ نے قلعہ مانسہرہ سے پائندہ خان کو جواب بھیجا کہ خان غمگین مت ہو مجھے کمک بھیجنے میں کوئی انحراف نہیں ہے لیکن بات صاف کرتا ہوں کل کا کوئی اعتبار نہیں ۔ اپنے بیٹے جہاں داد خان کو میرے پاس بھیج دے یقین کے ساتھ کہتا ہوں جب وہ یہاں آجائے گا اسی وقت فوج بھیج دونگا ۔ اگر اپنے بیٹے کو نہ بھیجا تو پھر کوئی فوج نہیں آئے گی پائندہ خان نے اپنے بیٹے جہاں داد خان کو اپنے چند معتبرین کے ساتھ رات کو ہری سنگھ کے پاس قلعہ مانسہرہ میں پہنچایا اس طرح جہاں داد خان کو یرغمال بنا کر پائندہ خان نے سکھوں سے امداد حاصل کی۔

سردار ہری سنگھ نے جہاں داد خان کے آتے ہی دو پلٹن جنگی ساز و سامان سے لیس پائندہ خان کی مدد کے لئے روانہ کیں ۔ زمانے کے نشیب و فراز میں پائندہ اپنے سخت ترین دشمن سکھوں کا دست نگر ہوا اسی طرح جب پنجاب میں سکھوں کو پے در پے شکستوں کا سامنا تھا تو انہوں نے اپنی آخری جنگ چیلیانوالہ ضلع گجرات میں اپنے سخت ترین دشمن دوست محمد خان والئ کابل کو بلا لیا تھا ۔ سردار ہری سنگھ اپنی جگہ خوش تھا کہ اس نے اپنے ایک دیرینہ دشمن کو نکیل ڈال دی ہے جس کو بڑے بڑے سورما قابو نہیں کر سکے تھے ۔ جہاں داد خان کو یرغمال بنا کر سردار پھولے نہیں سماتا تھا ۔

تناول پر پائندہ خان کا دوبارہ قبضہ

جنگ چتر بائی پائندہ خان بمقابلہ مجاہدین ۱۸۳۰ء

سکھوں کی دو پلٹین جنگی ساز و سامان سے لیس پائندہ خان کی مدد کے لئے آئیں پائندہ خان نے ایک ہفتہ ان کی خوب ضیافت کی اور رنگا رنگ کھانے کھلائے ایک ہفتہ بعد نہایت شان و شوکت فوج کے ساتھ چتر بائی آیا اور لڑنے کے لئے فوج کو ترتیب دیا گیا مجاہدین پہلے سے یہاں مورچہ زن تھے ۔ دونوں طرف سے کشت و خون کی ابتداء ہوئی فریقین نے خوب دل کی بھڑاس نکالی ۔ بہت سے آدمی مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے فتح و کامرانی پائندہ خان کو نصیب ہوئی وہ دوبارہ اپنی آبائی ریاست پر قابض ہوا ۔ سید صاحب شکست کے بعد اپنے مجاہدوں کے ساتھ امب سے پنجتار چلے گئے ۔ پائندہ خان نے سکھ سپاہیوں اور افسران کو بقدر مراتب انعام و اکرام سے نواز کر خوش و خرم واپس روانہ کیا ۔ جب پائندہ خان دوبارہ اپنے ملک پر قابض ہو گیا تو رعیت نادم اور شرمندہ ہو کر پائندہ خان کی خدمت میں حاضر ہوئی پائندہ خان بھی بظاہر ان سے اچھے اقدار سے پیش آیا اور ہر شخص کی حیثیت کے مطابق جرمانہ وصول کر کے معاف کر دیا ۔ پائندہ خان (۱۸۱۷ - ۱۸۴۳ء) پورے چھبیس سال تا مرگ اپنے مخالفین سے برسرِ پیکار رہا ان مخالفین میں اس کے ہم قوم تنولی (پلال، اوتمان)، مجاہدین اور سکھ شامل تھے ۔ اس کے ازلی و بنیادی دشمن نمایاں طور سے سکھ تھے ۔ وجہ عناد سکھوں کی ملک ہوس گیری تھی ۔ تناول ہزارہ کے انتہائی شمال مغربی کنارے پر ناہموار بلند و بالا سنگلاخ پہاڑوں سے گھرا ہوا علاقہ ہے اس علاقے سے کسی کو کیا دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے یہاں سونے، ہیرے و جواہرات کسی قسم کی کوئی کان نہیں ہے ۔ صرف سکھوں نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا دیا تھا ۔

یوسف زئیوں کی سازش اور مجاہدین کا قتل ۱۸۳۰ء

یوسف زئیوں نے آپس میں پس پردہ ایک سازش تیار کی ہوئی تھی ایک دن وہ اکٹھے ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اٹک کا ایک قلعہ خالی ہے ۔ قلعہ

میں متعین مسلمان گولہ انداز ہیں انہوں نے ہمیں پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہم سب مسلمان جمع ہو کر آجائیں تو تمام توپیں اور گولے ان کے حوالے کر دیں گے تاکہ قلعہ اٹک فتح کر لیں۔ لیکن ہم (یوسف زئیوں) نے ان گولہ اندازوں کو کہا ہے کہ جنگ کرنے کے لئے خرچہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو فی الحال ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ فصل تیار نہ ہو جائے اس کے لئے تھوڑا سا وقت چاہیئے۔ وہ سید احمد شہید کو کہنے لگے وہ وقت آگیا ہے اور فصل تیار ہو چکی ہے۔ آپ اپنے سپاہیوں کو حسب دستور عشر وصول کرنے کے لئے دیہات میں بھیجیں جب عشر جمع ہو جائے تو پھر سب مسلمان اٹک حملہ کرتے جائیں گے۔ سید صاحب ان کے فریب سے بالکل بے خبر تھے اس لئے تمام سوار و پیادہ جو ان کے پاس تھے یوسف زئی علاقے میں عشر جمع کرنے کے لئے بھیج دیئے۔ یوسف زئیوں نے ایک آدمی کے ذمہ یہ کام لگایا ہوا تھا کہ جمعرات کے دن رات کو پہلا پہر گزرنے کے بعد موضع شیوا تحصیل صوابی کڑہ مار پہاڑ پر آگ کا الاؤ روشن کرے گا۔ آگ کا الاؤ روشن ہوتے ہی جہاں جہاں سید صاحب کے جو آدمی ہوں ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جائے۔ الغرض جب وقت مقررہ پر وہ آگ جلائی گئی تو سید صاحب کے جتنے آدمی مختلف دیہات میں تھے سب قتل کر دیئے گئے ان کے گھوڑوں اور مال و اسباب سب پر قبضہ کر لیا گیا ایک اندازے کے مطابق قتل ہونے والوں کی تعداد آٹھ سو تھی۔ سید صاحب کے پاس پنجتار میں ایک سو پینتالیس آدمی رہ گئے جن کو گرفتار کرنے کے لئے دوسرے مرحلے پر کام شروع ہونے والا تھا کہ رئیس پنجتار سردار فتح محمد خان نے سید صاحب کو محفوظ راستہ سے لے جا کر دریائے سندھ کے پار ٹکری نندھیاڑ میں پہنچا دیا۔ یاد رہے یوسف زئیوں نے ۱۴۷۲ء میں جبرو میں فیروز شاہ خان کو شکست دی تھی جو بہ نسب آباؤ اجداد تنولی تھے۔ جب اکبر بادشاہ نے یوسف زئیوں کے خلاف راجہ بیربل کی سپہ سالاری میں فوج بھیجی تو یوسف زئیوں نے مناسب یہی سمجھا کہ پہاڑی علاقہ میں چلے جائیں۔ شاہی فوج ان کا تعاقب کرتی ہوئی پہاڑوں کے اندر چلی گئی تو یوسف زئی اچانک گھاتوں سے نکل کر حملہ آور ہوئے اور آٹھ ہزار کے لشکر کا صفایا کر دیا۔ بیربل قتل ہوا زین خان کوکہ بڑی مشکل سے جان بچا کر

فرار ہوا۔ مہابن سے تنولیوں کو بے دخل کیا پشاور سے دلازاکوں کو نکالا سوات سے سواتیوں کو نکال باہر کیا۔ ڈاکٹر اے، ایچ بیلو نے ان کی کارگزاریوں پر ایک کتاب "اے جنرل رپورٹ آن دی یوسف زئی" لکھی ہے۔

افغانستان میں ترینوں نے یوسف زئیوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ جس سے تنگ آکر یوسف زئیوں نے قندھار کو خیر آباد کہا اور کابل میں آکر آباد ہو گئے جب مرزا الغ بیگ کی حکومت کابل پر مستحکم ہوئی تو دوریں اثنا وہ کسی بات پر یوسف زئیوں سے ناراض ہو گیا۔ ان کے استحصال پر متوجہ ہوا چنانچہ ایک روز ... ۸ ریوسف زئیوں کو دعوت کے بہانے بلا کر قتل کر دیا باقی ماندہ کو ملک بدر کر دیا۔ یوسف زئیوں کی تاریخ میں آٹھ سو کے ہندسے کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ افغانستان سے ہجرت کر کے یوسف زئی چودھویں صدی عیسوی ۱۴۱۵ء پشاور پہنچے۔ دلازاکوں نے انسانی ہمدردی کے تحت یوسف زئیوں کو ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائیں ان کی ہجرت کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا اور یہ پشاور کے گرد و نواح میں آباد ہوتے رہے جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انہوں نے سب سے پہلے دلازاکوں کو ہی نشانہ بنایا دلازاکوں کا قائد بیو سلطان جنگ میں قتل ہو گیا اور سلطان کی لڑکی یوسف زئی پکڑ کر لے گئے جسے سردار گجو خان نے اپنے عقد میں لے لیا جو لوگ زندہ بچے وہ ہزارہ میں آگئے اور کچھ سوات میں چلے گئے۔ یوسف زئیوں نے جب سنا حکمران سوات دلازاکوں کی حمایت میں ان پر حملہ کرنے والا ہے تو وہ اٹھے اور خود سوات پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا سواتی مشرق کی طرف دریائے سندھ کے پار پکھلی، الائی، نندھیاڑ وغیرہ کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یوسف زئی پشاور کے شمال و مشرقی میدان کے علاوہ سوات بینر، چملہ پر قابض ہو گئے اور ان کی کچھ شاخیں کوہ سیاہ کے مغربی ڈھلانوں اور دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر بھی پہنچ گئیں موضوع ذرا ہٹ کر طویل ہو گیا ہے ہم پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں یوسف زئیوں کی سید احمد شہید سے ناراضگی بھاری مالی و جانی نقصان پر منتج ہوئی۔ اور سید صاحب کو مجبوراً اپنا مستقر بدلنا پڑا۔

پنجتار سے راج دواری مرکز ۱۸ جنوری ۱۸۳۱ء

سید صاحب کشمیر جانا چاہتے تھے مقامی رئیسوں نے سید صاحب سے کہا آپ سکھوں سے لڑے بغیر چلے جائیں گے تو سکھ ہم سے بدلہ لیں گے۔ چنانچہ سید صاحب نے سکھوں سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا، بجائے کشمیر جانے کے وہیں ٹھہر گئے۔

سید صاحب پنجتار سے نکل کر ۱۸ جنوری ۱۸۳۱ء کو راج دواری پہنچے موسم سرما زوروں پر تھا شدید برف باری ہو رہی تھی پنجتار سے راج دواری تک تین ہفتے صرف ہوئے یہ علاقہ خان گڑھی کے ماتحت تھا۔ سید صاحب راج دواری (ننده هیار) میں تھے کہ حبیب اللہ خان گڑھی جو سکھوں کے برخلاف تھا۔ بمعہ اپنے سپاہیوں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطاعت قبول کی۔ سید صاحب کا یہاں ۵۴ یوم قیام رہا راج دواری آخر تک مجاہدین کا مرکز رہا۔ راج دواری سے سید صاحب سچہ آئے سچہ کے مقام پر ۶ مارچ ۱۸۳۱ء سید ضامن شاہ کوائی نے سید احمد شہید سے ملاقات کی اور مرغ زریں کا تحفہ خدمت میں پیش کیا نجف خان کھوڑی اور منصور خان دوابہ نے بھی یہیں سید صاحب سے ملاقات کی۔ سید صاحب نے راج دواری میں مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی کے زیر قیادت مولوی خیر دین شیر کوٹی کو نائب بنا کر ساڑھے تین سو غازیوں کے ساتھ درہ بھوگڑمنگ بھیجا تاکہ سکھوں کی ناکہ بندی ہو سکے۔ خود سید صاحب ۵۰ غازیوں کو لے کر سچہ میں آ گئے تھے یہاں ان کا قیام ایک ماہ دس دن رہا۔ جب سید صاحب سچہ سے بھوگڑمنگ جانے لگے تو سچہ کے نواب خان بن حسن علی خان بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کے ہمراہ ہو گئے۔ سید صاحب ابھی بھوگڑمنگ میں تھے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا کنور شیر سنگھ اپنی دس ہزار جدید فوج کے ساتھ بمعہ سردار شام سنگھ اٹاری والا، سردار عطر سنگھ کالیانوالہ، سردار سادھو سنگھ نہنگ، وزیر سنگھ انگر نکلہ، سردار رتن سنگھ کونکلو کے ساتھ شنکیاری پہنچا۔ سید صاحب اپنی جمعیت بھوگڑمنگ میں چھوڑ کر بالاکوٹ میں آئے جو دریائے کنہار کے سرے پر آباد ایک قصبہ تھا علاقہ کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا تین روز

تک سکھوں کے تمام سردار آپس میں باہم مشورہ کرتے رہے بالآخر باالتفاق تمام سکھ سرداروں نے سید احمد شہید پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا کنور شیر سنگھ دو دفعہ بالاکوٹ آیا دریائے کنہار کے کنارے دور دراز تک دوربین سے علاقہ ملاحظہ کرتا رہا اسی اثنا سکھوں کی فوج مٹی کوٹ کی چوٹی پر چڑھ گئی تھی جو ایک اہم مورچہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ سید صاحب کی فوج نے بھی بندوقوں سے مسلح ہو کر اس چوٹی پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن سکھوں کی فوج اس سے قبل وہاں پہنچ چکی تھی۔ جب سکھ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو بہت پریشان اور فکرمند ہوئے کیونکہ پہاڑ کی چوٹی پر پانی کا ایک قطرہ نہیں تھا ابھی سکھوں میں زیر گفتگو پانی ہی تھا کہ قدرت کی طرف سے ژالہ باری شروع ہو گئی۔ بغیر نقصان پہنچائے پینے، روٹی پکانے اور استعمال کے لئے اتنا زیادہ پانی ہو گیا کہ سکھوں کے پاس جتنے برتن تھے انہوں نے بھر لئے۔ مٹی کوٹ بالاکوٹ سے مغرب کی جانب ایک پہاڑی ہے آج بھی اردو کا ایک مقولہ مشہور ہے کہتے ہیں "جس کا مٹی کوٹ اس کا بالاکوٹ"، سکھوں نے مٹی کوٹ پر قبضہ کر کے اسی راستے سے بالاکوٹ پر قبضہ کیا تھا۔

جنگ بالاکوٹ ۶ مئی ۱۸۳۱ء

بالاکوٹ درہ کاغان کے دھانے پر واقع ہے کاغان کا دروازہ بھی کہلاتا ہے یہاں مجاہدین اور سکھوں کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی اس جنگ میں سکھوں کی تعداد دس ہزار تھی اور سید صاحب کے ساتھ سات سو مجاہدین تھے۔ مجاہدین سکھوں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بے جگری سے لڑے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو سید صاحب نے بالاکوٹ کے سامنے مٹی کوٹ کے ٹیلے کے قریب شہادت پائی ان کے ساتھ تقریباً تین سو مجاہدین شہید ہوئے جن میں مولانا شاہ اسماعیل دہلوی اور ارباب بہرام خان تہکالی بھی شامل تھے۔ سید صاحب کی شہادت سید صاحب کو بندوق کی دو گولیاں لگیں۔ ایک گولی ان کے دائیں ہاتھ پر لگی دوسری گولی ان کے بائیں جانب دل پر لگی جن سے ان کی موت واقع ہوئی ان کی لاش پڑی ہوئی تھی کہ مجاہدین جن کی تعداد اسی کے [illegible]

نہ ہو سکے۔ ایک مجاہد نے یہ سوچ کر کہ سکھ لاش کو پہچان کر بے حرمتی نہ کریں سر کاٹ لیا ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ گولی لگنے سے وہیں ڈھیر ہو گیا جان اللہ کے سپرد کرتے ہوئے اس نے سید صاحب کا سر سرسوں کے ایک کھیت میں چھپا دیا۔ سکھ اس کے باقی ساتھیوں کا تعاقب کرتے ہوئے بالاکوٹ میں پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور مکانوں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ جو ان کا پرانا شیوہ ہے۔ سکھوں کو یہاں سے آٹھ چھوٹی توپیں کچھ دیگر مال و اسباب ہاتھ لگا جن میں ایک ہاتھی بارہ گھوڑے بیس خچریں بھی تھیں۔ کنور شیر سنگھ فتح کے بعد میدان جنگ میں آیا تاکہ سید صاحب کی لاش کو دیکھے ایک لاش جو بغیر سر پڑی تھی کسی رئیس کی معلوم ہوتی تھی کنور شیر سنگھ کے حکم سے میدان جنگ سے اٹھا کر ایک سائبان کے نیچے رکھ دی گئی۔ کنور شیر سنگھ نے حکم دیا کوئی شخص خلیفہ کی لاش کو پہچانتا ہے تو آکر شناخت کرے۔ نواب خان تنولی کو شناخت کے لئے بلایا گیا جو سید صاحب کے ساتھ کچھ عرصہ رہے تھے۔ نواب خان تنولی نے لاش دیکھ کر کہا اس کے ساتھ سر ہوتا تو شناخت کر سکتا ہوں۔ البتہ ایک دوسرا نشان یہ ہے ان کے پاؤں کی انگلیوں کے سب ناخن خراب تھے جب کپڑا ہٹا کر دیکھا گیا تو ان کے سب ناخن خراب تھے۔ سب نے کہا یہ خلیفہ صاحب کی لاش ہے۔ دریں اثنا ایک ملازم کالا خان تنولی ولد فیروز خان تنولی آیا اس نے کہا کہ اگر مجھے کچھ انعام دیا جائے تو میں سید صاحب کے سر کا پتہ بتا دیتا ہوں کنور شیر سنگھ نے پچیس ۲۵ روپے انعام دیا اور اس کے ساتھ پچاس پیادے اور پچیس سوار بھیجے۔ تاکہ وہ سید صاحب کا سر لے آئے۔ جب سر لاش کے ساتھ جوڑ کر رکھا گیا تو نواب خان تنولی نے دیکھ کر بخوبی شناخت کر لیا کہ یہ لاش اور سر سید احمد شہید کا ہی ہے ظفر نامہ مولفہ دیوان امرناتھ صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵ پر تحریر ہے کنور شیر سنگھ سید صاحب کی لاش کی طرف متوجہ ہوا اور ایک سحر کار مصور کو مقرر کیا کہ وہ ان کی تصویر کھینچے۔ سید صاحب کی لاش کی تجہیز و تکفین سکھوں کے مسلمان ملازمین نے کی وہ لاش کے پاس مرثیہ خوانی کرتے رہے اور ساری رات قرآن خوانی ہوتی رہی دوسرے روز سید صاحب کی لاش کو دریائے کنہار کے کنارے دفن کر دیا گیا۔ سیرت سید احمد شہید صفحہ



مہاراجہ شیر سنگھ جس نے جدید اسلحہ سے لیس بھاری سکھ فوج کے ساتھ جنگ بالاکوٹ میں حصہ لیا۔ اور مسلمانوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ اس جنگ میں حضرت سید احمد بھی شہید ہوئے۔ یہ جنگ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو لڑی گئی۔

واپس آئے تو انہوں نے دھان کے کھیتوں میں پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھا ان میں مولانا اسماعیل دہلوی اور ارباب بہرام خان کی لاشیں بھی تھیں۔ جن کو دو الگ الگ جگہ دفنایا گیا باقی لاشوں کو اٹھا کر مٹی کوٹ کے ایک نالے میں جمع کیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر "گنج شہیداں" بنا دیا گیا ابھی چند سال ہوئے ہیں کہ ارباب بہرام خان تہکال شہید کی لاش ان کے ورثا نے بالاکوٹ سے نکال کر تہکال بالا پشاور اپنے خاندانی قبرستان میں منتقل کی ہے۔ جب لاش کو نکالا گیا تو بالکل صحیح وسلامت اور تازہ تھی تابوت کو دوبارہ جب لحد میں اتارا گیا تو لوگوں کا جم غفیر تھا یاد رہے ارباب بہرام خان تہکال کے رئیس تھے اور سید صاحب کے جانثاروں میں تھے۔ سید صاحب شہید ہو گئے لیکن اپنے پیچھے آزادی اور اسلامیت کے لئے جہاد کا ایک بے پناہ جذبہ چھوڑ گئے ان کی جماعت ایک سو سال تک انگریزی حکومت سے ٹکراتی رہی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی فکری تحریک نے سید احمد شہید کی تحریک جہاد کی طرح مشرقی بنگال میں دو اور تحریکوں کو بھی جنم دیا۔ جن میں سے ایک کے بانی حاجی شریعت اللہ اور دوسری تحریک کے بانی سید نثار علی عرف تیتو میر تھے یہ دونوں حضرات سید احمد شہید کے ہم عصر تھے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

<u>تحریک جہاد کی ناکامی کے وجوہات:</u> اقوام، تحریکوں، شخصیتوں اور ممالک کے بارے میں آخری اور حتمی فیصلہ تاریخ دیتی ہے۔ آج ہم با آسانی دیکھ سکتے ہیں اس تحریک جس کی اٹھان بڑی شاندار تھی۔ بالآخر اس تحریک سے مسلمانان ہند یا سرحد کی نسبت زیادہ فائدہ انگریزوں کو پہنچا۔ صوبہ سرحد میں سید صاحب کو عملاً چار سال یا پانچ مہینے کام کرنے کے لئے ملے اس دوران وہ لمحہ بھر بیکار نہیں بیٹھے لوگوں کو واعظ و تلقین اور جہاد میں عملی طور پر اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ مولانا مودودی مرحوم نے اس تحریک کی ناکامی کا سبب سید صاحب کی روحانیت اور سرحدی مسلمانوں کو سچے مسلمان سمجھ لینا بتایا ہے۔ (ماہ نامہ فرقان - مجلد نمبر) مروجہ روحانی طریقوں میں اصل چیز مریدوں کا آنکھیں بند کر کے پیروی کرنا ہے سید صاحب کے ساتھیوں میں قطعاً یہ بات نہ تھی وہ ان کی ستبادینہ پہ آزادانہ نکتہ چینی کرتے تھے اور امیر کے فوجی احکام تک کی خلاف ورزی کے

مرتکب ہو جاتے تھے جو عسکری نظم و نسق کے منافی ہے۔

سرحدی مسلمانوں میں بھی دوسرے علاقوں کی طرح اچھے اور برے ہر قسم کے مسلمان تھے ان میں سے بعض نے سید صاحب کی سخت مخالفت کی اور بعض نے سید صاحب کا آخری دم تک ساتھ دیا بلکہ یہاں تک اولاد، مال و منصب سب کچھ قربان کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں بددیانتی، عیاشی، رشوت پر مبنی جاگیردارانہ نظام نے مسلم معاشرہ کو اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر کسی اسلامی تحریک کا کامیاب ہونا قطعاً ناممکن تھا۔ اس تحریک کی ناکامی کا ایک بڑا سبب خلاف شریعت معاشرتی رسوم بند کرنے کے سلسلہ میں سخت گیر پالیسی اختیار کرنا تھا افغانوں میں یہ رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا جب کوئی لڑکی جوان ہو جائے تو اس کا رشتہ برابر والوں سے کرتے تھے جب تک نامزد شخص ایک سو چوراسی روپے کما کر لڑکی والوں کو نہ دے اس کی شادی اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی۔ سید صاحب نے اس رواج کو بدعت قرار دے کر منادی کرا دی جو شخص اپنی بیٹی کا شیر بہا یعنی ادائیگی نقد روپیہ میں لے گا یہ حرام ہے صرف نکاح پڑھنے والے کو پانچ آنے دے کر لڑکی بیاہ لائے۔ شادیوں کے لئے روپیہ نہ ہونے کی وجہ سینکڑوں لڑکیاں اپنے باپوں کے گھروں میں بیٹھی ہوئی تھیں ان کے نامزد شوہروں نے پانچ آنے ادا کر کے شادیاں کر لیں۔ گو یہ نیک کام تھا لیکن افغان ایک دوسرے پر طنز کرتے لگے کہ خلیفہ صاحب نے ہمارے ملک پر حاکم ہو کر ہماری لڑکیوں کی قیمت پانچ آنے مقرر کر دی ہے۔ جوان لڑکیوں کو بٹھائے رکھنا اور ان کا نکاح نہ کرنا بری رسم ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس کے استحصال پر بجا طور سے پوری توجہ دی ہے۔ سید صاحب نے بھی اسے دور کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا۔ مگر بقول مولانا عبید اللہ سندھی "خرابی یہ ہوئی کہ شریعت کے دعوے دار خلافت کی اشاعت کرنے والے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر یہ جبر افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۹۶) اس رسم کی برائیاں ذہن نشین کرا کر اسے بتدریج و برضا و رغبت ختم کرنے کے بجائے اسے زبردستی اور فوری طور پر ختم کرنے کے اقدامات کئے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا لوگوں میں سید صاحب کی شرعی حکومت

کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے ۔ پٹھان اور سکھ مخالفین نے ان جذبات کو یہاں تک برانگیختہ کیا کہ اس علاقے کے مختلف دیہاتوں میں متعین مجاہدین کو ایک ہی رات میں تہ تیغ کر دیا گیا اور یہی سانحہ اس تحریک کے پیش از وقت ختم ہو جانے کا باعث بنا ۔ مولانا عبید اللہ سندھی اپنی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" صفحہ ۱۰۲ پر لکھتے ہیں ۔

" اپنے کابل کے قیام کے زمانے میں ہم نے اس فتنہ کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی ہیں اس کی ابتداء خویشگی کے اس خان سے ہوتی ہے جس کی لڑکی کا نکاح جبراً ہوا تھا ۔ اس میں سب سے آگے خٹک خان تھا ۔ جس سے خویشگی کے خان نے صلح کر لی تھی ۔"

واقعات یوں ہیں ان دونوں خوانین میں پرانی دشمنی تھی لیکن جب خویشگی کے خان کی لڑکی کا ایک ہندوستانی سے جبراً نکاح کیا گیا تو اس نے خان خٹک سے کہا ۔ میں نے اب اپنا دعویٰ چھوڑ دیا ہے اب سوال ننگ افغانی کا ہے ۔ ہماری اب باہمی صلح ہے تم میری مدد کرو ۔ خان خٹک کی ایک نوجوان لڑکی تھی اس نے اپنی لڑکی کو مجلس میں بلایا سر دربار اس کے سر سے کپڑا اتار دیا اور کہا آج سے تیری کوئی عزت باقی نہیں رہی " جب تک اس افغان لڑکی کا بدلہ نہیں لیا جاتا تیری عزت ہیچ ہے ۔ اس کے بعد خان خٹک کی لڑکی اس فتنہ کے خاتمے تک ننگے سر رہی وہ ہر رات ایک جماعت کے ساتھ ایک گاؤں میں جاتی اور وہاں کی عورتوں اور مردوں کو جمع کر کے ننگ افغانی کے نام پر بھڑکاتی ۔ سید صاحب کے ایک خیر خواہ نے بر وقت اطلاع دی کہ ایک خفیہ سازش کے تحت دیہاتوں میں متعین ان کے تمام سپاہیوں کو ایک ہی رات میں قتل کرنے کا منصوبہ مکمل ہو چکا ہے لیکن انہوں نے اس اطلاع کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اتنا بھی نہ کیا کہ تحقیق کر لیتے ۔ اس کا انجام یہ نکلا دیہاتوں میں ان کے متعین سپاہی ایک ہی رات بے خبری میں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے جس نے اس تحریک کی بنیادیں متزلزل کر دیں ۔ سید صاحب اس واقعہ سے اس قدر بد دل ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف اس علاقے کو چھوڑ دیا ۔ بلکہ اپنے ابتدائی طرزِ عمل کے برعکس جنگ و سیاست کی تدابیر میں جوش و انہماک سے دل چسپی لینا بھی ترک کر دیا وہ ہمت ہی ہار بیٹھے تھے جو ایک روحانی بزرگ کی شان کے منافی ہے ان کی شرعی حکومت کی تنگ نظری، تعصب و تشدد اور سخت گیر پالیسی پر مبنی تھی ۔ جس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے

ہوتا ہے ۔ ایک آدمی جس نے زیادہ لکھا پڑھا نہ ہونے کے باعث کتاب کا نام غلط بول دیا تھا ۔ صرف نام کا تلفظ غلط بولنے پر قاضی صاحب جوش میں آگئے ۔ اسے زمین پر گرا کر پہلے لاتوں اور گھونسوں سے مرمت کی پھر اسے کافر قرار دے کر اس سے توبہ کرائی اور اس آدمی سے دوبارہ کلمہ پڑھایا صفحہ ۲۱۷ سید احمد شہید مرتبہ غلام رسول مہر)

سید صاحب کی تحریک کی ناکامی کا ایک سبب یہ تھا شرعی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اربابِ حکومت فتنہ پردازوں کی طرف سے لاپرواہ ہو گئے معمولی کامیابی کے بعد انہوں نے خبر رسانی کے انتظام کو بہتر نہیں بنایا اپنے حفاظتی انتظامات کی طرف سے بھی غافل رہے ۔ اس کی ایک مثال یوں ہے ۔ کہ مولوی مظفر علی قاضی پشاور جو مجاہدین کی طرف سے پشاور میں سفیر تھے قبل از وقت اطلاع مل گئی تھی کہ سلطان محمد خان گورنر پشاور جو مجاہدین کی حکومت کے ماتحت تھا ۔ بغاوت پر آمادہ ہے مولوی مظفر علی نے لاپرواہی برتی نہ ہی سید صاحب کو اطلاع پہنچائی اور نہ ہی اپنے لئے کوئی حفاظتی اقدام کئے نتیجہ یہ ہوا خود بھی موت سے ہمکنار ہوئے اور پشاور بھی ہاتھوں سے گیا ۔ اس تحریک سے سرحد کے مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہوئے جس سے انگریزوں کے لئے پنجاب پر قبضہ کرنے کی راہ ہموار ہوئی ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے انگریزوں نے نواب ٹونک کے ذریعے سید صاحب کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں سرحد کے علاقے سے پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف جہاد کی ترغیب دی یاد رہے کہ نواب ٹونک پٹھان تھے ان کا تعلق بنیر سے تھا جنہوں نے بزورِ شمشیر راجستھان میں ٹونک کی ریاست حاصل کر لی تھی ۔ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے سید صاحب کی اپنی تحریروں " تقویۃ الایمان " وغیرہ میں حضور اکرم کی شان میں نقص ادب سرزد ہوا وہی ان کی تحریک کی ناکامی کا اصل سبب بنا ۔ سید صاحب کے برخلاف مخالف قوتوں نے مذہبی فرقہ پرستی اور تعصب پھیلا دیا جس کے لئے بڑے بڑے مذہبی علماء کی خدمات معاوضہ پر لی گئیں تاکہ وہ عوام میں وہابیت کا پرچار کریں یہ کوشش اتنی کامیاب رہی کہ مسلمانوں میں سید صاحب کے خلاف باقاعدہ ایک منظم جماعت تیار ہو گئی جس نے کھل کر سید صاحب کی مخالفت اور لوگوں کو متنفر کرنا شروع کر دیا ۔

سردار ہری سنگھ کی وعدہ خلافی

جہاں داد خان کی واپسی سے گریز ۱۸۳۰ء

پائندہ خان سکھوں کی مدد سے (جنگ چھتر بائی ۱۸۳۰) اپنے علاقہ پہ دوبارہ قابض ہوگیا تھا اُس نے بحال ہونے کے بعد سکھ افسران اور سپاہیوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور واپس بھیج دیا جب پائندہ خان نے سردار ہری سنگھ سے اپنے فرزند جہاں داد خان کو طلب کیا۔ تو سردار ہری سنگھ نے جہاں داد خان کی واپسی سے گریز کیا سردار ہری سنگھ یہ چاہتا تھا کہ پائندہ خان خود آکر اپنے فرزند کی رہائی کی التجا کرے۔ لیکن پائندہ خان کو اپنے باپ کی وصیت یاد تھی اس وصیت پر سختی سے عمل پیرا تھا۔ اس انتظار میں یونہی ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ سردار ہری سنگھ نے جہاں داد خان کو واپس نہ کیا اور بدستور اپنے پاس نظر بند رکھا اس کے بعد پائندہ خان نے باہمی صلاح و مشورہ کے بعد ایک دفعہ پھر کوشش کی اور اپنے ایک وکیل کو خط دے کر سردار ہری سنگھ کے پاس بھیجا۔ بعد آداب سردار ہری سنگھ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میرے بیٹے جہاں داد خان کو واپس بھیج کر مشکور کریں سردار ہری سنگھ نے اس کے جواب میں لکھا آپ بذاتِ خود تشریف لائیں میں آپ سے ملاقات کا متمنی ہوں آپ کو مع فرزند باعزاز رخصت کیا جائے گا۔ لیکن سردار ہری سنگھ قطعاً یہ نہیں جانتا تھا کہ پائندہ خان کے آڑے اس کے باپ کی وصیت آرہی ہے پائندہ خان ہری سنگھ کے جواب سے مایوس ہوگیا جو اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھا اور بضد تھا کہ پائندہ خان خود ملے۔ چند ماہ یہ سلسلہ منقطع رہا پائندہ خان جو اپنے بیٹے کی جدائی کو بڑی طرح محسوس کر رہا تھا اس نتیجہ پر پہنچا سکھوں سے سیدھے منہ بات کرنا سکھوں کے لئے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ پائندہ خان نے سکھوں سے دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا اس کی ابتداء قلعہ قادر آباد سے کی جو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے عشرہ کے بالمقابل واقع تھا۔

قلعہ قادر آباد کی دوسری جنگ

پائندہ خان بمقابلہ ہری سنگھ ۲۴ مئی ۱۸۳۲ء

پائندہ خان نے اپنے چھوٹے بھائی امیر خان جمعدار رحمطا کی ہمرائی میں پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے پار قلعہ قادر آباد پر حملہ کرنے کا حکم دیا امیر خان نے دریائے سندھ عبور کرکے قلعہ قادر آباد پر حملہ کیا۔ قلعہ میں متعین سکھ فوج کے پاس ہر قسم کا جنگی ساز و سامان تھا لیکن وہ پائندہ خان کے حملے کا شکر بلا مقابلہ قلعہ خالی چھوڑ کر خوف سے فرار ہوگئے امیر خان کو ایک گولی چلائے بغیر قلعہ خالی چھوڑا ہوا مل گیا۔ قلعہ پر امیر خان نے قبضہ کر لیا قبضہ میں ذخیرہ کیا ہوا کافی جنگی ساز و سامان ان کے ہاتھ لگا قلعدار فتح خان نے ہری پور بھاگ کر سردار ہری سنگھ کو تمام واقعہ کی اطلاع دی سردار ہری سنگھ بائیس ہزار فوج بمعہ توپ خانہ لیکر ہری پور سے روانہ ہوا اور اپنے ساتھ جہاں داد خان کو بھی لے آیا تاکہ بوقت ضرورت اس کو استعمال کیا جائے تین ماہ تک زبردست لڑائی جاری رہی۔ قلعہ کے اندر سے امیر خان اور عشرہ سے پائندہ خان کے توپچی سکھ فوج پہ بے پناہ گولے برسا رہے تھے۔ سکھ فوج محصور ہو کر رہ گئی تین ماہ کے اندر وہ قلعہ قادر آباد پر قبضہ نہ کر سکی۔ آخر کار ہری سنگھ نے ایک نہایت ہی گھٹیا حرکت کی کہ جہاں داد خان کو اپنی فوج کے آگے گولوں کی زد میں اونچا کر کے ایک ٹکٹکی پر باندھ دیا تاکہ پائندہ خان اور اس کے توپچیوں کو سامنے نظر آسکے اور سکھ فوجیں گولوں سے محفوظ ہو جائیں۔ لیکن پائندہ خان نے جو اپنے بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہا تھا جس کی رہائی کے لئے یہ جنگ وقوع پذیر ہوئی اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی امان میں چھوڑتے ہوئے گولہ باری میں کوئی کمی نہ آنے دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہری سنگھ صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ٹکٹکی پر باندھے ہوئے جہاں داد خان کے متعلق کسی کو یہ گمان نہیں تھا کہ وہ زندہ بچ جائے گا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ توپ کے گولوں سے اس کے پرخچے اڑ جائیں گے لیکن یہ قدرت کا ایک معجزہ ہے کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچی۔ قلعہ کے اندر امیر خان کی فوج محفوظ تھی اور پائندہ خان کی فوج سکھوں کی زد سے باہر تھی سکھوں کو لڑتے ہوئے تین ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان کا کافی جانی و مالی نقصان ہو چکا تھا۔ سردار ہری سنگھ نے جب کوئی پیش رفت نہ دیکھی تو ایک مکارانہ چال چلی۔ پائندہ خان کو ایک پیغام بھیجا اگر آپ قلعہ قادر آباد خالی کر کے ہمارے حوالے کر دیں تو آپ کے فرزند ارجمند کو آپ کے حوالے کر دیں گے۔ پائندہ خان نے ہری سنگھ کے

قول اور یقین دہانی پر اپنے بھائی امیر خان کو حکم دیا قلعہ قادر آباد خالی کر کے بمعہ اپنی فوج اور سامان دریائے سندھ عبور کر کے مغربی کنارے پر آجائے۔ چنانچہ امیر خان نے اپنے بھائی کے حکم کی تعمیل کی اور قلعہ خالی کر دیا۔ سردار ہری سنگھ نے قلعہ قادر آباد پر قبضہ کر لیا اپنے قول و قرار کو پس پشت ڈال کر نہایت ہی ڈھٹائی کے ساتھ جہاں داد خان کو لے کر اپنے ساتھ لاہور چلا گیا۔ جہاں داد خان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے پیش کیا جہاں وہ عرصہ چھ سال تک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نظر بندی میں رہا اس دوران مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پائندہ خان کو لاہور آنے کے کئی خطوط لکھے کہ تمہارے آنے سے مجھے خوشی ہوگی میں ملاقات کے بعد آپ کو بمعہ جہاں داد خان با اعزاز عزت و احترام کے ساتھ واپس رخصت کروں گا۔ کافی عرصہ انتظار کے بعد جب پائندہ خان کی طرف سے کوئی جواب لاہور دربار کو موصول نہ ہوا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گیارہ معززین کا وفد زیر سرکردگی نواب سعد اللہ خان سکنہ کھاشٹر کو ایک خط کے ساتھ پائندہ خان کے پاس بھیجا اس خط میں یہ درج تھا پائندہ خان اگر ہم سے ملاقات کرنے تو ہم کو اس سے ملاقات کرنیکا شوق ہے بعد ملاقات لعزت و حرمت عطا خلعت و انعام و ملک جاگیر دے کر جہاں داد خان کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

جب نواب سعد اللہ خان بمعہ معززین پائندہ خان کے پاس امب پہنچا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پروانہ دیا۔ تو پائندہ خان نے خط کا مضمون پڑھا کر سنا اور دو روز تک نواب سعد اللہ خان اور معززین کی خوب مہمانداری کی۔ دوسرے روز پائندہ خان نے معززین کو لاہور رخصت کیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لئے یہ پیغام بھیجا جب تک میرا بیٹا جہانداد خان نہیں آتا تب تک سربراہ وفد نواب سعد اللہ خان بمعہ ایک ملازم محمد علی میرے پاس نظر بند رہے گا۔ معززین نے لاہور واپس پہنچ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو تمام درپیش حالات سے آگاہ کیا اور یونہی نواب سعد اللہ خان کو نظر بند ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر گیا بالآخر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ سوچتے ہوئے کہ پائندہ خان کسی بہانے لاہور نہ آیا۔ ہمارے دو آدمی بے قصور بلاوجہ اس کی قید میں پڑے ہوئے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نواب سعد اللہ خان کی رہائی کا حتمی فیصلہ کر لیا اس نے جہاں داد خان کو مزید قید میں رکھنا فضول سمجھا! لہذا

جہاں داد خان کو عزت و احترام کے ساتھ لاہور سے پائندہ خان کے پاس رخصت کر کے نواب سعد اللہ خان اور ملازم محمد علی کو رہا کرا لیا۔

ہری سنگھ کی لاہور واپسی: مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ عرصہ کے لئے ہری سنگھ کی خدمات ضرورت کے تحت پشاور کے لئے حاصل کر لیں ہزارہ میں ہری سنگھ کا نائب مہان سنگھ ہری سنگھ کی غیر موجودگی میں مستقل حاکم ہو گیا لیکن یہ عرصہ تھوڑی ہی دیر قائم رہا۔ کیونکہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زیر عتاب آگیا وجہ عتاب یہ تھی دسہرہ سکھوں کا تیوار ختم ہونے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ پنڈ دادن خان اور میانی کی طرف تشریف لے آیا اور اپنے اردلی دیوا سنگھ پسر مہان سنگھ دا سوالہ کے ہاتھوں حاکم ہزارہ سردار مہان سنگھ کو حکم بھیجا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد پانچ گھوڑے آراستہ زین طلائی و چاندی، پانچ اونٹ، دو باز، پانچ شکاری کتے، بیس خچریں لے کر مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ سردار مہان سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی صوبا سنگھ کو ہزارہ میں چھوڑا اور جملہ مطلوبہ سامان بغیر نقدی لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں ڈیرہ میانی حاضر ہوا چونکہ نقد روپیہ ساتھ نہ لے گیا تھا۔ اس لئے مہاراجہ کا عتاب اس پر نازل ہوا۔ اس کی جگہ سردار تیجا سنگھ (۱۸۳۷ - ۱۸۴۱) کو دو جدید سامان سے لیس رجمنٹوں کے ساتھ ہزارہ جانے کا حکم ہوا سردار ہری سنگھ کو پشاور آئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس نے انتظامیہ کے بگڑے ہوئے نظام کی بدترین صورت حال کے پیش نظر نظم و نسق کو بہترین بنانے کی ابتداء کی اور سب سے پہلے جمرود اور یوسف زئی علاقہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سردار ہری سنگھ کی انتظامی صلاحیت مسلمہ تھی۔ لیکن اس نے اپنے عہد نظامت میں دوستی کا دم بھرنے والوں اور عداوت ظاہر کرنے والوں میں کچھ تمیز روا نہ رکھی جس کی ایک مثال راجگان خانپور میں راجہ نجف خان سے اس سے ۱۸۳۱ء میں ان کا ملک چھین لیا جو چھ سال بعد راجہ علی گوہر نے دوبارہ حاصل کیا اور اپنی دو ہزار کی جاگیر پر قائم ہوا۔ سردار ہری سنگھ ۱۸۲۲ء سے ۱۸۳۷ تک حاکم ہزارہ رہا، ۱۸۲۷ سے ۱۸۳۱ تک مہان سنگھ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا کیونکہ اس دوران ہری سنگھ پنجاب کے دوسرے اضلاع میں خدمات سرانجام دیتا رہا، ۱۸۳۷ جمرود کے مقام پر درانیوں سے لڑتا ہوا قتل ہوا۔

پائندہ خان کا قلعہ بہاروکوٹ پر حملہ ۲۰ مارچ ۱۸۳۷ء

پائندہ خان اپنے لشکر کے علاوہ چار ہزار افغانوں کے ساتھ دریائے سندھ عبور کر کے قلعہ بہاروکوٹ پر حملہ کرنے کے لئے آگیا اور قلعہ بہاروکوٹ کے نزدیک جوڑے پنڈ میں لشکر کا کیمپ لگایا اور قلعہ دار سردار دیوان سنگھ کے پاس سات ارکان کا ایک وفد بھیجا کہ سردار دیوان سنگھ بغیر لڑے قلعہ خالی کر دے۔ ارکان وفد کے اسمائے گرامی سید قاسم، حضرت نور، سید جمال، انکا تعلق میر اصوابی سیداں سے تھا۔ سید قطب شاہ ساکنہ لنگر جمال خان ساکنہ تربیلا اور دوبا اثر و رسوخ حضرات ابراہیم خان اور امیر خان سید خانی اس وفد میں شامل تھے۔ پائندہ خان کے پیغام کے جواب میں سردار دیوان سنگھ نے کہلوا بھیجا۔ فتح و شکست گرو جی کے ہاتھ میں ہے بغیر جنگ کئے ہتھیار ڈالنا بزدلوں کا کام ہے دلی تمنا ہے کہ دو دو ہاتھ ہو جائیں تاکہ دل کی حسرت دل میں ہی نہ رہ جائے۔ چنانچہ قلعدار سردار دیوان سنگھ کا جواب پا کر افغانوں نے پائندہ خان سے اجازت چاہی کہ پہلے حملہ ہم کریں گے افغانوں کے لشکر میں زیادہ تر لوگ ٹوپی، کھبل تربیلہ، صوابی سے تھے جن کو پائندہ خان بوقت ضرورت جنگ کے لئے طلب کر لیتا تھا۔ صرف مال غنیمت ان کا ہوتا تھا۔ پائندہ خان نے بخوشی افغانوں کی بات مان لی۔ قلعہ کو تم فتح کرو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہو لیکن ایک شرط ہے مال غنیمت سے سردار دیوان سنگھ کی تلوار اور منشی ٹھاکر داس کی گھوڑی یہ دو اشیاء میری ہوں گی۔ پائندہ خان کے حکم سے افغانوں نے قلعہ فتح کرنے کی پہل کی اور جب دیکھا سردار دیوان سنگھ، پائندہ خان کے خوف و دبدبہ و رعب قلعہ سے باہر نہیں آرہا تو انہوں نے قلعہ پر حملہ کر کے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ سکھوں نے قلعے کے اوپر سے گولیوں کی بارش برسانا شروع کر دی پندرہ آدمی ہلاک ہو گئے اور متعدد زخمی ہو کر گر رہے تھے یہ حالت دیکھ کر حملہ آور پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ پائندہ خان یہ حال دیکھ کر خود قلعہ پر حملہ آور ہوا اور قلعہ کی فصیل کود کر اپنے آدمیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ قلعہ کے اندر سکھوں اور تنولیوں کے درمیان دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ خوب تیغ زنی ہونے لگی شیر خان قوم متیال ساکنہ کچھی جو دلیر اور بہادر

تھا۔ بمقابلہ سردار دیوان سنگھ ہوا لیکن زخمی ہو گیا اس کی مدد کو خیرا جمعدار پہنچ گیا دونوں میں مقابلہ ہونے لگا۔ بالآخر خیرا جمعدار کے ہاتھوں سردار دیوان سنگھ قلعدار قتل ہوا سوائے ایک سکھ جھنڈا سنگھ کے تمام سکھ قلعہ کے اندر ہی قتل ہو گئے جھنڈا سنگھ جنگ کے دوران کسی طرح بچ گیا تھا۔ جس نے بھیس بدل کر بعد میں راہ فرار اختیار کی پائندہ خان نے قلعہ بہاروکوٹ پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ بہاروکوٹ پر قبضہ کر لینے کے بعد پائندہ خان نے اپنے دو معتبر امیر خان اور ابراہیم خان سید خانی کو سکھ سرداراں مان سنگھ، بلدان سنگھ، اور صوبہ دار لالہ مہتاب سنگھ عامل کے پاس ہری پور روانہ کیا کہ آٹھ ہزار روپیہ نقد جو کہ میری جاگیر کا سالانہ بنتا ہے۔ مجھے بہاروکوٹ بھیج دو میں منتظر ہوں۔ اگر روپے کی ادائیگی میں حیل و حجت کی تو پھر میرے پاس سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں ہے اگرچہ سکھوں کے پاس دو پلٹن جنگی ساز و سامان کے ساتھ موجود تھیں لیکن انہوں نے بہ امر مجبوری و مصلحت ان کو جنگ میں لانے سے پرہیز کیا۔ کیونکہ سکھوں کی درانیوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ ان کی تمام فوج درانیوں کے ساتھ برسر پیکار جنگ تھی۔ جمرود میں سکھ بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ ہزارہ میں ان کے پاس نفری بہت کم تھی۔ پس پردہ غلام خان ترین، سیداں صوابی، دلازاک و ترک پائندہ خان سے ملے ہوئے تھے سکھوں نے قاضی غلام احمد ساکنہ سکندر پور کے علاوہ سیٹھ لکھی داس اور سیٹھ ہیرا سنگھ ساکنان ہری پور سے مشورہ کیا۔ جنہوں نے سکھوں کو مشورہ دیا کہ حالات دیکھتے ہوئے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک فصل کے چار ہزار روپے پائندہ خان کو دے دیئے جائیں اور جنگ سے اجتناب کیا جائے ورنہ یہ لوگ ہری پور پر قبضہ کر لیں گے۔ اور سکھوں کو ایک نئی مصیبت میں ڈال دیں گے۔ چنانچہ سکھوں نے چار ہزار روپے سید حسن شاہ ساکنہ بیتر کے حوالے کئے جس نے امیر خان کے ساتھ آکر بہاروکوٹ میں پائندہ خان کی خدمت میں پیش کئے دوسرے روز پائندہ خان نے بمعہ مال غنیمت وہاں سے کوچ کیا اور اپنے مستقل مستقر میں آئے۔ ۱۸۷۲ء بندوبست کے مطابق بہاروکوٹ اخواں خیلاں (شلمانی قوم) کی پرانی بستی تھی اس بستی کو ایک دفعہ اتمان زئیوں نے ویران کر دیا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد یہ بستی

دوبارہ آباد ہو گئی۔ دوسری دفعہ اس بستی کو دیوان ہری چند نے (۱۸۴۵ء) میں جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لینے کے بعد ایبٹ آباد چھاؤنی بنانے سے پہلے بہارو کوٹ کو چھاؤنی بنایا کچھ عرصہ تک انگریزوں کی فوج نے یہاں ہی ڈیرے جمائے رکھے چھاؤنی کے لئے یہ موزوں جگہ تھی۔ سکھوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے نظام حکومت کو بہتر بنانے کے لئے جو کہ صرف مالیہ اکٹھا کرنے تک محدود نظام تھا ہر جگہ پکے اور کچے قلعے تعمیر کرائے لیکن جب تک ان کی حکومت رہی مالیہ فوج کے ذریعے ہی اکٹھا ہوتا رہا لوگ سکھوں کی حکومت کو دل و جان سے ناپسند کرتے تھے کیونکہ ان کا عہد جبر و تشدد کا عہد تھا۔

پائندہ خان کو عبرت ناک سزا دینے کیلئے لاہور جون ۱۸۴۱ء سے سردار شام سنگھ اٹاری والا کی تناول میں آمد

سردار شام سنگھ اٹاری والا بیس ہزار فوج بمعہ ہلکی و بھاری توپوں اور جدید جنگی ساز و سامان اور خزانے کے ساتھ لاہور دربار سے مامور ہو کر تناول میں آیا تاکہ پائندہ خان کی فیصلہ کن سرکوبی کے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ سردار شام سنگھ ایک تجربہ کار سخت گیر جابر جرنیل تھا سردار موصوف نے تناول میں پہنچتے ہی تمام جنگی ساز و سامان اور فوج کو دریائے سندھ کے کنارے کے ساتھ ساتھ کھر کوٹ سے تا حد دربند تک ٹھہرنے کا حکم دیا حدِ نگاہ تمام خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ پائندہ خان نے سردار شام سنگھ اٹاری والا کا لشکر اپنے رفیق کاروں فضل خان لوٹی والا اور مدد خان امازئی ساکنہ دیگرا اور دوسرے مشہور و معروف آزمودہ جنگجو ساتھیوں کے جن کی تعداد پانچ ہزار سوار و پیادہ پر مشتمل تھی دریائے سندھ کو عبور کر کے بلندی کوہ بھنگڑہ موضع دھمن کوٹ پر جا قیام کیا یہ جگہ بلندی پر واقع ہے۔ اور پائندہ خان کا پرانا مسکن تھی۔ جہاں سے وہ دشمن پر نگاہ رکھتا تھا جنگی نقطہ نگاہ سے یہ ایک بہترین جنگی چوکی تھی دوسرے روز کیمپ لگانے کے فوراً بعد سردار شام سنگھ اٹاری والا نے اپنے معاونین کے ساتھ دور تک محلِ وقوع کا معائنہ کیا اور دوربین سے پائندہ خان کی فوج کی نقل و حرکت دیکھی۔ پائندہ خان نے اپنے دو صد آزمودہ کار جوانوں کو حکم دیا

وہ دشمن کے متصل جا کر بندوقیں سر کریں اور جب سکھ حملہ آور ہوں تو وہ پسپا ہوتے ہوتے درہ تنگنائی واقع دھمن کوٹ میں پہنچ آئیں مقصد سکھوں کو تنگ درے میں لانا مقصود تھا پائندہ خان نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر میری یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی تو اللہ کے فضل و کرم سے دشمن کا ایک آدمی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔ چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سو آدمیوں نے سکھوں کے متصل جا کر بندوقیں سر کیں۔ یونہی سکھوں نے فائروں کی آواز سنی تو سردار شام سنگھ اٹاری والا چار ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا ان کی پسپائی میں تعاقب کرتے ہوئے درہ تنگنائی دھمن میں پہنچ آیا۔ پائندہ خان کا مقصد پورا ہو گیا کہ سکھ ایک تنگ درے میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں جس کا احساس سردار شام سنگھ اٹاری والا کو بھی ہو گیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا جس سے چند گھڑی پہلے یہ دونوں آمر بے خبر تھے دونوں ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا تھے دونوں زیرِ عتاب تھے زیرِ آب ہوئے۔

سردار شام سنگھ اٹاری والا کو قدرت کی عبرت آموز سزا ۲ جون ۱۸۴۱ء

سردار شام سنگھ آٹاری والا کو قدرت نے ایسی سزا دی جو سکھوں کے عہد کا ایک بدترین سانحہ تھی سردار شام سنگھ آٹاری والا نے بھرے لاہور دربار میں تکبر اور غرور سے یہ کہا تھا میں پائندہ خان کو لاہور دربار میں پیش کروں گا اس شرط پر وہ لاہور دربار کی جانب سے مامور ہو کر تناول میں آیا تھا۔ لیکن قدرت کو اس کا تکبر اور غرور پسند نہ آیا اس کی سولہ ہزار فوج تنکوں کی طرح پانی میں بہہ گئی۔ یہ ۲ جون ۱۸۴۱ء کا واقعہ ہے کہ دریائے سندھ میں ایسی طغیانی آئی کہ چند ثانیوں میں دریائے سندھ کے دونوں کناروں کے تمام دیہات اور شہر دریا میں غرق ہو گئے۔ طوفان میں اس قدر تندی و تیزی تھی کہ لوگوں کو اتنی مہلت ہی نہ ملی۔ کہ وہ بھاگ کر اپنی جانیں بچا سکیں۔ لوگ جانیں بچانے کے لئے درختوں پر چڑھ گئے لیکن قدیم تناور درخت بھی لوگوں کو پناہ نہ دے سکے۔ جڑوں سمیت اکھڑ کر سینکڑوں آدمیوں

کے ساتھ پانی میں بہہ گئے دریا کا خوفناک شور میلوں دُور سنائی دے رہا تھا جسے سن کر اس کی روانی و تابانی سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا نے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تعاقب کرتے ہوئے درہ تنگنائی میں پہنچ آیا تھا۔ ایک پہاڑی پر چڑھ کر جان بچائی قہر خداوندی کی تباہ کاریوں سے جابین کا کافی نقصان ہوا اس قدرتی ناگہانی آفات سے دونوں فریق بہت غمگین و ملال تھے۔ پائندہ خان نے اپنے وزیر محمد عرفان کو پیغام دے کر سردار شام سنگھ اٹاری والا کے پاس بھیجا کہ یہ قہر الٰہی نازل ہوا ہے سامان طرفین کا غرق ہو کر باقی کچھ نہیں بچا یہ دیدہ عبرت ہے میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ واپس گھر چلے جائیں۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا پر یہ اندوہناک و روح فرسا سانحہ بجلی بن کر ٹوٹ پڑا تھا اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں سے کوچ کر جائے۔ چنانچہ اسس نے پائندہ خان کے مخلصانہ مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اس کے وزیر محمد عرفان کو آگاہ کیا۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ سر کو جھکائے ماتم زاری کی حالت میں جب اس جگہ پہنچا یہاں سکھوں کا ایک روز پہلے کیمپ تھا۔ اور اسس کے نامی و گرامی آزمودہ کار سکھ فوجی حسب معمول اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے وہ ضبط نہ کر سکا اور داڑیں مار مار کر رونے لگا اس کے سب ساتھی بھی رو پڑے وہ ایک دوسرے سے گلے مل کر رو رہے تھے۔ کیونکہ سب متاثر تھے یہ بڑا رقت آمیز منظر تھا۔ انہیں چند دن پہلے وہ وقت یاد آنے لگا جب وہ (جو بولے سو نہال ست سری کال) کے بلند و شگاف نعرے لگاتے ہوئے جن سے پہاڑ بھی گونج رہے تھے اس جگہ داخل ہوئے تھے آج وہ نہایت بے بسی کی حالت میں ہارے ہوئے سپاہیوں کی طرح جن کے ہتھیار جمع ہو جاتے ہیں بے دست و پا بوجھل قدموں کے ساتھ واپس جا رہے تھے۔

سردار شام سنگھ اٹاری والا کے دھمن کوٹ سے روانہ ہونے کے بعد پائندہ خان نے ایک چیت و چالاک تیراک کو ایک چرمی سرنائے کے ذریعہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے

نے آکر بتایا خاندان کے افراد اور رعیت کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہے کہ انہوں نے قبل از وقت اونچی جگہوں پر پہنچ کر اپنی جانیں بچالیں لیکن خزانہ اور مال و متاع سب دریا کے نذر ہو گیا ہے۔ پائندہ خان نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا چوتھے روز جب دریائے سندھ میں طغیانی ختم ہوئی اور دریا حسب معمول اپنی اصلی حالت پر آیا تو پائندہ خان اپنی جمعیت کے ساتھ امب آیا اور اپنے خاندان سے ملا اس کے بعد امب کا قصبہ دریائے سندھ سے ہٹ کر بلندی پر از سر نو تعمیر کروا کر آباد کیا جو تربیلہ ڈیم بننے تک آباد تھا۔

پیارا سنگھ کاردار کی مالیہ کیلئے سختی ۱۸۴۱ء

پیارا سنگھ کاردار کو ۱۸۴۱ء میں ہزارہ کا کاردار مقرر کیا گیا کاردار مالیہ وصول کرنے والے کو کہتے ہیں۔ پیارا سنگھ برہان کا رہنے والا تھا جو حسن ابدال کے نزدیک آج کا ایک مشہور قصبہ ہے اس نے ہزارہ میں آتے ہی ملک کا مالیہ سب پیٹوں پر چار لاکھ روپے مقرر کر دیا۔ اس سے پہلے مالیہ ڈیڑھ لاکھ روپے مقرر تھا۔ پیارا سنگھ نے حصول مالیہ کے لئے زمینداروں کو گرفتار کر کے سزائیں دینی شروع کر دیں مستاجر ملک سے بھاگ کر دوسرے علاقوں میں جا چھپے ایک شخص زبرو ساکن شیروان کو توپ سے اڑا دیا ایک دوسرے زمیندار مراد کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ مر گیا۔ پیارا سنگھ کاردار دو پلٹنوں کے ساتھ شیروان سے کولائی کی طرف روانہ ہوا جب سکھ کر بلیاں کے گاؤں میں پہنچے تو پائندہ خان نے سکھوں کی دو پلٹنوں کو توپوں کے فائر سے اتنا تنگ کیا کہ وہ اپنی جان بچانے پر مجبور ہو گئے بالآخر پیارا سنگھ کاردار نے بدری ناتھ کے ساتھ مشورہ کیا اور سکھ واپس ہری پور روانہ ہوئے۔ سکھ عہد حکومت پٹہ داری نظام تھا لوگ سکھوں کو مالیہ دینے سے اعتراض کرتے تھے سکھ زبردستی مالیہ وصول کرنے کے لئے مویشی، اناج و دیگر اشیاء ضبط کر لیا کرتے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی ہزارہ میں آمد

پائندہ خان سے ملاقات کی خواہش ۱۸۴۱ء

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا مہاراجہ کنور شیر سنگھ اس کا جانشین مقرر ہوا۔ مہاراجہ کنور شیر سنگھ نے ۱۸۴۱ء میں بے انتظامی کی وجہ سے ہزارے کا انتظام مہاراجہ گلاب سنگھ کو سونپ دیا تاکہ وہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرے۔ کشمیر میں شورش ختم ہوتے ہی مہاراجہ گلاب سنگھ، کنور پرتاب سنگھ فرزند ارجمند (مہاراجہ کنور شیر سنگھ) بائیس ہزار فوج کے ساتھ منزل بہ منزل کشمیر سے ہزارہ میں آئے موضع گاندھیاں پکھلی کے مقام پر قیام کیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا ہزارہ میں آنے کا مقصد نظم و نسق کی بہتری کے سلسلے میں پائندہ خان کی تائید حاصل کرنا تھی۔ جو سکھوں کے لئے ہر وقت مشکلات پیدا کرتا رہتا تھا اور سکھوں کے قابو سے باہر تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی منشا تھی کہ پائندہ خان کو دو پرگنے کلائی و بدنہک جو پلال تنولیوں کے تھے۔ اور سکھوں نے قبضے کئے ہوئے تھے دے کر پائندہ خان سے عہد لیا جائے کہ وہ آئندہ کوئی فساد نہ کرے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے سردار حبیب خان رئیس بیرلان اور شاہ اخفر ساکن بھوج درہ ان دونوں کو پائندہ خان کے پاس بھیجا کہ اس کو میرا سلام دو کہ مہاراجہ آپ سے ملنے کا متمنی ہے۔ بلا خوف و خطر ملاقات کے لئے آجائے میرا وعدہ ہے اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اگر خان موصوف نہ آئے تو اسے اپنی ضمانت پر لے کر آؤ لیکن پائندہ خان اپنے باپ نواب خان ہندوال کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس کو بھی ایک وفد کے ارکان عظیم خان درانی کے پاس لے کر گئے تھے۔ جس نے قرآن کا حلف لے کر وعدہ کیا تھا اس کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی اور بعد میں وہ منحرف ہو گیا تھا۔ پائندہ خان نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی ملاقات سے پہلو تہی کی اور وہ معززین کے ساتھ نہ آیا۔ معززین بے نیل و مرام واپس آئے تمام صورت حال سے مہاراجہ کو آگاہ کیا دریں اثناء پائندہ خان کے بھائی سردار مدد خان نے اپنے ساتھیوں فیض علی خان بن شاہ ولی خان ساکنہ پھوہار اور گاموں خان ساکنہ ککوتری کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ سے

ملاقات کی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور سردار مدد خان کی گفتگو ملکی مسائل اور ان کے حل کے علاوہ دیگر مختلف حالات پر بھی ہوتی رہی یہ گفتگو پورا ایک دن جاری رہی مہاراجہ نے دوران گفتگو سردار مدد خان کو بالغ نظر، صاحب جرات، ہوشمند با تدبیر شایان مقابلہ پائندہ خان پایا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے تناول حصہ ہندوالاں سردار مدد خان کو عطا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پائندہ خان کا ملک

اس کے چھوٹے بھائی سردار مدد خان کو عطا کرنا ۱۸۴۱ء

پائندہ خان نے ایک عرصہ سے اپنے چھوٹے بھائی سردار مدد خان کے پرگنے چھین ہوئے تھے جس کی وجہ سے سردار مدد خان اس سے ناراض تھا مہاراجہ گلاب سنگھ نے کافی عرصہ کے بعد سردار مدد کے پرگنے اسے واپس دلائے بلکہ ساتھ ملک تناول حصہ ہندوالاں سردار مدد خان کو عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ نظم و نسق بالخصوص پائندہ خان کے حملوں، فتنوں اور سازشوں سے بچاؤ کی خاطر بارہ ہزار سکھ فوج معہ کرنل انار اسنگھ اٹاری والا اور سردار بھوپالی سنگھ ماتحت سردار مدد خان دے دی تاکہ وہ امن برقرار رکھ سکے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے سردار مدد خان سے کہا کہ یہ ملک تمہارے سپرد ہے فوج تمہارے ماتحت ہے پائندہ خان تمہارا بھائی ہے۔ آپ اس کو بہتر جانتے ہیں وہ کسی قسم کا فساد نہ کرے یہ آپ کا کام ہے کہ آپ کس طریقے سے اسے قابو میں رکھتے ہیں۔ سردار مدد خان نے اپنے بیٹے عبداللہ خان کے ہمراہ سکھ فوج کو دریائے سندھ کے کنارے جہاں پائندہ خان کے دریا عبور کرنے کے راستے تھے متعین کیا سردار مدد خان نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں بہتر انتظام ہوگا تو مہاراجہ گلاب سنگھ پشاور روانہ ہوا۔ سردار مدد خان اور اس کے بیٹے عبداللہ خان نے ملکی اور سکھ فوج کے اشتراک سے ایسا انتظام کیا پائندہ خان کا کوئی راستہ عبور باقی نہ رہا۔ تمام راستے مسدود ہو گئے اس کی رعایا اس کی کوئی مدد نہ کر سکی اور اس طرح پائندہ خان کچھ عرصہ کے لئے فساد نہ کر سکا وہ اپنے علاقے سے کٹ کر رہ گیا۔

پائندہ خان کی آخری جنگ چھمبڑی ۱۸۴۲

(چھوٹا بھائی) سردار مدد خان بمقابلہ پائندہ خان (بڑا بھائی)

جب پائندہ خان کے تمام راستے بند ہو گئے اور آمد و رفت کا کوئی چارہ باقی نہ رہا تو وہ یاغستان سے نو ہزار غازیوں کو لے کر عہد و اقرار کے ساتھ دریائے سندھ عبور کر کے متصل موضع چھمبڑی آگر مورچہ زن ہوا۔ دوسری جانب سردار مدد خان اپنے بیٹے عبداللہ خان کرنیل انار سنگھ سردار بھولانی سنگھ کے ساتھ بمعہ توپ و تفنگ و آتشیں اسلحہ پانچ ہزار جنگجو آزمودہ کاروں کے ساتھ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہوا۔ جنگ شروع ہوتے ہی غازیوں نے کمال ثابت قدمی سے توپوں پر حملہ کیا اس حملہ کو روکنے کے لئے دوسری جانب سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اس جھڑپ میں غازیوں کے پچیس ۲۵ آدمی مارے گئے۔ جب پائندہ خان نے سردار مدد خان اور سکھوں کو جرأت ہمت اور بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے جنگ بندی میں مصلحت سمجھی اور دریا عبور کر کے واپس چلا گیا چند دنوں بعد وہ دوبارہ ملک رئیس کابل گراؤں سے کمک لے کر بمعہ کثیر لشکر غازیوں چھمبڑی پر حملہ آور ہوا۔ بر وقت نواب خان رئیس شنگڑی فیض علی خان رئیس پھوہار، گاموں خان ساکنہ گکوتری، نادر خان پھرہاڑی کی کمک سردار مدد خان کو مل چکی تھی۔ بھاری جمعیت کے ساتھ پائندہ خان کے مدمقابل ہوئے فریقین کے مابین خونریز جنگ ہوئی۔ پائندہ خان کے لشکر نے جنگ میں خوب بہادری کے جوہر دکھائے دونوں طرف سے بھاری جانی و مالی نقصان ہوا۔ پائندہ خان کے مقدر میں شکست لکھی ہوئی تھی وہ اس سے بچ نہ سکا پائندہ خان کی یہ آخری جنگ تھی۔ پائندہ خان اس جنگ کے صدمے سے مرض اسہال میں مبتلا ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ اس جہان فانی سے ۱۸۴۳ء میں رخصت ہو گئے انب میں دفنائے گئے۔ بعض تواریخ میں پائندہ خان کی وفات ۱۸۴۰ تحریر ہے جو کہ غلط ہے جب ۱۸۴۱ء میں دریائے سندھ میں طغیانی آئی تھی تو پائندہ خان زندہ تھے اور دوران طوفان بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ پائندہ خان کی صحیح تاریخ وفات ۱۸۴۳ء ہے کرنل چارلس میسن نے بھی ۱۸۴۳ء درج کی ہے۔ پائندہ خان کا عہد تاریخ تناول میں ایک طویل عہد ہے جب تک وہ زندہ رہے برسرپیکار رہے ان کی وجہ سے سکھ تناول میں اپنی گرفت مضبوط نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی

معقول انتظام ہو سکا پائندہ خان بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہونے کے علاوہ نہایت مردم شناس تھے ان کی مردم شناسی کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ لاہور کا ایک منجم جس کا نام میندر کپور وشنو تھا پائندہ خان کی ریاست میں آیا اور لوگوں کا ہاتھ دیکھ کر اور لکیریں کھینچ کر ان کو مستقبل کے حالات بتانے لگا لوگوں میں اتنا مشہور ہوا کہ اس کے چرچے ہر گلی و کوچے ہر دکان و مکان میں ہونے لگے۔ یہ بات مخبروں کے ذریعے پائندہ خان تک پہنچی تو پائندہ خان نے اسے حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس دوران پائندہ خان نے سوائے اپنی آنکھوں کے تمام چہرہ ڈھانپ لیا اور جوتشی سے کہا مجھے تم سے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں پوچھنا ماضی کے متعلق بتاؤ تاکہ میں تمہاری قابلیت و اہلیت کا اندازہ کر سکوں۔ جب وہ کچھ نہ بتا سکا تو اس کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ الغرض جب اس کی رہائی ہوئی تو سیدھا گھر گیا اور ناکام لوٹنے پر اپنا بیان دیتے ہوئے اس نے لاہور دربار میں کہا۔ پائندہ خان سمجھ گیا تھا کہ میں کون ہوں مجھے تو صرف ایک نظر دیکھنا مقصود تھا۔

لیکن موصوف نے مجھے وہ موقع فراہم نہیں کیا کہ انہوں نے چہرہ ڈھانپ لیا تھا"۔ وشنو لاہور دربار کا مصور تھا اس کی تمام عمر مصوری میں گزری۔ وہ اتنا ماہر تھا کہ ایک ہی نظر میں تصویر ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا۔ پھر چند منٹوں میں اس تصویر کو ہو بہو لکیروں کے ذریعہ کاغذ پر منتقل کر دیتا تھا۔ (سکھ عہد کے مصور اور ان کی عکاسی صفحہ ۲۱۳) پرانے زمانے میں جب کیمروں کا وجود نہیں تھا۔ سلطنتوں کے عکاسی سے متعلقہ امور شاہی مصور ہی سرانجام دیتے تھے آج بھی ان کی تصویریں دیکھ کر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔

جہان داد خان ہندوال ۱۸۴۳-۱۸۵۸

پائندہ خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جہانداد خان ۱۸۴۳ میں جانشین ہوا اس کی دستار بندی دیوان مولراج نے دھونکل سنگھ کو امب بھیج کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ کرائی جہان داد خان کی جانشینی کے چند ماہ بعد ۱۲ دسمبر ۱۸۴۳ء کو مہاراجہ کنور شیر سنگھ والئی لاہور اور اس کا بیٹا کنور پرتاب سنگھ لاہور میں اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھاوالیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے دیوان مول راج حاکم ہزارہ کو ان کے قتل سے سخت صدمہ پہنچا وہ ایک عرصہ تک بیمار رہا۔ سکھ آپس کی خانہ جنگی کے باعث دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان کی حکومت

رو بہ زوال ہو رہی تھی پنجاب کے حالات مشکل ترین دور سے گزر رہے تھے سکھوں کو اپنے سروں پہ انگریزوں کا منڈلاتا ہوا سایہ بخوبی نظر آرہا تھا۔ لیکن اندرونی طور پر وہ آپس میں ایسے الجھ گئے تھے کہ آپس کے نفاق کو ختم نہ کر سکے۔ جہاں داد خان کے ساتھ سکھوں کا رویہ بہت اچھا رہا جہاں داد خان کو اپنے باپ کا وہ تمام علاقہ جو مہاراجہ گلاب سنگھ نے سردار مدد خان کو عطا کر دیا تھا سوائے پھلڑہ کے تمام وہ علاقہ دستار بندی کے موقع پر واپس مل گیا بلکہ ۱۸۴۴ میں سکھوں نے کلائی اور بدہنک کے پرگنے بھی جہاں داد خان کو واپس کر کے اس سے اپنی خیر خواہی اور خیر سگالی کا اظہار کیا یہ دونوں پرگنے سکھوں کے قبضہ میں تھے۔ دیوان مولراج دو دفعہ حاکم ہزارہ ہوا دوسری بار (۱۸۴۴-۱۸۴۶) جب وہ حاکم ہزارہ ہوا تو اس وقت سکھوں کی حکومت نہایت ہی نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ملک میں ان کی گرفت کمزور پڑھ چکی تھی۔ جہاں داد خان نے اپنے زمانے میں سکھوں کو جاتے دیکھا اور انگریزوں کو آتے دیکھا یعنی ایک کو بوریا بستر سمٹتے دیکھا دوسرے کو لگاتے دیکھا جہاں داد خان نے انسانی ہمدردی کے تحت سینکڑوں سکھوں کو ایک عرصے تک اپنی حفاظت میں رکھا جب تک کہ ان کو خطرہ لاحق رہا امن بحال ہونے پر بحفاظت ان کو روانہ کیا یہ بات سکھوں کو بخوبی معلوم تھی کہ پائندہ خان نے تو زندگی بھر ان کی اطاعت قبول نہیں کی جس کی وجہ سے جہاں داد خان کو سات سال سکھوں کا نظر بند رہنا پڑا سکھوں نے موقعہ غنیمت جان کر جہاں داد خان کے ساتھ اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کیا تاکہ جہاں داد خان بھی سکھوں کے ساتھ آئندہ اچھا برتاؤ کرے۔

۱۸۴۵ء میں ملکی لوگوں نے غلام خان ترین کے ساتھ مل کر ہری پور شہر پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کشن گڑھ کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو دو ہفتے گزر گئے تھے۔ قلعہ کے اندر پانی باہر سے کٹھا رنگیلا کا آتا تھا۔ جو کہ لوگوں نے کاٹ دیا قلعہ کے اندر کنوئیں اور تالاب کا پانی بھی ختم ہو گیا۔ محصورین میں پانی کی تنگی شدت اختیار کر گئی۔ روٹی کھائے بغیر چار دن گزر سکتے ہیں لیکن پانی کے بغیر ایک دن گزرنا بھی مشکل ہے۔ سکھوں نے بھی ایسی اذیت ناک زندگی سے مرجانا ہی بہتر سمجھا اور ملکی حملہ آوروں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا چنانچہ وہ چھ کمپنیوں دو توپوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے قلعہ سے باہر آگئے جب انہوں نے توپ کا پہلا گولہ سر کیا تو گولہ بھیر بالہ میں جہاں خان زمان خان طاہر خیلی کے لوگ جمع تھے کے نزدیک جا گرا گولہ گرتے ہی لوگ گندگرہ کی طرف فرار ہو گئے دوسرا گولہ مانکرائے کی مسجد پر گرا

جہاں مجاہدین مولانا ولایت علی اپنے گولہ بارود اور اسلحہ کے ساتھ مقیم تھے اور حملہ کے لئے منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ گولہ سے بارود میں آگ لگ گئی اور چشم زدن میں سترہ آدمی گاس کے تنکوں کی طرح ہوا میں اڑ گئے ان کے اعضا بکھر کر تین میل کے علاقے میں گرے یہ دیکھتے ہوئے تمام لوگ افغان، جدون، تنولی مجاہدین ایسے بھاگے کہ بگڑہ، چنبہ، نوشہرہ میں جا کر دم لیا۔ غلام خان ترین جو کہ ہری پور شہر میں تھا جب اس نے سنا نواب خان اور خان زمان خان بھاگ گئے ہیں پھر اس نے دیر نہیں کی۔ وہ بھی گل ڈھیری کی طرف بھاگ گیا دریں اثناء پشاور سے سکھوں کی امداد کے لئے بہ سرکردگی کاہن سنگھ تین پلٹنیں آگئیں جنہوں نے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر انتقام لینا شروع کر دیا۔ لاہور سے راجہ لال سنگھ نے دیوان مولراج کو لاہور دربار طلب کیا تو سکھ و ہندو معززین شہر ہری پور نے دیوان مولراج کو مشورہ دیا۔ کہ لاہور میں اس وقت کوئی خاص حکومت نہیں ہے تمہارا قلعہ کشن گڑھ چھوڑنا اس وقت سکھوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ جب تم یہ قلعہ چھوڑ دو گے تو مسلمان اس پر قبضہ کر لیں گے جو ایک دفعہ پہلے بھی کوشش کر چکے ہیں ان کے ملک پر قبضہ کر لینے سے کشمیر سے پشاور کا راستہ منقطع ہو جائے گا لیکن دیوان مولراج نے تمام مشوروں کو بالائے طاق رکھ کر تین پلٹنیں ساتھ لے کر حسن ابدال میں ڈھائی ماہ مقیم رہا اور لاہور نہ جا سکا۔

سحر آزادی۔ ہندوستان میں پہلی اسلامی سلطنت کا قیام دسمبر ۱۸۴۵ء جون ۱۸۴۶ء

اسلامی مملکت جس کی پہلی اینٹ ہزارہ کے ہنستے غیور عوام نے رکھی تواریخ میں واقعات یوں تحریر ہیں کہ یونہی دیوان مولراج نے قلعہ کشن گڑھ ہری پور خالی کیا جو سکھوں کا دارالخلافہ تھا مسلمان جنہوں نے ایک مرتبہ پہلے بھی ناکام کوشش کی تھی منتظر تھے۔ نواب خان تنولی، غلام خان ترین، خان زمان طاہر خیلی اپنے آدمیوں کے ساتھ معمولی مزاحمت کے بعد بغیر حیل و حجت فوراً قلعہ کشن گڑھ ہری پور پر قابض ہو گئے انہوں نے آپس میں باہمی صلاح و مشورہ کے بعد سید اکبر شاہ ستھانہ کو اپنا امیر مقرر کر لیا اور شرعی طریقے سے نظام حکومت چلانے لگے۔ اس تحریک کا اصل محرک نواب خان تنولی رئیس شنگڑہی تھا جس نے سب سے پہلے اسلامی مملکت قائم کرنے کے لئے رئیسان ہزارہ کو قلعہ کشن گڑھ پر قابض ہونے کے لئے متفق و آمادہ کیا اس یقین دہانی کے ساتھ کہ اس سے بہتر اور کوئی

موقعہ نہیں ہے اور نہ کبھی آئے گا اس موقعہ کو ضائع کرنا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا ہماری سب سے بڑی حماقت اور غلطی ہوگی معقول استدلال کی بنا پر سب نے اتفاق کیا۔ تمام رئیسان جن میں خان زمان خان طاہر خیلی رئیس گندگر، سردار حسن علی کرٹمال، غلام خان ترین رئیس گل ڈھیری، صالح محمد ملک سری کوٹ اور بہت سے دوسرے ممتاز سرکردہ مقامی لوگ شامل تھے برِ صغیر میں تحریک جدوجہد آزادی میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی مملکت کے لیے باتفاق نواب خان تنولی رئیس شنگرٹی کو وزیر اول یعنی سینئر وزیر منتخب کیا گیا۔ بعد ازاں باتفاق دیگر تین اشخاص بہ رتبہ وزیر نواب خان تنولی نے اپنے ساتھ شریک کیے۔ غلام خان ترین، رسالدار سیف اللہ۔ سید عبدالغفور شاہ تاریخ مخزن پنجاب صفحہ ۳۹۱" پر لفظ عربی مدار المہام استعمال ہوا ہے جس کے معنی وزیر اعظم کے ہوتے ہیں تحریر ہے نواب خان تنولی رئیس شنگرٹی، اور غلام خان رئیس گل ڈھیری مدار المہام مقرر ہوئے۔ زیریں ہزارہ اور تناول میں دسمبر ۱۸۴۵ - ۱۸۴۶ جون تک اسلامی سلطنت رہی تمام سکھوں کے قلعوں اور تھانوں پر مسلمان متعین ہوئے ایک فصل کا مالیہ وصول ہوا اسلامی سلطنت قائم ہوتے ہی سکھ مسلمانوں کے خوف سے ایسے ڈرے کہ مسلمان ضرور بدلہ لیں گے اپنا مال اسباب چھوڑ کر جہاں جس کا جی چاہا فرار ہو کر پناہ گزین ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر نواب خان تنولی نے سب سکھوں اور ہندوؤں کو یقین دلایا کہ آپ اپنا گھر بار نہ چھوڑیں اور بے خطر ہو کر رہیں کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے گا اگر کسی کو کوئی شکایت ہے تو براہ راست مجھ سے شکایت بیان کرے بالائی ہزارہ میں ۱۸۴۵ کے اختتام پر اسی دوران جبکہ زیریں ہزارہ میں اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آچکا تھا مولانا ولایت علی نے مجاہدین اور ملکی لوگوں کی مدد سے بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا اور ۱۸۴۶ کے اوائل میں گڑھی حبیب اللہ پر بھی قابض ہو گئے۔ قلیل عرصے میں بالائی ہزارہ پر مکمل طور پر مولانا ولایت علی کا تسلط ہو گیا بلکہ کاری ضربات لگنے سے سکھ نواں شہر سے بھی دستبردار ہو گئے اس طرح پکھلی دھمتوڑ، رش، ہری پور، تناول اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ سکھوں میں اتنی طاقت باقی نہ رہی کہ وہ اپنے قلعوں کو دوبارہ آزاد کراتے کیونکہ ان کا مرکز لاہور سخت بے انتظامی اور افراتفری کا شکار تھا اردو کا ایک محاورہ ہے بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی لوگوں نے سکھوں کی یہ سراسیمگی دیکھی تو وہ سکھوں سے اسباب و ہتھیار چھیننے کے لیے نکل پڑے۔ ڈنڈوں اور پتھروں سے سکھوں پر

حملہ آور ہوتے اور ان سے ہتھیار چھیننے کی کوشش کرتے کہتے ہیں ایک گوجر نے جو کھیتوں میں ہل جوت رہا تھا اتنے سکھ مارے اور ان سے اسلحہ چھینا کہ شام کو گھر جاتے ہوئے چھینی ہوئی بندوقوں کا گٹھا سر پر اٹھا کر لایا۔ ہزارہ میں مسلمانوں نے اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈال کر یہ ثابت کر دیا وہ کسی بھی غیر قوم کے محکوم بننے کے لیے تیار نہیں ہیں ان کی اپنی ایک الگ معاشرت ہے اور جدا نظام کاروبار ہے اس لیے وہ دوسروں کے دیئے ہوئے مصنوعی نظام کو قبول کرنے کے لیے کبھی دل و جان سے آمادہ نہیں ہوں گے۔ ہزارہ میں سکھ دورِ حکومت شروع سے لیکر آخر تک استحکام حاصل نہ کر سکا ان کے آخری دور میں سید اکبر شاہ ستھانہ اور نواب خان تنولی، رئیس شنگھرٹی دو ایسی جہاں دیدہ باشہ ہستیاں نمودار ہوئیں جنہوں نے بامداد غلام خان ترین سکھوں کی جڑیں ہلا دیں۔ حکومت الہیہ قائم ہو چکی تھی گو یہ تھوڑا ہی عرصہ قائم رہی لیکن یہ ایک حقیقت ہے اس کی پہلی اینٹ خطہ سرزمین ہزارہ میں رکھی گئی یہ اعزاز ان شمع آزادی کے متوالوں کو جاتا ہے جنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے آزاد اسلامی مملکت کے لیے راہ ہموار کی وہ سکھوں کی توپوں سے اڑ گئے لیکن دوسروں کے لیے آزادی کی سحر کر گئے۔ یہ تحریک آزادی کا ہراول دستہ تھا جس میں درج ذیل حریت پسند شامل تھے۔

(۱) بوستان خان ترین (درویش) (۲) جلال خان دلازاک (سرائے صالح)

(۳) شیر محمد برادر صالح محمد (سرائے صالح) (۴) محمد ترینؒ (درویش)

(۵) شیخ جدون (رجوعیہ) (۶) صالح محمد مشوانی (سری کوٹ)

(۷) سلیم شاہ مشوانی (سری کوٹ)

ابھی حال ہی میں ۱۹۸۹ء قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد نے میاں اکبر شاہ (بدرشی) کی ایک کتاب "آزادی کی تلاش" شائع کی ہے یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں لکھی گئی تھی لیکن شائع نہ ہو سکی روئیداد یہ ہے چار طالب علم جو اسلامیہ کالج پشاور میں زیر تعلیم تھے۔ اپنے وطن عزیز کو آزادی دلانے کے لیے نکلے۔ ان دنوں افغانستان انگریزوں کے خلاف اپنی جنگِ استقلال میں مشغول تھا ان کا خیال تھا کہ افغانستان کی حملہ آور فوج کی مدد سے ہم لوگ آزادی میں حصہ لیں گے لیکن ان کی آزادی کی تلاش افغانستان

تک محدود نہ رہی ، وہ کابل ، بلخ ، بخارا ، تاشقند ، ماسکو ، باکو ، قفقاز ، ایران ، تکالیف برداشت کرنے کے بعد جب ۱۴ اگست ۱۹۲۲ء وطن عزیز واپس لوٹے تو ان کی گرفتاری کے لئے استقبال کرنے والا انسپکٹر سی آئی ڈی شیخ عبدالعزیز موجود تھا ۔ جس نے تعزیرات ہند دفعہ ۱۲۱ الف کے تحت ان حریت پسندوں کو گرفتار کر لیا گرفتار ہونے والوں میں کتاب کا مصنف میاں اکبر شاہ (بدرشی) گوہر رحمٰن خان (درویش ہری پور ہزارہ) سلطان محمد خان (ریحانہ ہری پور ہزارہ) ایم اے مجید (لاہور) فیروزالدین منصور (شیخوپورہ) رفیق (بھوپال) سید حبیب شاہ پور) شامل تھے ۔ انگریز سیشن جج فریزر کی عدالت (پشاور) میں عرصہ دراز تک ان پر مقدمہ چلتا رہا آخر کار سزایاب ہوئے شیخ عبدالعزیز انسپکٹر سی آئی ڈی قادیانی فرقے سے تعلق رکھتا تھا ۔ اپنی گھناؤنی سازشوں کے باعث انگریزوں نے اسے خان بہادر کے لقب سے نوازا ۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

؎ جس خاک کے ضمیر میں ہو آتش چنار ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند ۔

اسلامی مملکت کے قیام سے چند ماہ قبل سکھوں اور انگریزوں کی پہلی لڑائی ہو چکی تھی حقیقت یہ ہے ۱۸۴۵ء میں سکھ راہنماؤں لال سنگھ اور تیج سنگھ دونوں نے سکھ افواج کو دریائے ستلج پار کرا کر انگریزی فوج سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کیا یہ سکھوں اور انگریزوں کی پہلی لڑائی تھی ۔ جس میں سکھوں کو بھاری شکست سے دو چار ہونا پڑا ۱۸۴۶ء معاہدے کی رو سے تاوان مقرر ہوا سکھ حکومت کا دیوالیہ ہو چکا تھا پیسہ پیسہ کی محتاج تھی کہ کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس فروخت کر دیا ۔ جس کا مفصل بیان گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے ۔ انگریز کامیاب ہونے کے بعد پنجاب کے اکثر علاقوں میں دخل دینے کے مجاز ہو گئے ۔ سکھوں سے ان کی صلح ہو چکی تھی ہزارہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت ہونے پر ہزارہ کے لوگ اس بے انصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے مہاراجہ گلاب سنگھ باوجود ہر کوشش کے امن برقرار نہ رکھ سکا اس نے علاقہ تبدیل کرنے کی تجویز پیش کر دی اس طرح لاہور ریذیڈنسی کی طرف سے میجر ایبٹ صاحب

کی ہزارہ میں آمد ہزارہ کے لوگوں کے لئے ایک نیک شگون تھی جس نے آگے چل کر تھوڑے ہی عرصے بعد دوستی و خیر خواہی کا روپ دھارا اور ہزارہ کی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ایبٹ کا نام درخشاں ستارے کی طرح روشن کیا ۔

جہانداد خان کی علالت اور فوج میں اضافہ ۱۸۴۸ء

جہانداد خان ایک عرصہ سے صاحب استراحت تھے صحت بحال ہوئی تو فرائض منصبی سرانجام دینے لگے رعیت آستان بوسی کے لئے حاضر ہوئی ان کی عمر درازی ، سرفرازی اور اقبال مندی کے لئے دعائیں ہوئیں ادھر ملک میں سکھ اور انگریز ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے اپنی دفاعی تیاریوں میں مشغول تھے دونوں میں رسہ کشی ہو رہی تھی ۔ نواب جہانداد خان کو چتر سنگھ نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن نامہ بروقت ایبٹ کے ہاتھ لگنے سے ناکام رہا ۔ گو جہانداد خان اپنے باپ کے برابر صاحب ہمت اور طاقت ور نہ تھا ۔ لیکن ملک میں ایک بڑی ریاست کا مالک تھا جسے وہ طاقتور بنانا چاہتا تھا ۔ جہانداد خان نے اپنی تمام فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور ساتھ فوج میں اضافہ کیا ملکی لوگوں کے علاوہ افغان جنگجو قبائل کو بھی شامل کیا گیا ۔ فوج کی تربیت کے لئے تربیت یافتہ افراد کی خدمات حاصل کی گئیں ۔ اور ان کو فوج کی تربیت پر مامور کیا گیا ۔ ۱۸۴۶ء کے فساد میں جہانداد خان نے نہایت عقلمندی سے کام لیتے ہوئے سکھوں کی ان فوجیوں کو جو اس کے علاقوں کے قلعوں میں تھیں اور دوسرے علاقوں کے سکھ اور ہندو جو بھاگ کر ان قلعوں میں پناہ گزین ہوئے اس نے ان کی جان بچائی مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کے صلے میں کالنگا اور کالنجا دو پرگنے واقعہ سیران سندھ دو آب میں عطا کیے ۔ سکھوں سے اچھے برتاؤ کی وجہ سے شروع میں یہی خیال کیا جاتا تھا کہ جہانداد خان سکھوں کے حلیف ہیں یہ محض لوگوں کا خیال تھا جو کچھ عرصہ بعد بالکل درست ثابت ہوا جہانداد خان صلح کن دامن پسند اور سخی طبیعت کے مالک تھے ۔ ایک موقع پر ایک سوالی نے دس ہزار روپے کا سوال کیا تو وہی رقم سوالی کو دے دی ۔ انہوں نے اپنے باپ کے برعکس کم جنگیں لڑیں کیونکہ ان

کے عہد میں امن بحال ہو چکا تھا۔ اور بدامنی کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔ سکھ ہمیشہ کے لیے ۲۱ فروری ۱۸۴۹ء کو اقتدار سے محروم ہو گئے تھے۔ ساڑھے تین سال کی قلیل مدت میں سکھوں کی انگریزوں سے صرف دو لڑائیوں میں سکھوں کو بہت بھاری مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ پہلی لڑائی میں تاوان جنگ ادا کرنا پڑا دوسری اور آخری لڑائی جو کہ ۲۱ فروری ۱۸۴۹ء کو چلیانوالہ ضلع گجرات کے مقام پر لڑی گئی۔ سکھوں کو ہمیشہ کے لئے اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔ سکھوں کی مسلمان دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے غنیمت جانا کہ حکومت مسلمانوں کو تو نہیں ملی ہندوؤں اور سکھوں نے انگریزوں کی غلامی کو خوشی دلی سے قبول کر لیا مسلمانوں پر یہ مثل صادق آتی ہے آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا سکھوں کی غلامی سے تیس سال بعد چھٹکارا ملا تو انگریزوں کی غلامی کا طوق گلے کا ہار بنا پنجاب میں سکھوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہزارہ میں انگریزی حکومت کا دخل ۱۶ اپریل ۱۸۴۹ء کو شروع ہوا میجر جیمس ایبٹ ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔

جہاں داد خان ہندوال کی غلام خان ترین کو چھڑانے کی ایک ناکام کوشش ۲۳ اپریل ۱۸۴۹ء

جہانداد خان اپنی فوج کے ساتھ غلام خان ترین کو چھڑانے اچانک قلعہ کشن گڑھ ہری پور آ پہنچا لیکن مخبر کی قبل از وقت اطلاع ملنے پر غلام خان ترین کو ایک دن پیشتر بمعہ اس کے دیگر ساتھیوں کے قلعہ اٹک میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جہاں داد خان کے وزیر محمد عرفان نے جہانداد خان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے دوست غلام خان کو آسانی کے ساتھ طاقت کے استعمال سے رہا کرا سکتا ہے جہانداد خان نے اپنے وزیر کے مشورہ کے مطابق یہ کارروائی کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ بات قابل ذکر ہے جب چتر سنگھ نے ۱۸۴۸ء میں امیر دوست محمد خان والئی کابل کو ہزارہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی تو حیدر خان درانی اس کا لڑکا درانی فوج کو لے کر ہزارہ میں داخل ہوا تو غلام خان

سرن کے پار بھی جا پہنچا۔ لیکن وہ میجر ایبٹ کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا میجر ایبٹ غلام خان ترین کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا جس کی وجہ سے اس کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی جہاں داد خان کی فوج کے ساتھ آمد اس جگہ جہاں غلام خان ترین مقید تھا۔ میجر ایبٹ کے لئے پریشانی کا باعث بنی رہی۔ بعد ازاں جہاں داد خان کو میجر ایبٹ نے اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ جب ہزارہ میں آئے بغیر اجازت نہ آئے اور سوائے اپنے حفاظتی دستے (باڈی گارڈ) کے اپنی فوج کے ساتھ اس طرح نقل و حرکت نہ کرے۔ اس طرح کی نقل و حرکت سے عوام میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں جس سے لوگوں میں غلط قسم کی افواہیں پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے جو تشویش کا باعث بنتا ہے۔ سکھوں اور ان کے حلیف درانیوں کی شکست کے بعد جب انگریزی حکومت کا ہزارہ میں دخل شروع ہوا۔ تو غلام خان ترین نے لوگوں کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اپنے آپ کو میجر ایبٹ کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے گرفتار نہیں کرے گا لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا میجر ایبٹ نے گرفتار کر کے قلعہ کشن گڑھ میں قید کر لیا۔ بعد میں غلام خان اٹک قلعہ میں منتقل ہوئے وہاں چند ماہ قید رہنے کے بعد دہلی کی جیل میں منتقل کئے گئے بالآخر ہزارہ کے اس دلیر غیور سپوت کو الہ آباد جیل میں پھانسی دے دی گئی۔

کوہ سیاہ (بلیک ماؤنٹن) کی پہلی مہم ۱۸۵۱ء

جہاں داد خان اور حسن زئیوں کی کشمکش

محکمہ نمک کے دو انگریز افسر مسٹر کارن اور ٹیپ اکتوبر ۱۸۵۱ء ریاست امب میں تحقیق کرنے آئے کہ بغیر اجازت نمک کشمیر تک پہنچا کر اس کی ناجائز تجارت کی جاتی ہے۔ جو محکمہ نمک کی خلاف ورزی تھی ابھی وہ دونوں انگریز افسر ریاست ہی میں تھے کہ حسن زئیوں کے چند مسلح افراد نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ انگریزوں نے نواب جہاں داد خان اور اس کے وزیر پر قتل کا شبہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی حسن زئیوں کو حوالہ سرکار کرنے کا مطالبہ کیا جہاں داد خان نے یہ مطالبہ مان لیا جتنے بھی حسن زئی اس کے علاقے میں ملے

اور انگریزوں کے عتاب سے بچ نکلے لیکن اس کا نتیجہ کشیدگی کی صورت میں نکلا حسن زئیوں نے انتقام کے لیے امب کے سرحدی دیہات تباہ کر ڈالے دریں اثنا مولانا نہایت علی کو موقع مل گیا جو ایک عرصہ سے جہاں داد خان کے برخلاف اقدام اٹھانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ حسن زئیوں کا ساتھ دیں حسن زئیوں نے دو سرحدی قلعے چمبیڑی اور شنگلی پر قبضہ کر لیا اور وہاں خوب لوٹ مار کی۔ انگریزوں کو امن و امان قائم رکھنے کے لیے حسن زئیوں کے برخلاف اقدام اٹھانا پڑا اور وہ جہاں داد خان کی مدد کو آ پہنچے قلعہ شیر گڑھ فوج کا مرکز بن گیا اور جہاں داد خان نے تین اطراف سے یورش کی حسن زئیوں نے کوئی مقابلہ نہ کیا آخرکار حسن زئیوں کے چند گاؤں جلا دیئے گئے اور فوجیں واپس آ گئیں اور مجاہدین کی طرف متوجہ ہوئیں جنہوں نے حسن زئیوں کی مدد کی تھی۔ اور جہاں داد خان کا دریائے سندھ کے دائیں جانب ایک قلعے کوٹلہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں داد خان کی فوج نے ۵ جنوری ۱۸۵۳ء کو عشرہ کوٹلہ کے شمال مغرب میں مورچے قائم کر لیے ۶ جنوری کو میجر ایبٹ کی فوج بھی آ گئی دونوں فوجوں نے مل کر میجر ایبٹ کی سرکردگی میں کوٹلہ پر حملہ کیا۔ مجاہدین جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے والئ امب نے ان کا تعاقب کیا چالیس آدمی مارے گئے اور ستھانہ سے بھی نکل گئے مزید کارروائی کے بغیر فوج واپس آ گئی جہاندادخان انگریزوں سے وابستگی قبول کر چکا تھا اس وقت جیسے حالات درپیش تھے ان حالات میں وابستگی کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید آج تاریخ اس خاندان کو ہمیشہ کے لیے بھلا چکی ہوتی جہاں داد خان کی اس وابستگی کو مولانا نہایت علی بری نظر سے دیکھتے تھے اور مسلم دشمن قرار دیتے تھے۔ وہ تیزی طبع اور گرم مزاجی کے باعث انگریزوں کے خلاف جنگ پر بضد تھے۔ جب کہ ان کے بھائی مولانا ولایت علی تیاری کے بعد آزادی کے لیے جنگ کے خواہاں تھے۔ دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا مولانا نہایت علی تادیبی کارروائی کے لیے اصرار کر رہے تھے لیکن مولانا ولایت علی بعض مصلحتوں کی بنا پر ایسا کرنے کو تیار نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ اس وقت بے سروسامانی کی حالت میں مجاہدین کی مشکلات میں اضافہ ہوگا مولانا ولایت علی تمام گردو پیش کے حالات سے باخبر تھے وہ بخوبی جانتے تھے

کہ جن سادات ستھانہ کے ہاں وہ قیام پذیر ہیں وہ جہاں داد خان کے قریبی رشتہ دار ہیں اس طرح پیچیدگیاں بڑھنے کا احتمال و امکان ہو سکتا ہے۔ بھائیوں کے اختلاف کی وجہ سے مجاہدین بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے بنگال کے مجاہدین مولانا نہایت علی کی حمایتی و ہمنوا تھے اور صادق پور پٹنہ کے مجاہدین مولانا ولایت علی کے جانثار تھے ایک موقع ایسا بھی آیا کہ دونوں گروہوں میں لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ مولانا ولایت علی کی کوششوں سے یہ خطرہ ٹل گیا اس کے بعد مولانا نہایت علی منگل تھانے چلے گئے یہ ۲۹ جون ۱۸۵۲ء کا واقعہ ہے پھر زندگی بھر دونوں بھائی آپس میں نہ مل سکے پانچ ماہ بعد مولانا ولایت علی چونسٹھ سال کی عمر میں بعارضہ خناق ۶ نومبر ۱۸۵۲ء کو انتقال کر گئے۔

ہزارہ دوران جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ کے اعلان جنگ آزادی اس ضلع میں کوئی بغاوت رونما نہیں ہوئی سوائے مردان سے ۵۵ نمبر پلٹن کے جو فوجی ہزارہ میں داخل ہوئے ان حریت پسندوں کو چند مقامی سرداروں کے تعاون سے پکڑ کر میجر جان ایبٹ نے پھانسیاں دیں۔ جان میجر اکتوبر ۱۸۵۳ تا ۱۹ اپریل ۱۸۵۹ تک ضلع ہزارہ کا ڈپٹی کمشنر رہا ہے بہت ظالم تھا یہ جلاد انسان اپنی سفاکی کے لحاظ سے کسی طرح فریڈرک کوپر ڈپٹی کمشنر امرتسر اور جان نکلسن ڈپٹی کمشنر راولپنڈی سے کم نہ تھا۔ جنگ آزادی کے شعلوں نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا چنانچہ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ رات کو مردان میں مقیم ۵۵ نمبر رجمنٹ نے سرکشی اختیار کر لی اس بدنصیب رجمنٹ کا مرکز مردان تھا اور دو دستے نوشہرہ اور اٹک میں مقیم تھے باغی پلٹن کی منزل سوات تھی۔ کرنل چیوٹ کی سرکردگی میں پشاور سے تین سو گورے ڈھائی سو افراد پولیس اور رسالہ بمعہ آٹھ توپوں کے مردان کی طرف روانہ ہوئے تاکہ بغاوت فرو کر سکیں لیکن ان کے مردان پہنچتے ہی ۵۵ نمبر رجمنٹ مردان چھوڑ چکی تھی اس رجمنٹ کے یہ ابتدائی حالات تھے جس نے آزادی کی جدوجہد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے ایک مثالی راہ عمل کی نشاندہی کی۔ مردان چھوڑتے ہی اس رجمنٹ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا پشاور سے نکلسن کی سرکردگی میں مزید گورا فوج نے اس رجمنٹ کا تعاقب کیا اور ۲۴ گھنٹوں کے بعد اس رجمنٹ کے ساتھ کشمکش شروع ہو گئی۔ اس رجمنٹ کو ابتداء ہی سے بھاری مالی و جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا اس رجمنٹ کی ابتدائی صورت حال کا نقشہ انگریزی رپورٹ (میمونٹی رپورٹس جلد ہشتم حصہ دوم صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(دیہاتوں کی سرحدوں تک دو دن ان کا شکار کیا گیا۔ ندی نالوں میں ان سے جھڑپیں ہوئیں ٹیلوں سے انہیں مار بھگایا بھاگتے ہوئے ایک سو بیس آدمی کام آئے ان میں سے تین گنا زخمی ہوئے ایک سو پچاس آدمی گرفتار ہوئے بہتوں کو نکلسن نے خاک میں ملایا۔)

جب یہ حریت پسند سوات سے نکالے گئے تو ان بیچارے مجاہدوں پر مصیبت کے پہاڑ

ٹوٹ پڑے ان کی راہ میں اگر کوئی غیر مسلم روکاوٹیں کھڑی کرتا تو ان کو شکوہ و شکایت نہ ہوتی لیکن مسلمانوں نے قدم قدم پر ان کو اذیتیں دے کر انگریزوں سے خوشنودی حاصل کی ہے۔ وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے ان مجاہدوں نے اپنے گھروں سے ہزاروں میل دور وطن کی آزادی کی خاطر ہتھیار اٹھائے وہ بہادر و غیور انسان تھے۔ ان کی بہادری شجاعت و عزم لازوال تھا ان کی آئندہ منازل کی داستان ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر میجر جان ایبٹ بیان کرتے ہیں (میونٹی رپورٹس جلد ہشتم حصہ دوم صفحات ۱۳۶ - ۱۵۰)

مجھے ٹیل وادی کونش کے ملک محمد خان کا خط ایبٹ آباد میں ۲۳ جون کو ملا جس کے ساتھ جمال خان کا خط بھی تھا۔ جمال خان جرگے کا بااثر آدمی تھا خط میں لکھا تھا چھ سو ہندوستانی جو انگریزوں کی فوج سے بھاگے ہیں آگے جانے کے خواہاں ہیں۔ ایک اور خبر آئی تعداد چھ سو نہیں بلکہ سات سو ہے فوجیوں نے تھاکوٹ سے شنائیوں کے ذریعے دریا عبور کیا اور اب جمال خان کے گاؤں کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اس گاؤں کا نام کرگ بتایا گیا ہے میجر مزید لکھتا ہے

۱- میرے پاس سادات کا خان مظفر خان رئیس ننده هیاڑ کے اور بعض دوسرے ذی اثر آدمی موجود تھے میں نے انہیں روانہ کر دیا تاکہ اپنے آدمی جمع کر سکیں۔ اور پکھلی کے اوپر جتنے درے ہیں روک سکیں۔

۲- الائی کا علاقہ آزاد تھا اور کونش محمد امین خان ساکن گڑھی کی جاگیر میں تھا میں نے محمد امین کو حکم بھیجا کہ فوراً اپنی جاگیر میں چلا جائے اور مظفر خان سے مشورہ کر کے ہندوستانیوں کو آگے جانے سے روکے۔

۳- میں خود ڈوڈیال چلا اور اپنے جاسوس جگہ جگہ روانہ کر دیئے جاسوسوں کی اطلاعات یہ تھیں ہندوستانیوں کے پاس بندوقیں ضرور ہیں لیکن تن پر کپڑے نہیں اور نہ ہی بارشوں اور اوس سے بچنے کا کوئی بندوبست ہے۔ ان کے ساتھ اخوند صاحب سوات کے قاصد ہیں اخوند صاحب نے تمام مسلمانوں کو ہدایت کی ہے انہیں حفاظت سے آگے لے جائیں جو ان کا مقابلہ کرے گا اس کا ایمان زائل ہو جائے گا۔

جان ایبٹ پوری سرگرمی اور مستعدی سے ان مجاہدوں کو نیست و نابود کرنے میں لگا ہوا تھا اس

نے علاقے کے باا ثر لوگوں کو حکم دیا کہ ان مجاہدوں کی ناکہ بندی کی جائے جہاں یہ ملیں ان کا شکار کیا جائے یعنی قتل کیا جائے کاغان سے ملے ہوئے کشمیری علاقہ کے رئیس شیر احمد کو حکم بھیجا اور تاکید کی ۔ جو حریت پسند تمہاری حدود سے گذر کر بالائی علاقہ کی طرف جائیں ان کو قتل کر دیا جائے ۵ جولائی ۱۸۵۷ کو ۵۵ نمبر پلٹن کے فوجی کوہ نیلی ندی پر مقیم تھے اس جگہ کا نام ٹیلا ساپناں ہے ۔ میجر جان بیچر مزید لکھتا ہے ۔

۱۔ چھ ہندوستانی دوپہر کے بعد رسد لینے گاؤں آئے انہیں گرفتار کر لیا گیا ان میں سے دو کسی طرح بچ کر نکل گئے جنہوں نے اپنے ساتھیوں کو مطلع کر دیا تھا اور کوہستانی ہر طرف سے ان پر ہجوم کی شکل میں بڑھے اونچے ٹیلوں سے آتش بازی شروع کی ۔

۲۔ بہت سے ہندوستانی قتل کئے گئے اور بہت سے مجروح ہوئے لڑائی اگلے دن بھی جاری رہی آخر انہوں نے ایک ہلہ کر کے ندی کے پل پر قبضہ کر لیا اور ایک گاؤں پر بھی قبضہ کر لیا پھر اخوند صاحب (سوات) کا ایک ملا آگے بڑھا اس نے سب کو ایذا رسانی سے منع کیا ۔

۳۔ سادات کاغان نے مجھے (بیچر) کو پیغام بھیجا جس میں صورت حال کی وضاحت کی گئی اور یہ بھی کہا ہم کچھ قیدی ساتھ لا رہے ہیں ۔ میں نے انہیں تاکید کر دی ہندوستانی آگے بڑھیں گے تو ان کی سرحد کے پاس سے گزریں گے لہذا مزید شکار کا موقع موجود ہے ۔

شیر احمد خان نے بھی حکم ملتے ہی آدمی اپنی سرحد پر متعین کر دیئے ۔ جب ۵۵ نمبر رجمنٹ کے مجاہد بالائی کاغان کی مشہور جھیل لالو سر کے پاس گوائی کے مقام پر پہنچے تو سادات کاغان کو ان کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی ۔ لہذا سادات کاغان ہتھیار باندھ کر وہاں پہنچ گئے بارش ہو رہی تھی پہاڑوں پر دھند تھی مجاہدین نے تھوڑی ہی مزاحمت کی کیونکہ وہ بھوک اور مسلسل بے آرامی سے نڈھال ہو چکے تھے جن میں سے کچھ قتل ہوئے باقی گرفتاری پر رضامند ہو گئے ۔ یہ کل ۱۲۴ تھے جن میں دو صوبہ دار بھی تھے ۔ ۵۵ نمبر پلٹن کے مجاہد جو مختلف مقامات پر قیدی بنائے گئے سرکاری رپورٹوں کے مطابق ۲۴۳ ہیں سادات ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ کو جو قیدی بالاکوٹ سے ساتھ لائے ان کی تعداد ۱۵۰ بتائی گئی ہے ۔ ابتدائی جھڑپ میں کرنل چیوٹ نے ۱۵۰ افراد کو قیدی بنایا ۔ جھیل لولوسر کے مقام گوائی پر سادات کے ساتھ جھڑپوں میں ۱۲۴ افراد گرفتار کئے گئے ۔

۴۵ افراد کو کشمیر کی سرحد پر گرفتار کیا گیا ۔ ۱۰ افراد کو گوجروں نے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا ۔ ان سینکڑوں بد نصیب افراد کو زیر انتظام میجر جان بیچر ایبٹ آباد کے محلہ اپر ملک پورہ پرانی چونگی چوکی کے زیریں میدان میں شملہ پہاڑی کے دامن میں گولی سے اڑا دیا گیا ۔ فائر سکوارڈ کا کام تین دن ہوتا رہا جو گورکھا پلٹن نے سر انجام دیا ۔ یہ گورکھا پلٹن ۱۰ جون کو کماؤں سے ہزارہ آئی تھی انگریزوں نے اس کو امتحان و اطاعت کے لئے آزمائش میں ڈالا یہ اپنے امتحان میں پوری مطیع نکلی اس سے پہلے انگریز فرمانبرداری اور وفاداری کے لحاظ سے سب شامل اقوام ہندوستانی فوج کو ایک نظر سے دیکھتے تھے ۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۵۵ نمبر پلٹن کے ساتھ ہی ہمارا رجمنٹ کے ان سرفروشوں کو بھی اسی مقام پہ فائر سکوارڈ سے ختم کیا گیا ۔ جنہوں نے مجاہدین کے برخلاف ہتھیار اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اس رجمنٹ میں زیادہ تر ہزارہ، تناول گلیات، مری کے لوگ شامل تھے ۔ رجمنٹ کے انکار کرتے ہی تمام سپاہیوں سے ایبٹ آباد میں ہتھیار لے لئے گئے اور ان کو گرفتار کر لیا گیا ان سب کا کورٹ مارشل ہوا اور موت کی سزا تجویز ہوئی ایبٹ آباد کی خونی داستان جس میں سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انگریزوں نے گورکھاؤں کو قابل اعتماد سمجھتے ہوئے ان کی تعریف کی اس طرح یہ بنیاد وفاداری ہمیشہ کے لئے استوار ہوئی بلکہ انگریزوں نے گورکھاؤں میں اسی جذبہ کو اور تقویت بخشی اور یہی وجہ تھی جب تک وہ حکمران رہے گورکھا پہ بھروسہ کیا ۔ بلکہ یہاں سے رخصت ہونے کے بعد انگلستان میں بھی گورکھاؤں کو ملازم رکھا ۔ انگریزوں نے اپنی قوم کی سیاہ کاریوں کو چھپانے کے لئے پوری سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ہندوستان میں بہت سی ایسی ظلم و ستم کی داستانوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا جن کو انگریزوں نے دانستہ پوشیدہ رکھا ۔ ۱۸۵۷ کی پہلی جنگ آزادی کے حالات و واقعات کو انگریزوں نے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہ دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالی ہے ۔ اور غلط بیانیوں سے کام لیا ہے چنانچہ ایک انگریز نے ان غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر انگریز قوم کو سخت ملامت کیا اور ان کو شرم دلائی کہ جو کچھ بھی تم نے کیا ہے اس پر نادم ہو ۔ مسٹر ایڈورڈ تھامس نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ کے متعلق ایک کتاب موسومہ تصویر کا دوسرا رخ (دی ادھر سائیڈ آف دی میڈل) لکھی یہ انتہائی وحشیانہ مظالم کی سچی اور حقیقی تصویر ہے ۔ مسٹر ایڈورڈ تھامس نے اپنی قوم کو اس بات پر ملامت کیا ہے کہ انہوں نے جنگ آزادی [illegible]

ہوتی ہے اور آزادی کی قدر وقیمت کا بھی پتہ چلتا ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں انگریز مورخین نے اپنی قوم کی سیاہ کاریوں کو چھپانے میں بڑی مہارت دکھائی ہے دوسری طرف ہندوستانی زیادتیوں کی خوب کھول کر تشہیر کی ہے وہ کتاب کے دیباچے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس کتاب میں جس قسم کے حالات واسباب جمع کئے گئے ہیں انہیں جمع کرنے اور شائع کرنے کا فریضہ دراصل ہندوستان کے کسی باشندے کو ادا کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ہندوستان کا کوئی باشندہ دریں حالات ایسی جرأت وہمت نہ کر سکا جب کہ یہ کتاب میں شائع کرا رہا ہوں تو مجھے پختہ یقین ہے اس کو پڑھنے کے بعد انگریزوں کے رویے میں خاصی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ ڈپٹی کمشنر ہزارہ میجر جان بیکپر نے کمال سیاسی حکمت عملی سے کام لے کر مقامی سرداروں کی مدد سے ان کے لوگوں سے کام لیا جنہوں نے سرکاری عمارات، پلوں، رہائشی بنگلوں اور ضروری جگہوں پر پہرے دیئے اس طرح بغیر فوج کے نظم ونسق چلایا اور برٹش ہائی کمان سے بہترین ایڈمنسٹریٹر ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ہزارہ میں سوائے ۵۵ نمبر پلٹن کے جوان جو ملک اور قوم کو آزاد کرانے کے لئے اٹھے اور ہسار رجمنٹ کے جوان جنہوں نے ملک اور قوم کو آزاد کرانے کے لئے اٹھنے والوں کے برخلاف ہتھیار اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ اس خونی داستان کے ختم ہوتے ہی ایبٹ آباد سے گورکھا فوج نے لکھنو کی طرف مارچ کیا۔ جہاں انگریز ریذیڈنسی میں سر ہنری لارنس پناہ گزین تھا جو بعد میں ایک گولہ پھٹنے سے ہلاک ہوا اس انگریز کا ایک قول ہے اگر انگریز فرشتہ بن کر بھی ہندوستانیوں کے ہندو اور مسلمانوں کے عہد سلطنت کی تاریخ لکھے گا تو اس کی عیب جوئی کے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ مسٹر ایڈورڈ ہربرٹ جو ایبٹ صاحب کے بعد ہزارہ کا ڈپٹی کمشنر ہوا اس نے میجر جیمس ایبٹ کے نام پر اس جگہ کا نام ایبٹ آباد رکھا اپنی کتاب (اے ایئر آن دی پنجاب فرنٹیئر) میں ضلع بنوں کی فتح کے موقع پر لکھتا ہے ہم نے بنوں فتح کرتے ہوئے کوئی گولی نہیں چلائی بلکہ آدمی کو آدمی سے خاندان کو خاندان سے اور قبیلے کو قبیلوں سے لڑا کر یہ فتح حاصل کی ہے علامہ اقبال کیا خوب فرما گئے ہیں۔

اس خاک میں دب گئی تیری آگ — آذان سحر ہو گئی اب تو جاگ

جہاں داد خان کی ریاست پر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا اعتراض ۱۸۵۱

انگریزوں کے عہد میں ہر صوبے کے صدر مقام میں ایک بورڈ آف ایڈمنسٹریشن ہوتا تھا جو صوبے کے نظم ونسق سے متعلق جملہ امور کا ذمہ دار تھا اس بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کا راہ راست تعلق (فورٹ ولیم) کلکتہ سے ہوتا تھا۔ جو انگریزوں کا پہلا دارالخلافہ تھا۔ ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز امور کی بورڈ آف ایڈمنسٹریشن سے اجازت لینا پڑتی تھی متنازعہ اور فیصلہ طلب امور کا حتمی فیصلہ چیف کمشنر گورنمنٹ آف انڈیا (فورٹ ولیم) کلکتہ کرتا تھا جہاں داد خان کی ریاست نقشہ نمبر ۲ کے ساتھ جولائی ۱۸۵۱ کو لاہور سے فورٹ ولیم بھیجی گئی جو سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا مسٹر سی آلن کے اعتراض کے ساتھ واپس لاہور آگئی۔ وہی اعتراضات بورڈ آف ایڈمنسٹریشن نے دوہراتے ہوئے لکھا ڈپٹی کمشنر نے جہاں داد خان کی ریاست کو آزاد علاقہ سمجھتے ہوئے اسے شامل نہیں کیا گیا بورڈ اس سے اختلاف کرتے ہوئے اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ جہاں داد خان کی ریاست کے متعلق میجر ایبٹ کی رپورٹ ۱۵ جون ۱۸۵۱ کو ساتھ شامل کر کے واپس بھیج رہا ہے بورڈ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ جہاں داد خان کو یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرا دی جائے دریائے سندھ کے پار وہ سرکار انگریزیہ کا مطیع وفرمانبردار ہے اور سرکاری خدمات کے لئے وہ پابند ہے۔ آبائی ریاست اس کی اولاد میں سے کسی کو یا جو اس قوم کا خان ہوگا ملے گی۔ یہ لازم نہیں کہ سربراہ کا لڑکا ضروری ہو اگر اس کا بڑا لڑکا یا قریبی جانشین ناقابل، نااہل، بدکردار، انگریزی حکومت کا مخالف ہوگا تو یہ صورت برقرار نہ رکھی جا سکے گی۔

سر سڈنی کاٹن کا جہاں داد خان کو خراج تحسین

جہاں داد خان تقریباً پندرہ سال حکمران رہا اس دوران اس نے بڑے اچھے طریقے سے اپنی ریاست کا نظم ونسق چلایا بلکہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی فوج کو چوبیس گھنٹے چوکس اور چوکنا رہنے کا حکم دیا اور ہر گذرگاہ پر چوکیاں تعمیر کرائیں۔ جہاں داد خان اپنی فوج کے ساتھ جنرل

سرسڈنی کاٹن کے ساتھ مہمات میں شریک رہے سرسڈنی کاٹن ان کی کارکردگی سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے اپنے مراسلات میں کھلے دل سے جہاں داد خان کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اسے خراج تحسین پیش کیا چنانچہ کرنل چارلس میسن اپنی کتاب روئداد سے بر اختیار میں تحریر فرماتے ہیں پنجاب کے الحاق کے وقت جہاں داد خان برسر حکومت تھا اس کا رویہ سرکار انگریزیہ کے ساتھ عام طور سے وفادارانہ رہا اور ہر ضرورت کے موقعوں پر خدمات سرکار بجا لایا انہوں نے جنگ آزادی ١٨٥٧ء کے دوران اپنے علاقے میں محافظ فوجیں اور ناکوں کے متعین آدمیوں کے ساتھ اور آدمی شامل کر کے وہاں برابر امن قائم رکھا لڑائی کے واسطے خان موصوف نے سوار دیئے اور ایسے وقت میں جبکہ عوام الناس ذرہ سے اشارہ کے منتظر تھے اس کے اطوار اور اس کی سچی رفاقت نے بہت کام دیا۔ جب ١٨٥٨ء میں سرکاری فوج نے جنرل سرسڈنی کاٹن کی زیر سرکردگی امن و امان قائم رکھنے کے لئے ستھانہ کے پرجوش ہندوستانیوں اور سیدوں پر یورش کی تو یہ اپنی قوم کے آدمیوں کے ساتھ سرکاری فوج میں شامل تھے جنرل صاحب نے اپنے سرکاری مراسلات میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جہاں داد خان کشتی میں سفر کرتے ہوئے ٦ نومبر ١٨٥٨ء کو انتقال کر گئے اپنے خاندانی قبرستان ریاست امب میں اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے تربیلا ڈیم بننے کی وجہ یہ خاندانی قبرستان شیر گڑھ بالائی تناول منتقل ہوا۔

میجر جیمس ایبٹ کی ہزارہ میں آمد اور شیروان کو مستقر بنانا

میجر جیمس ایبٹ ہزارہ میں پہلی مرتبہ حد بندی کے لئے ١٨٤٦ء میں آئے دوسری بار پھر حد بندی کے لئے جون ١٨٤٧ء میں آئے اس کے بعد لاہور ریذیڈنسی کی طرف سے حاکم ہزارہ سردار چتر سنگھ اٹاری والا کے مشیر مقرر ہوئے۔ انہوں نے ہزارہ کا دورہ کیا اور از سر نو مالیہ مقرر کر کے مالیہ کے نظام کو صحیح و درست کیا۔ خاکی میں پندرہ روز قیام کرنے کے بعد وہ شیروان آئے تناول کے اس قدیم قصبہ کو رہائش کے لئے پسند فرمایا۔ اس قصبہ کو ایک برگزیدہ شخصیت ترک نے آباد کیا تھا۔ جس کا نام شیروان تھا۔ یہ کئی دفعہ اجڑا اور کئی دفعہ آباد ہوا۔ ایک روایت کے مطابق یہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے آباد چلا آرہا ہے۔ شیروان قصبہ کے عقب میں ایک پہاڑی پر ایبٹ صاحب کا بنگلا بنا ہوا تھا

جس کے آثار ١٩٥٣ء تک موجود تھے۔

تاریخ ہزارہ میں میجر جیمس ایبٹ نے ایک نمایاں و ممتاز کردار ادا کیا ہے جو تاریخ ہزارہ کا ایک درخشاں باب ہے اسے دہرائے بغیر ہزارہ کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی یہاں میجر جیمس ایبٹ کی شخصیت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں پنجاب میں سکھ حکومت کا خاتمہ اور انگریزی حکومت کی بنیاد رکھنے میں جتنا اہم کردار جان نکلسن اور میجر جیمس ایبٹ نے ادا کیا ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے انگریز نے ادا کیا ہو اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا پنجاب میں انگریزوں کی بنیاد جان نکلسن اور میجر جیمس ایبٹ اور جارج لارنس نے رکھی ہے میجر جیمس ایبٹ سکھوں کے عہد حکومت میں ضلع ہزارہ آئے اور سکھ حکومت کے خاتمہ تک برسرپیکار رہے۔ دیہاتیوں، کسانوں اور زمینداروں کے ساتھ مل کر سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت زائل کرنے میں وہ کتنے کامیاب ہوئے اس کا جواب کسی آدمی کی بتائی ہوئی غیر مصدقہ کہانی نہیں دے گی۔ بلکہ وہ تاریخی حالات اور واقعات ہیں جن کے مندرجات سے یہ ثابت ہوتا ہے میجر جیمس ایبٹ جب سے یہاں آئے ایک لمحہ بھر سکون سے نہیں بیٹھے اور سکھوں کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ یکجا ہو کر اپنی طاقت استعمال کر سکیں۔ انہوں نے ہزارہ کے مسلمانوں کی بے چینی و بے اطمینانی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جو سکھوں کے ظلم و ستم سے پیدا ہوئی یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بہت جلد ہزارہ کے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

میجر جیمس ایبٹ کو ١٨٤٧ء میں ہزارہ کے سکھ گورنر چتر سنگھ اٹاری والا کا مشیر مقرر ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں میں اس بے چینی کا بخوبی اندازہ لگا لیا جو مذہبی فرائض منصبی اور گاؤکشی سے پیدا ہو چکی تھی۔ ہزارہ کے راسخ العقیدہ مسلمان ہر قسم کی تکالیف تو برداشت کر سکتے تھے لیکن مذہبی مداخلت کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے یہی وجہ تھی کہ وہ سکھوں سے ہر جگہ جنگلوں، پہاڑوں، میدانوں میں دست و گریباں تھے۔ چتر سنگھ اور میجر جیمس کے اختلافات اس وقت کھل کر سامنے آئے جب مولراج حاکم ملتان نے بغاوت کر دی سردار چتر سنگھ کی ایماء پر ہزارہ میں سکھوں نے بھی بغاوت کر دی۔ ١٨٤٨ء پنجاب کی حالت نازک ترین تھی پورا پنجاب آگ کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا۔ سکھوں کی مدد کے لئے امیر دوست محمد خان اور اس کا بیٹا فوج کے ساتھ آگئے تھے سکھوں کی دوسری لڑائی کے موقع پر میجر جیمس ایبٹ اپنے جانثار ساتھیوں کے ساتھ مارگلہ میں مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔

انہوں نے پکھلی، مانسہرہ، ہری پور کی سکھ فوج کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی اس کے ساتھ پشاور اور اٹک سے آنے والی سکھ کمک پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے اس طرح میجر جیمس ایبٹ نے رسد و پیغامات کا سلسلہ منقطع کر دیا جس کی وجہ سکھ فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی میجر جیمس ایبٹ کے اس کارنامے کو برطانوی پارلیمنٹ نے بہت سراہا اور اسے خراج تحسین پیش کیا گیا گجرات (چلیانوالہ) کے قیامت خیز معرکے کے بعد باقی سکھ فوج نے چار مارچ ۱۸۴۹ کو دھوپ میں چمکتے ہوئے راولپنڈی کے سرسبز میدان میں ہتھیار ڈال دیئے۔ جب ہم برصغیر میں انگریزی عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس انگریزی عہد کی تاریخ کے چھپے ہوئے صفحات پر کئی ایبٹ نام کے اشخاص جو ہم نام و ہم پیشہ ہوتے ہوئے ایک ہی عرصہ کے دوران کام کر چکے ہیں ملتے ہیں مثلاً کیپٹن ایبٹ، لیفٹیننٹ ایبٹ، میجر ایبٹ، کرنل ایبٹ اگسٹن، ایبٹ بیٹری وغیرہ کیپٹن ایبٹ نے سنٹرل انڈیا میں رہ کر کام کیا ہے اور شاندار خدمات سرانجام دیں کچھ عرصہ گوالیار اور حیدر آباد دکن میں بھی کام کیا ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں گوالیار کے انگریز مرد و خواتین کو حریت پسندوں سے بچائے رکھا۔ کرنل ایبٹ آگسٹن انسپکٹر جنرل آرڈیننس تھے لیفٹیننٹ ایبٹ نے گلانٹ رجمنٹ کا چارج لے کر حریت پسندوں کے ساتھ جھڑپوں میں حصہ لیا میجر ایبٹ کے ساتھی جو حریت پسندوں سے مل گئے تھے اس نے ان کو دوبارہ وفاداری پر آمادہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ کسی حد تک وہ کامیاب ہو جاتے لیکن اس کے ساتھی ہندوستان میں پھیل چکے تھے اور انگریزوں کی ناکہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ ایبٹ بیٹری نے دہلی کے گرد و نواح میں جہاں حریت پسند پہاڑیوں پر مقیم ہو گئے تھے۔ حریت پسندوں کو دہلی سے دور رکھنے کے لئے جھڑپیں کیں یہاں میجر جیمس ایبٹ کا نام آتا ہے وہاں ضلع ہزارہ کا ذکر ضرور ہوتا ہے تاریخ کے اوراق میں یہ لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔

میجر جیمس ایبٹ کی شخصیت کے چند پہلو

میجر جیمس ایبٹ ۱۸۰۷ میں انگلستان میں پیدا ہوئے ملٹری اکیڈمی ایڈیکس کومبے سے تربیت حاصل کی تکمیل تربیت کے بعد دیگر افسران کے ساتھ انگلستان سے ہندوستان آئے



میجر جیمس ایبٹ جن کے نام پر ایبٹ آباد کا مشہور صحت افزا شہر آباد ہے۔
جنہوں نے ہزارہ کے متعلق اپنی بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔
اور ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے

ہی سے دیگر ملازمین والیٹ انڈیا کمپنی مہم افغانستان کے لئے ترتیب دی گئی ایک انڈس نامی رجمنٹ میں شامل کئے گئے۔ ۱۸۳۹ روسی قیدیوں کو خان خیوا کی قید سے رہا کرانے پر مامور ہوئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ڈاکوؤں نے روسی سمجھ کر حملہ کر دیا سب مال و اسباب چھین لیا اس دھینگا مشتی میں ان کے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں کٹ گئیں۔ بیس دن بعد رشوت دے کر رہائی حاصل کی اور ایک روسی قلعہ نما عمارت میں زیر علاج رہے اس کے بعد وہ ماسکو اور پیٹرز برگ پہنچا اور قیدیوں کو چھڑانے میں کامیاب ہوئے۔ انگلستان سے دوبارہ ہندوستان آئے فیروز پور سے ان کی خدمات بنگال کے لئے لی گئیں جو ان کی مرضی کے برخلاف تھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ وہ بنگال ہی میں تھے کہ ان کی سفارش کمشنر پنجاب نے نئی سرحدیں متعین کرنے کے لئے کر دی۔ انہوں نے یہ کام احسن طریقے سے سرانجام دیا اس کے بعد ضلع ہزارہ میں صوبائی سکھ گورنر چتر سنگھ اٹاری کے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ مقرر ہوئے سکھوں کی شکست کے بعد وہ ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر (۱۸۴۹ ۱۸۵۳) مقرر ہوئے میجر جیمس ایبٹ ہزارہ کے لوگوں سے والہانہ محبت کرتے تھے اور لوگ بھی میجر ایبٹ پہ جان نثار کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ریذیڈنٹ کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے جس میں اس نے لکھا ہے جو لوگ بھی ہزارہ سے میری ملاقات کے لئے آتے ہیں وہ ایبٹ کی بے حد تعریف کرتے ہیں جس قوم کو سکھ اپنے تمام عہد حکومت میں کبھی مطیع نہ کر سکے جس کو ہوشیار و چالاک راجہ گلاب سنگھ بھی کبھی قابو نہ کر سکا اس قوم کو میجر جیمس ایبٹ نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔

میجر جیمس ایبٹ اپنی ڈائریوں میں ان کی پہلی ڈائری (۱۸۴۸-۱۸۴۹) زیر تحویل ہوم ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ پنجاب مقبرہ انار کلی میں موجود ہے دوسری ڈائری (۱۸۴۹-۱۸۵۰) پشاور قومی عجائب گھر زیر تحویل حکومت ہے) لوگوں کے جس تعاون امداد و جذبہ کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور اس اعتراف کو اپنی ڈائریوں میں جا بجا زینت صفحات بنایا ہے وہ ایبٹ کی حقیقت پسندی، اعلیٰ بصیرت، فہم و فراست کا کھلا ثبوت ہے۔ وہ لکھتا ہے لوگوں کے اس اعتماد کو جو مجھے خیر خواہ سمجھتے ہوئے مجھ پر کرتے ہیں ان کی شکایات نہ سن کر اپنے اس اثر و رسوخ و اعتماد کو میں کسی طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا میری طاقت کا اندازہ فوج کی تعداد سے نہیں بلکہ اس اعتماد سے ہے جو لوگوں نے اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہوئے مجھ پر

سکتا ہوں ایبٹ کا لوگوں کو گرویدہ بنا لیا اور ان کا اعتماد حاصل کرنا بھی انسانی اخلاق کی نمایاں و ممتاز خوبی ہے جو ایبٹ کی شخصیت کا ایک پہلو تھی۔ دوسرے مصنفین کی تحریروں کی طرح جن میں اکثر اظہار خیال کے لئے الفاظ فرقہ، گروہ، صوبہ ملک یا قوم استعمال کئے گئے ہیں میجر جیمس ایبٹ نے اس نوعیت کو نظر انداز کر کے الفاظ میرے لوگ استعمال کر کے اپنی سچی رفاقت کا ثبوت مہیا کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے دل میں لوگوں کے لئے بے پناہ محبت کا جذبہ تھا۔ اپنی ڈائریوں کے علاوہ میجر جیمس ایبٹ نے سر ہنری لارنس حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۷۲ رسمتھ الڈر اینڈ کمپنی ۱۵ واٹر پیلس لنڈن) صفحات ۱۴۵ تا ۱۷۰ سر ہنری لارنس کے اخلاق کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ہزارہ کی حالت زار کا کچھ نقشہ کھینچا ہے۔ مثلاً سکھوں کے مظالم گاؤ کشی، مذہبی فرائض منصبی کی بندش وغیرہ حالات مختصر ہیں مگر جامع میں نہایت خوش اسلوبی اور منفرد پیرائے سے بیان کئے گئے ہیں جن کے پڑھنے سے گذشتہ صدی کے واقعات تصویر بن کر آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں ان تمام مندرجات سے صاف عیاں ہے۔ میجر جیمس ایبٹ کو وہاں کے لوگوں اور اس علاقہ کی تعمیر و ترقی سے کتنا گہرا لگاؤ تھا۔ وہ سوالیہ فقروں میں کئی جگہ لوگوں کی وکالت کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ اپنے گہرے لگاؤ اور والہانہ محبت کی پاداش میں وہ کئی دفعہ حکومت (گورنر جنرل) کے زیر عتاب بھی رہے۔ ان تمام بندشوں سے بے نیاز وہ اپنے لوگوں کے متعلق آخر تک سوچتے رہے یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے جو خوانین دوران جنگ سکھوں اور درانیوں سے مل گئے تھے گورنر جنرل کے بار بار اصرار پہ بھی مرکزی حکومت کو نہ تبلائے۔ میجر جیمس ایبٹ نے انگریزوں کے پنجاب میں قدم جمانے کے لئے بہت اہم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس راہ میں جتنی بھی مشکلات درپیش آئیں ان کا بڑی خندہ پیشانی سے مردانہ وار مقابلہ کیا ایک مشکل وقت میں بالکل تنہا رہ گئے لیکن بجائے خوفزدہ اور ہمت ہارنے کے وہ ایک نئے عزم کے ساتھ دوبارہ اٹھے۔ چنانچہ اولف پیرٹک کیرو سابقہ انگریز گورنر صوبہ سرحد اور کتاب "دی پٹھان" کے مولف اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سنڈیمان کے کارنامے داستان بن گئے ہیں یہ داستان اتنی رنگین نہیں جتنی سنڈیمان سے تیس سال پہلے شمال مغربی سرحد میں نمایاں کارنامے سرانجام دینے والے سرفروشوں کی ہے وہ یقیناً پیش رو تھے۔ جنہوں نے مستقل مزاجی، سوجھ بوجھ سے کام لے کر ایک

عمارت بنائی اور اس پر پائیدار رنگ چڑھایا سنڈیمان کی آزمائش اتنی کڑی نہیں تھی اس نام سے لوگوں کو اتنی قریبی وابستگی نہیں ہے جتنی کہ ایبٹ کے نام سے ہے ۔

اولف پیٹرک کیرو مزید لکھتے ہیں ایبٹ نے تمام تر کام دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ضلع ہزارہ میں کیا وسطی اور زیریں ہزارہ کے کچھ لوگ پٹھان ہیں جن میں یوسف زئی جدون اور ترین شامل ہیں ان لوگوں نے شمالی پنجاب کے طور طریقے اور زبان اپنالی ہے“ نورٹ بلوچستان میں انگریز سنڈیمان کے نام پر سنڈیمان تھا اب اس کا نام ژوب ہے ۔

منشی این چند اپنے سفر نامے مطبوعہ ۱۸۴۹ میں میجر جیمس ایبٹ کے متعلق لکھتے ہیں میں نے میجر ایبٹ کو ہری پور کی سڑکوں پر بچوں کے ساتھ بلا خوف و تمیز گھومتے دیکھا وہ لوگوں میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ بڑوں کے علاوہ چھوٹے بچے بھی پیار و محبت سے اُنکو چاچا ایبٹ کہتے ہیں ۔ میجر جیمس ایبٹ کی سیاسی فہم و فراست عقل و دانش مندی بہادری، کردار اور روزمرہ معاملات میں تجربہ کاری ان کی ڈائریوں کے لفظ لفظ سے آشکارہ ہیں جس میں ہزارہ اور ملتان کے واقعات درج ہیں ایبٹ صاحب کے روزنامچے آج بھی دستیاب ہیں ان کے پڑھنے سے لکھنے والے کی قابلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے لوگ ایبٹ سے بہت پیار کرتے تھے وہ سیدھے سادے بہادر اور پیارے انسان تھے ایسے پیارے آدمی جب تبدیل ہوئے سب کچھ لٹاتے جیب خالی کر چکے تھے لوگوں کا یہ حال تھا کہ بچوں سے لے کر جوان اور بوڑھوں تک انہیں الوداع کہنے کے لئے آئے میجر جیمس ایبٹ تقریباً چار سال ضلع ہزارہ میں ڈپٹی کمشنر رہے ان کے بعد جب ایشاپور کلکتہ کے نزدیک رائفلوں اور بارود خانے کے انچارج بنائے گئے تو ان کو ایبٹ آباد کی یاد شدت سے ستانے لگی ان کی یہ بے حد خواہش تھی فراغت کا کوئی ایسا موقع میسر آئے ۔ تو وہاں جا کر بیتے ہوئے ایام کی یاد تازہ کر سکوں لیکن بقیہ زندگی میں ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی ۔ اور یہی حسرت ناکام لئے وہ ۸۹ سال کی عمر میں ۱۸۹۶ میں وہ جزیرہ وائٹ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔ البتہ ان کی بے قرار روح آج بھی چاندنی راتوں میں ایبٹ آباد کے اکثر مقامات کا طواف کرتی نظر آتی ہے کون کہتا ہے کہ موت آتی

[illegible] میجر جیمس ایبٹ کئی اوصاف کے مالک

تھے اگر شخصیت کا ایک پہلو ان کو سیدھا سادا اور درویش منش اور پیارا انسان ظاہر کرتا ہے تو دوسرے پہلو سے یہ ظاہر ہوتا ہے وہ پہاروں کے عاشق اور قدرتی مناظر کے دلدادہ تھے ۔ بعض وقت قدرت کی صناع گری کو گھنٹوں محو حیرت دیکھنا ان کا مشغلہ تھا یہ وصف کچھ زیادہ ہی ان کی طبیعت میں اتم موجود تھا اس طرح قدرت کے ان دل کش نقوش کو جو کائنات پر بکھرے پڑے ہیں اپنے تخیلات سے مزین اور آراستہ کر کے کاغذوں میں مقید کرتے چلے آئے تھے ۔ ایبٹ آباد کے رومان پرور اور سحر انگیز ماحول سے ان کی انسیت اور وابستگی کی بڑی وجہ یہی تھی جب پہلے پہل ایبٹ آباد دیکھا تو بہت خوش ہوئے جیسا کہ ان کا بچپن کا خواب جو ان کے ذہن پر نقش تھا پورا ہوا میجر جیمس ایبٹ کو ادب اور شعر و شاعری سے رغبت تھی ۔ گو مصروفیت سرکار انگریزی فرائض کی ادائیگی کے لئے وہ ہر وقت اور ہر لمحہ ہر جگہ اور مقام مخالف قوتوں سے نبرد آزما رہے لیکن اتنے کٹھن مراحل کے باوجود وہ اپنی خداداد صلاحیت شعر و شاعری کے شوق کو کچل نہیں سکے حسین وادی، ماحول و آب و ہوا حالات و واقعات سے متاثر ہو کر جو نظمیں انہوں نے کاغذ پر منتقل کیں ان کی یہ قیمتی اور نایاب نظمیں سانحہ ہری پور میں بکھر گئیں ۔ اگر یہ یکجا ہوتیں تو آج قابل قدر تخلیق شمار کی جاتیں مشہور انگریز مصنف طامس مور کی خیالی لالہ رخ کے برعکس نقاش فطرت کا حقیقت پسندانہ سرمایہ ہوتیں اور یہ نامور سپوت آج انگریز قوم کا ایک نامور شاعر ہوتا ۔

ملک دیوان سنگھ اور بھگت دانا سنگھ دونوں راہنما سکھوں کا تعلق ایبٹ آباد سے تھا اور دونوں منتخب پنجاب سکھ گوردوارہ کمیٹی پنجہ صاحب حسن ابدال کے ۱۹۲۰ تک ممبر رہے ۔ ان کو سکھوں کے کسی گھرانے سے ایبٹ صاحب کی چند ذاتی اشیاء بمعہ مطالعہ کتب کاغذوں کا ایک پلندہ اور ایک قلمدان ملا ۔ باور کیا جاتا ہے کہ جب ہری پور میں ایبٹ کے دو بنگلوں کو سکھوں نے لوٹا یہ اشیاء اسی لوٹ مار کی وجہ سے کسی سکھ کے ہاتھ لگیں ایبٹ صاحب کے ان دو بنگلوں میں ان کے ذاتی سامان کے علاوہ سرکاری سامان لیفٹیننٹ رابنسن کا ذاتی سامان بھی سکھوں نے لوٹ کر بنگلوں کو تباہ کر دیا تھا ۔ جس سے متعلق ایبٹ اپنی ڈائری مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۴۸ میں رقم طراز ہے میرے مسلح ایک ہزار آدمیوں پر چتر سنگھ چھ رجمنٹ و رسالہ بمعہ توپوں سے حملہ کی جرات نہ کر سکا یوں ہری پور والے بنگلوں پر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا ان کو لوٹ کر تباہ و برباد کر ڈالا ۔ ذاتی اشیاء کی تفصیلات معلوم نہیں

ہو سکیں، سوائے ایک قلمدان کے باقی اشیاء قیاس آرائی پر مبنی ہیں کتب میں دو گرامر ایک انجیل مقدس کا صحیح پتہ چل سکا جو مہاشہ خوشحال چند کی لائبریری لاہور میں موجود تھیں فورٹ ولیم کالج کے پروفیسر ولیم کیری کی پنجابی گرامر جو کلکتہ سے ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی مجلد ہے پہلے صفحہ پر جے ایبٹ بمعہ دستخط تاریخ و مقام مرقوم ہے۔ سر ولیم جونز کی فارسی گرامر تیسرا ایڈیشن ۱۸۲۳ء دستخط و مقام تحریر ہے دونوں پر مقام کلکتہ تحریر ہے اور ایک بڑی انجیل مقدس مجلد مطبوعہ ۱۷۶۵ء لنڈن کے علاوہ کاغذ کے پلندے میں ایبٹ کی یادداشتیں و خطوط اور اس کی نظمیں تھیں کافی عرصہ یہ اشیاء بھگت دانا سنگھ کے گھر صندوق میں یوں ہی بیکار پڑی رہیں جب اسے ان اشیاء کے متعلق تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ایبٹ کی ہیں تو بھگت سنگھ نے کتب، قلمدان اور کاغذ کے پلندوں کو ڈپٹی کمشنر ہزارہ کرنل جیمز کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ اس سے سند لی جائے جو کہ آئندہ کام آسکے لیکن اپنے دوست ملک دیوان سنگھ کے مشورہ کے مطابق تمام اشیاء مہاشہ خوشحال چند خورسند کے حوالے ۱۹۲۲ء میں کر دیں جو قصبہ جلالپور جٹاں گجرات کے ککھر ائن کھتری خاندان کے چشم و چراغ تھے اور ملک دیوان سنگھ کے ساتھ خاندانی روابط رکھتے تھے۔ مہاشہ خوشحال خورسند جو بعد میں مشہور ہندو اخبار ملاپ لاہور کے مالک و مدیر بنے۔ ۱۹۴۰ء میں ہزارہ کے مشہور ہندو شاعر نانک چند ناز نے ان نظموں کو حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ ان قیمتی و نایاب نظموں کا ترجمہ کریں اور اردو میں منتقل کر کے محفوظ کر سکیں۔ وہ اپنے دوست اردو کے مشہور افسانہ نگار کرشن چند کے ساتھ جو ان دنوں لاہور میں زیر تعلیم تھے خوشحال چند خورسند سے ملے جو ان دنوں اردو اخبار ملاپ کے ایڈیٹر تھے۔ مہاشہ جی خوشحال چند خورسند نے نانک چند ناز کو بتایا میرے پاس چند نظمیں ایبٹ کی ہیں۔ جن کو مجموعہ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ تین نظمیں جو میری تحویل میں ہیں اس مجموعہ کا حصہ ہو سکتی ہیں جس کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔ انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے نانک چند ناز کو بتایا ایبٹ صاحب کی زیر مطالعہ کتب جن پر ان کے دستخط ثبت ہیں اور ایک قلمدان میری لائبریری میں محفوظ ہیں باقی ان کی تین نظمیں انگریزی جو مجھ تک پہنچیں ان کو کیپٹن امر سنگھ جانی نے بڑی محنت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کیپٹن امر سنگھ جانی کی ترجمہ کی ہوئی ایبٹ صاحب کی

ایک نظم سرزمین ہزارہ ماخوذ آئینہ ایبٹ آباد لاثانی صفحہ ۵۲۔

سرزمین ہزارہ

دل آویز سحر انگیز مسحور کن دل کش نظاروں کی سرزمین
معصوم سراپا حسن ہے برف پوش پہاڑوں کی سرزمین
عظمت، جلال، و تقدس درخشاں ستاروں کی سرزمین
لہراتی زلفوں کی طرح گرتی آبشاروں کی سرزمین
میں نے گائے اس کے نغمے مست بہاروں کی سرزمین
دیکھی اس کی بہاریں حسین سبزہ زاروں کی سرزمین
میں کیسے اسے بھول جاؤں دلربا قامت چناروں کی سرزمین
میری یادوں کا سرمایہ سر بفلک کہساروں کی سرزمین

انگریزی حکومت

سکھوں کی شکست کے بعد ۱۸۴۹ء سے ۱۹۰۰ء ہزارہ میں ۵۱ سالوں کے دوران ۴۴ انگریز ڈپٹی کمشنر آئے ان میں زیادہ تر ڈپٹی کمشنر فوج کے ریٹائرڈ افسر تھے جو کہ سول انتظامیہ کو چلانے کا پورا تجربہ و مہارت رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر کسی ڈپٹی کمشنر نے عوام میں مقبولیت حاصل نہیں کی میجر جیمس ایبٹ جو ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر ۱۸۴۹ء۔ ۱۸۵۳ء تھے ان کے بعد ۵ ماہ میجر ایچ۔ پی۔ ایڈورڈ مئی ۱۸۵۳ء ستمبر ۱۸۵۳ء ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے تیسرے ڈپٹی کمشنر میجر جان بیچر تھے نہایت سفاک و ظالم ڈپٹی کمشنر سو گزرے ہیں یہ کل ہزارہ میں پانچ سال رہے ان کے بعد کرنل ایمنی آئے ان کے زمانے میں کوہ سیاہ نے زور پکڑ لیا کرنل جمیز سخت گیر تھے اور مسٹر ہاکنین علم دوست نرم دل تھے آخری عہد انگریزی کے ڈپٹی کمشنر سیڈٹ جان تھے۔ انگریز ہندوستان پر حکومت کرنے سات سمندر پار سے آئے تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ہندوستانی انگریزوں سے اپنی نسبت قائم کرے اس لئے وہ اپنی طرز پر ان لوگوں کی تربیت کر گئے جو بجائے خادم کہلانے کے حاکم کہلاتے ہیں ان کا دور ختم ہوئے نصف صدی ہونے کو

ہے ہماری دو نسلیں جوان ہو چکی ہیں لیکن وہ دوری ابھی تک ختم نہیں ہوئی راعی اور رعایا کے درمیان ایک دیوار حائل ہے ۔

سر محمد اکرم خان ہندوال کے سی ۔ ایس ۔ آئی ۱۸۵۸-۱۹۰۷ء

جہاں داد خان کی وفات کے بعد اس کے لڑکے محمد اکرم خان کی ۹ سال کی عمر میں دستار بندی کی گئی اور وہ باپ کا جانشین مقرر ہوا ریاست کا انتظام اکرم خان کی دادی بی بی جی صاحبہ اور وزیر محمد عرفان چلاتے رہے ۔ محمد اکرم خان بچپن سے ذہین تھا ۔ سپاہ گری سے جلد آگاہ ہو گیا اور سن شعور کی حدود پھلانگ کر اپنی ریاست کا نظم و نسق سنبھال لیا کتاب (روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب) اُن کے باب میں تحریر ہے کہ نواب بڑا راسخ الارادہ ہے جوانی میں یہ بیباک سوار اور بہادر سپاہی تھا ۔ اپنے ملک پر ڈنڈے کے زور سے حکومت کرتا ہے مگر مجموعی طور پر اس کا انتظام اچھا ہے اپنے دقیق کار منصبی کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کی بنا پر گردونواح کے خود مختار جرگوں کے ساتھ بہت کم الجھاؤ اور دقتیں پیش آئی ہیں ۔ اس کی موروثی جاگیر جو فیوڈل تناول کے نام سے مشہور ہے انگریزی علاقے میں ہے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں انگریزی عدالتیں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتیں اپنی ریاست کے علاوہ تناول کے جنوب میں دریائے سندھ پر واقع ۴۲ مواضعات کا مالک بھی ہے جن کو بدہنک اور کولائی کہتے ہیں دریائے سندھ کے ذریعہ چوب جولائی جاتی ہے اس کا محصول بھی لیا جاتا ہے جس سے ایک معقول آمدن ہوتی ہے ۔

محمد اکرم خان ہندوال نے بہادری سے لڑتے ہوئے یاغستانیوں کو شکست دی ۔ جنگِ من چھوڑا ۱۸۶۸ء

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ۲۹ جولائی ۱۸۶۸ء کو اقوام یاغستان حسن زئی ، اکا زئی ، چغرزئی سادات پھر پاڑی و سادات تلی نے مسلح ہو کر پانچ سو آدمیوں کے ساتھ انگریزی چوکی اوگی پر حملہ کیا اور ملحقہ دیہات کو لوٹا ، انگریزوں نے اس کا شبہ عطا محمد خان رئیس اگرور پر کیا ۔ شہزادہ محمد اسماعیل تھانیدار نے آکر ایبٹ آباد میں ڈپٹی کمشنر کرنل ایمنی کو تمام واقعات سے آگاہ کیا کرنل ایمنی قاضی میر عالم سپرنٹنڈنٹ

پولیس اور سلطان ابراہیم چار گورکھا پلٹنوں اور دو توپوں کے ساتھ ایبٹ آباد سے اگرور روانہ ہونے سے قبل محمد اکرم خان کو کمک کے لئے پیغام ارسال کر گئے ۔ اگرور پہنچتے ہی ڈپٹی کمشنر کرنل ایمنی نے رئیس اگرور عطا محمد خان ولد اللہ داد خان کو گرفتار کر کے ایبٹ آباد روانہ کیا اور امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری محمد اکرم خان کے ذمہ سونپی محمد اکرم خان کی مدد کے لئے رئیس پھلڑہ سردار مدد خان کے بیٹے عبداللہ خان وارسلا خان کے علاوہ نواب خان رئیس شنگرہی کا بھائی نہایت اللہ خان بھی پہنچ آئے محمد اکرم خان نے امن بحال رکھنے اور یاغستانیوں کا حملہ روکنے کے لئے عبداللہ خان کو ڈبوری، ارسلا خان کو گھنیاں ، عنایت اللہ خان شم دھڑہ میں مقرر کیا اور اپنے جمعدار حسین خان کو قلعہ شیر گڑھ کی حفاظت کے لئے مامور کیا ۔ دریں اثنا یاغستانی جنگ کی تیاری کر کے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مسلح ہو کر پندرہ ہزار جنگجو افراد لڑنے کے لئے میدان میں نکلے دوسری جانب محمد اکرم خان کی سپاہ چار ہزار تھی من چھوڑا کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا ۔ محمد اکرم خان نعرہ حیدری کے ساتھ یاغستانیوں پر ٹوٹ پڑا اور خود نشان بردار یاغستانی کو بضرب تلوار ہلاک کیا ۔ محمد اکرم خان کے پہلے ہی دھاوا پر یاغستانی جم نہ سکے پسپا ہو کر فرار ہوئے ۔ تعاقب میں دو سو ہلاک ہوئے ۔ محمد اکرم خان کے بھی متعدد آدمی ہلاک و زخمی ہوئے محمد عرفان وزیر کا بھائی عبدالجبار مارا گیا یاغستانیوں کو شکست دینے کے دس گھنٹے بعد تیرہ ہزار فوج سرکار بمعہ جنگی ساز و سامان اس کے علاوہ تین پلٹن راجہ کشمیر محمد اکرم خان کی امداد کو پہنچیں ۔ یہ کارنامہ سرانجام دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے محمد اکرم خان کا نام امر ہو گیا اس وقت وہ اٹھارہ سال کا ایک گھبرو بہادر جوان تھا ۔ انگریزوں نے اسے تہنیت کے پیغام بھیجے ایم آئی کے خطاب سے نوازا اور ہمیشہ کے لئے تاحیات ۵۰۰ روپیہ ماہوار جیب خرچ عطا کئے امپیریل گزیٹیر آف صوبہ سرحد صفحہ (۱۳۸ - ۱۳۹) پر ان کے اس دلیرانہ واقعہ کا اور ساتھ ۵۰۰ روپے تاحیات مقرر کرنے کا ذکر موجود ہے ۔ وہ ۱۸۷۵ء میں سی ایس آئی ہوئے اور ۱۸۸۹ء کو کے سی ۔ ایس ، آئی ہوئے ۔ رئیس پھلڑہ سردار مدد خان کے بیٹوں عبداللہ خان اور ارسلا خان کے علاوہ چمیڈ کے نہایت اللہ خان کو بہترین خدمات و اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر انگریز سرکار کی طرف ہر ایک ۵ ہزار روپے نقد خورد بینی بندوق اور سندیں دی گئیں ۔ بعد ازاں محمد اکرم خان کے پاس اسی افراد حسن زئیاں ایک

پیش کیئے محمد اکرم خان نے سادات کی طرف آدمی بھیجے کہ وہ بھی اپنے اعتراضات پیش کریں۔ کہ ان کو کیا تکالیف ہیں کیوں وہ لوٹ مار میں ملوث ہوکر بدامنی کے مترادف ہوتے ہیں۔ محمد اکرم خان نے عقل و دانش فہم و فراست کے ساتھ فیصلہ طلب امور نمٹائے تمام جرگے اس یقین دہانی کے ساتھ بخوشی واپس ہوئے اپنے علاقے میں امن و امان قائم رکھنا ان کی ذمہ داری ہے جو بدامنی کا مظاہرہ کرے گا اس کو پیش کیا جائے گا وہ سزا پاتے کا حقدار ہوگا۔ قدرت اللہ شاہ پھپڑ ہاڑی پیش نہ ہوا اس کا علاقہ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ دیگر تمام سرکش حاضر ہوکر اپنی معافی کے طلب گار ہوئے اور یہ سازش ختم بالخیر ہوئی۔ کرنل ولیس صاحب مہتمم ہزارہ جو عطا محمد خان ولد اللہ داد خان کی تحقیق پر مامور تھے انہوں نے اسے اس سازش میں بے گناہ پایا جو لاہور میں مقید تھے رہائی کا حکم دلا کر بدستور اپنی ریاست پر قائم کیا۔ سر محمد اکرم خان نے اٹھتالیس سال اپنی ریاست پر حکومت کی کبھی کسی شخص کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ جو بھی ان کے پاس انصاف کے لیئے گیا اسے انصاف ملا۔ انہوں نے ایسا امن قائم کیا کہ لاکھوں روپے لے کر بے خوف و خطر سفر کیا جا سکتا تھا۔ ان کی وفات ۱۹۰۷ء میں ہوئی اپنے خاندانی قبرستان میں اپنے والد کے پہلو میں دفنائے گئے بعد میں یہ قبرستان تربیلہ ڈیم بن جانے کی وجہ امب سے شیر گڑھ بالائی تناول منتقل ہوا محمد اکرم خان ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے تھے ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

خانی زمان خان ہندوال ۱۹۰۷-۱۹۳۴

خانی زمان خان ہندوال ۱۸۷۲ کو پیدا ہوئے اپنے باپ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے محمد اکرم خان آخری ایام میں ان سے ناراض ہو گئے تھے انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے عبدالطیف کو اپنے بعد ولی عہد بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر سرکار انگریزیہ نے حقدار کا حق قائم رکھا۔ اور خانی زمان خان کو ہی ولی عہد منظور کیا انگریزیہ کا قانون خود ساختہ ہے انگریز اپنے خود ساختہ قانون کا کہاں تک احترام کرتے ہیں جو اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ ایک فاحشہ عورت کی لڑکی کو مہاراجہ اندور نے مار ڈالا وہ فاحشہ عورت مہاراجہ اندور کی معشوقہ تھی مہاراجہ اندور نے جنگِ عظیم میں حکومت برطانیہ کی ڈیڑھ کروڑ روپے سے مدد کی تھی اور اپنی مسلح فوج بھی جنگ میں جھونک



نواب خانی زماں خان والئی امب

ہی تھی ۔ لیکن جب اس فاحشہ عورت نے انصاف کے لئے برطانیہ سرکار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مقدمہ دائر کیا تو حکومت برطانیہ نے مہاراجہ اندور کی قیمتی امداد کا کچھ لحاظ نہیں کیا اس مظلوم اور بے بس عورت کو انصاف مہیا کیا ۔ مہاراجہ اندور کو اس کے آبائی تخت سے معزول کر دیا گیا اس کے بعد باضابطہ قانون کے مطابق عدالت میں مقدمہ چلتا رہا انگریز اپنے خود ساختہ قانون کا بے حد احترام کرتے تھے ۔ خانی زمان خان معمول کے مطابق اپنی ریاست کا نظام چلاتے رہے ان کے دور میں کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا اسلامیہ کالج پشاور کے لئے ۱۹۱۸ء میں اپنے خاندان کی طرف سے پشاور میں چیف کمشنر سر جارج روس کیپل کو رقم پیش کی گئی اولیا اکرام سے گہری عقیدت رکھتے بالخصوص حضرت نظام الدین اولیا دہلی کے سالانہ عرس اپنی جانب سے شرکت کے نمائندہ بھیجے تھے ۔ خانی زمان خان کے اتالیق سید الجبار شاہ تھے آپ اہل علم ، صاحب قلم ، تجربہ کار سیاستدان تھے ۔ سر محمد اکرم خان کی دعوت پر ۱۸۹۸ء امب چلے آئے اور خانی زمان خان کے عہد میں ان کے وزیر مختار رہے خانی زمان خان ۲۷ سال اپنی ریاست پر حکمران رہے ۱۹۳۴ میں وفات پائی اپنے آبائی قبرستان امب میں دفن کئے گئے جو بعد تربیلا ڈیم شیر گڑھ بالائی تناول منتقل ہوئے ۔

نوابزادہ محمد فرید خان ہندوال ۱۹۳۶ - ۱۹۷۰

خانی زمان خان کی طرف سے ملک بدر تھے اور کوہاٹ میں رہائش پذیر رہے ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء اپنے باپ کے جانشین مقرر ہوئے جب تک باپ زندہ رہے ان کو ریاست میں آنے نہیں دیا جانشین ہوتے ہی مزارعوں نے نواب صاحب کے برخلاف ایک محاذ قائم کر لیا ان میں ریاست سے باہر کی سیاسی تحریکوں کا بڑا ہاتھ تھا ۔ ہر سیاسی جماعت حقوق ملکیت اراضی کی یقین دہانی پر مزارعوں کو اپنے ساتھ ملانے کی ترغیب دیتی کچھ عرصہ تک یہ تحریک زور شور سے چلتی رہی جب کچھ نہ بن سکا تو پھر یہ تحریک خاموش ہو گئی ۔

سادہ زندگی بسر کرتے تھے شہرت سے سخت اجتناب تھا ۔ درباری خطابات سے نفرت فرماتے تھے اعلیٰ انسانی اقدار سے مزین شخصیت تھے ۔ ہزارہ کے سیاسی گھرانوں کو نہ صرف صوبہ میں بلکہ ملک کی سیاست میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے محمد فرید خان کو ایک بہت بڑے اعزاز کے ساتھ کانگرس کی پیش کش ہوئی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ میں مسلم لیگی ہوں اور میرا محبوب لیڈر قائداعظم محمد علی جناح ہے ۔ وہ ریاست کی دیکھ بھال کے علاوہ ایک خاموش کارکن کی حیثیت سے مسلم لیگ کی خدمت کرتے رہے اور مسلم لیگ کے فنڈ میں خطیر رقوم دیں ان کے دل میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا جذبہ اتم موجود تھا ۔ ان کی جانشینی کے تین سال بعد جنگ عظیم دوم شروع ہو گئی برطانیہ کی شمولیت کے اعلان ستمبر ۱۹۳۹ کے بعد برطانیہ جنگ کے مہیب سائے تلے ڈوب گیا ۱۹۴۳ میں جنگ کے شعلے اس تیزی سے بھڑک اٹھے کہ ہندوستانی افواج کو غیر ممالک میں ہر محاذ پر برسرپیکار رہنا پڑا ملک میں تمام ترقیاتی منصوبے اور سماجی و ثقافتی سرگرمیاں محدود ہو کر رہ گئیں ۔ لیکن سیاسی سرگرمیاں زور پکڑ گئیں ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے آزاد ہند فوج وجود میں آگئی کانگرس سرگرم عمل ہو گئی مسلم لیگ جو برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اس نے اپنا جھنڈا لہرا دیا ۔ یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو قائداعظم جیسا لیڈر مل گیا جس کے متعلق آنجہانی سروجنی نائیڈو سابقہ گورنر یو پی انڈیا نے کہا تھا اگر سو کے بجائے ایک قائداعظم کانگرس میں ہوتے تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا ۔ پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد محمد فرید خان پہلے کسی ریاست کے سربراہ ہیں جنہوں نے پاکستان کے پہلے دارالخلافہ کراچی میں قدم رکھا حکومت کی طرف سے ان کا شاندار طریقے سے استقبال کیا گیا وہ سرکاری مہمان کی حیثیت سے کراچی میں قیام پذیر رہے بالائی تناول کی ریاست کا علاقہ ۱۹۵۰ باضابطہ پاکستان میں ضم کر دیا گیا اس کا پہلا بندولبست ۵۲ - ۱۹۵۱ میں ختم ہوا ۔ پاکستان کے دو سال بعد ضلع ہزارہ کا ترمیمی بندوبست ۱۹۴۹ میں ہوا کل مالیہ ۵۵۳۰۳۰ روپے مقرر ہوا جو پہلے کی نسبت ۷۱۹۰ روپے زیادہ تھا ۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ میں جنگ آزادی کشمیر شروع ہو گئی جہاد کشمیر میں تناول کے باشندے اپنے کشمیری بھائیوں کے شانہ بشانہ محاذوں پر لڑے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک نے رائفلیں اٹھائیں اور شمع آزادی کی قندیل روشن کی ۔ ایبٹ آباد محاذ کا مرکز تھا ۔ جہاں محمد فرید خان نے کشمیر کے محاذ پر لڑنے والے اپنے مجاہدین کے لئے دو کیمپ کھول رکھے تھے ان کیمپوں سے مجاہد زیر قیادت





نواب محمد فرید خان ہنڈوال والئی امب . نواب محمد سعید خان

کمانڈر عمر خان محاذ پر بھیجے جاتے تھے ۔ زخمی مجاہدین ان کیمپوں میں لائے جاتے تھے ان کی مرہم پٹی اور علاج ہوتا تھا ۔ تھکے ماندہ مجاہدین تازہ دم ہو کر واپس محاذ پر جاتے تھے ۔ یہ جنگ ۲۷ فروری ۱۹۴۹ کو ختم ہوئی دوران جنگ محمد فرید خان کی سرگرمیاں جہاد کشمیر کے لئے وقف تھیں اس طرح انہوں نے جہاد کشمیر میں بیش بہا خدمات سرانجام دیں ۔ محمد فرید خان کا ۷۸ سال کی عمر میں ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ء کو انتقال ہوا ان کے بعد جانشینی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اپنے خاندانی قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے ۔ ان کا خاندانی قبرستان تربیلہ ڈیم بننے کی وجہ سے بالائی تناول شیر گڑھ منتقل کیا گیا ۔

نواب محمد سعید خان اور نوابزادہ صلاح الدین سعید

محمد فرید خان کے بڑے بیٹے محمد سعید خان نو زائیدہ مملکت پاکستان (۱۹۴۹) کے وقت برن ہال ایبٹ آباد میں زیر تعلیم تھے پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد برن ہال سری نگر سے اپنی تمام انگریز انتظامیہ کے ساتھ ایبٹ آباد منتقل ہوا تھا برصغیر میں یہ واحد تعلیمی درس گاہ ہے جس کا معیار ابتداء سے لے کر اب تک شاندار جا رہا ہے ۔ محمد سعید خان روشن خیال تعلیم یافتہ خاموش طبیعت کے مالک تھے ان کا انتقال ۱۹۷۴ میں ہوا ان کے بڑے لڑکے نوابزادہ صلاح الدین سعید چھوٹے تھے زیر کفالت حکومت رہے پشاور یونیورسٹی سے گریجویشن کیا ہے ۔ قومی اسمبلی ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات این اے ۱۶ مانسہرہ ۲ سے بیگم فخر زمان کے مقابلے میں ۹-۷۴ ووٹ لے کر آزاد ممبر کی حیثیت سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے قومی اسمبلی کے سب سے کم عمر رکن تھے ۔ بلکہ بیگم فخر الزمان نے الیکشن کمیشن میں رٹ دائر کر دی کہ ان کی عمر کم ہے جب حساب کیا گیا تو ان کی عمر ۱۸ دن کم بنتی تھی نواب زادہ صلاح الدین سعید نے سٹے آرڈر لے لیا یوں وہ آؤٹ ہوتے ہوتے بچے انہوں نے ۸ جولائی ۱۹۸۷ کو شیر گڑھ کے ایک بہت بڑے جلسہ میں اپنی پندرہ ہزار کنال سے زیادہ اراضی کے مالکانہ حقوق مزارعوں کو دے دیئے اس جلسہ کا اہتمام شاندار طریقہ سے کیا گیا تھا ساتھ ہی صدر صاحب کے لئے ایک خصوصی ہیلی پیڈ بنایا گیا تھا ۔ حفاظت کے لئے تمام ہزارہ ڈویژن پولیس کے دستے تعینات کئے گئے تھے ۔ جلسہ میں کئی وزیر صاحبان اور ارکان قومی اسمبلی موجود تھے اور صدر صاحب کی آمد کا بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا ۔ نواب زادہ صلاح الدین سعید نے اپنے



نوابزادہ صلاح الدین سعید شیر گڑھ کے مقام پر ایک بہت بڑے جلسہ عام
میں اپنی ہزاروں کنال اراضی کے حقوق مزارعوں کو دینے کا اعلان کر رہے ہیں۔

محل میں دوپہر کے کھانے کے لیے کئی ہزار افراد کا بندوبست کر رکھا تھا اچانک ساڑھے گیارہ بجے انہوں نے سٹیج پر آکر اعلان کیا کہ صدر مملکت نے فون پر بتایا ہے موسم کی خرابی کی وجہ سے ان کا شیر گڑھ پہنچنا ممکن نہیں ہے ان کے اس اعلان کے ساتھ صدر مملکت کی آمد کے منتظر ہزاروں شہریوں میں مایوسی پھیل گئی گو موسم ابر آلود تھا بارش بھی ہوئی اس کے باوجود قرب و جوار کے ہزاروں لوگ بسوں، ٹرکوں، ویگنوں سکوٹروں کے ذریعہ جلسہ گاہ پہنچ گئے تھے۔ نوابزادہ صلاح الدین نے لوگوں میں مایوسی بھانپتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ آج سے ان غریب مزارعین کو اراضی اور مکانات کے مالکانہ حقوق دیتے ہیں جو ان کی موروثی اراضی پر قائم ہیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

نواب زادہ صلاح الدین سعید نے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کو خطاب کرنے کی دعوت دی تھی۔ اور مالکانہ حقوق کے کاغذات بھی ان کو مزارعوں میں تقسیم کرنے تھے وزیر اعظم کی طرف سے یہ شرط لگائی گئی تھی پہلے وہ (نواب زادہ صلاح الدین سعید) مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ نواب زادہ صلاح الدین سعید نے مسلم لیگ میں شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی۔ امکان غالب یہی ہے کہ صدر مملکت نے بھی اس صورت حال کے پیش نظر جلسہ میں شریک ہونا گوارہ نہ کیا ہو۔ ۱۹۸۸ کے انتخابات میں بھی وہ کامیاب ہو کر رکن قومی اسمبلی بنے اور پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے ۱۶ راگست کے صدارتی اقدام اسمبلی ٹوٹنے کے بعد آپ صوبہ سرحد کی نگران حکومت میں شامل ہوئے اور محکمہ جنگلات کا قلمدان سنبھالا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں آپ نے این' اے ۱۶ مانسہرہ ۲ سے مسلم لیگ مرکزی سربراہ محمد خان جونیجو کے مقابلہ میں کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ جس کی وجہ سے محمد خان جونیجو اور مرحوم صدر صاحب کے صاحبزادے اعجاز الحق کو اس نشست سے دستبردار ہونا پڑا آپ کو اس حلقہ سے آئی جے آئی کا ٹکٹ ملا آپ اس حلقہ سے کامیاب ہو کر تیسری بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں پیپلز پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے پاکستان ڈیفینس کمیٹی کے ممبر ہیں بیرون ملک پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ سردار گل محمد خان ہندوال سے لے کر نواب زادہ صلاح الدین سعید ۱۹۹۱ تک کا دور ختم بالخیر ہوتا ہے یہ ایک ہی خاندان کا سلسلہ چل رہا تھا جو کہ مکمل ہوا ہے۔ تنولی قوم کے ان سرداروں کا جن کا بیان رہ گیا ہے۔ اب آگے صفحات میں ان کا ذکر ہوگا۔

سردار مدد خان ہندوال بھلڑہ ۱۸۴۱-۱۸۷۳

بھلڑہ مانسہرہ سے مغرب کی جانب دریائے سرن کے پار کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے کہڑکہ کے مقام پر دریائے سرن کو عبور کرنا پڑتا ہے کہڑکہ بھی تناول میں واقع ہے امب دربند سے ایک راستہ شیر گڑھ اور دوسرا جنوب مغرب کی جانب بھلڑہ کو جاتا تھا اس علاقے کو دہنی" بھی کہلاتا ہے۔ سردار مدد خان ہندوال پائندہ خان کا چھوٹا بھائی تھا یہ علاقہ پائندہ خان نے اپنے بھائی سے چھین لیا تھا جسے سردار مدد خان نے دوبارہ حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا سید احمد شہید نے بھی وعدہ کیا تھا جنگ بھلڑہ میں مجاہدین شکست سے دوچار ہو گئے تھے۔ بعد ازاں سید صاحب کی زندگی نے ایفا نہ کی۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ ۱۸۴۱ میں سردار مدد خان ہندوال سے متاثر ہوا تو اس نے پائندہ خان کا علاقہ بھی سردار مدد خان کو عطا کر دیا جو پائندہ خان کی وفات کے بعد سکھوں نے اس کے لڑکے جہاں داد خان کو واپس دلوا دیا اس کے بعد سردار مدد خان کے پاس اپنا پرگنہ بھلڑہ ہی رہ گیا۔ سردار مدد خان ہندوال نے اپنے علاقے کا انتظام بہت اچھے طریقے سے چلایا وہ اعلیٰ درجے کے منتظم تھے سردار موصوف انگریزوں کا معاون اور خیر خواہ رہا انہوں نے ۱۸۵۷ میں انگریزوں کی ہر ممکن مدد کی ان کی ریاست انگریزی تسلط تک بحال رہی۔ بھلڑہ کا قدیم نام بھلڑوا سا ہے قدیم ہندوؤں کے زمانے میں یہاں تنزکیہ یا طنی کے لئے ریاضت ہوتی تھی ہندی میں بھلڑوا سا پھول جیسا اور خوبصورت چیز کو کہتے ہیں جو بعد میں بگڑ کر بھلڑہ بن گیا۔ سردار مدد خان ہندوال نے اپنی بقیہ عمر عبادت میں گزاری۔ بوڑھاپے میں ان کی صحت اچھی تھی وہ ہر روز صبح چار میل کا سفر پیدل طے کرتے تھے ان کا انتقال بماہ اپریل ۱۸۷۳ کو ہوا۔ بھلڑہ میں دفنائے گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بڑا لڑکا عبداللہ خان گدی نشین ہوا پندرہ سال بہ احسن طریقے سے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ریاست کا انتظام سنبھالے رکھا عبداللہ خان ۱۸۸۸ کو انتقال کر گئے۔ اپنے باپ کے پہلو میں دفنائے گئے ان کے بعد عبداللہ خان کا بڑا لڑکا عبدالرحمن خان سربراہ ہوا نو سال سربراہ رہنے کے بعد وہ ۱۸۷۷ کو انتقال کر گئے۔ ان کا جانشین عطا محمد خان ہوا ان کے زمانے میں ریاست کے مزارعین نے حقوق ملکیت اراضی کے لئے جدوجہد کی لیکن مزارعوں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ عطا محمد خان کی وفات کے

بعد اس کے بیٹوں محمد عمر خان، محمد اکبر خان، دوست محمد خان، اور غلام حیدر خان کے وظیفے مقرر ہوئے پاکستان بننے کے بعد تمام چھوٹی بڑی ریاستیں ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں ریاست میں پاکستان کے قوانین نافذ ہو گئے۔

سربلند خان پلال۔ شنگڑی ۱۸۰۸

جب ہم ہزارہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو شنگڑی کا ذکر بار بار آتا ہے زیرین تناول میں بیرڑا اور پھوہار کی طرح شنگڑی کو بھی ایک خاص مقام حاصل تھا صوبہ خان کے بیٹوں میں تقسیم کی بدولت یہ علاقہ سرفراز خان کو ملا تھا بیرڑ کی طرح یہ بھی پلال تنولیوں کا مرکز رہا ہے ۱۸۱۴ سردار احمد علی خان (بیرڑ اور پھوہار) کے قتل کے بعد زیرین تناول پر سربلند خان کی حکومت ہوگئی اس نے اپنا دارالریاست شنگڑی بنایا اب وہ پوری پلال ریاست کا سربراہ تھا۔ دو رانیوں کا دور ختم ہوتے ہی جب سکھوں کی یلغار شروع ہوئی تو سربلند خان پلال نے سکھوں سے ٹکر لی اور دوسرے رئیسان ہزارہ کو بھی ترغیب دی کہ وہ سکھوں کے مقابلے میں ڈٹ جائیں اور بجائے انفرادی حیثیت کے اجتماعی طور پر ان کا مقابلہ کریں۔ یہی بنیادی وجہ تھی کہ سردار ہری سنگھ نلوہ سربلند خان پلال کو اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیتا تھا۔ اور اس نے سربلند خان کا علاقہ اس سے چھین لیا تھا اور اس کی گرفتاری کے لئے وہ ہندوال تنولیوں سے مدد کا طالب ہوا۔ گو گرفتاری میں وہ کامیاب نہ ہوسکا لیکن اس نے ہمیشہ کے لئے شنگڑی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا سکھوں کے عہد حکومت میں سربلند خان چین سے نہیں بیٹھا وہ سر چھپانے کے لئے سرگرداں رہا بعض دفعہ مہینے میں تین تین جگہ اسے رہائش تبدیل کرنی پڑتی تھی سکھوں کے مخبر اس کی بو سونگھ کر میلوں کا سفر طے کرتے تھے۔ جب وہ منزل مقصود پر پہنچے تھے تو انہیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا سربلند خان باہمت، دلیر، زیرک و باتدبیر شخصیت کے مالک تھے یہ تنولیوں کی بدقسمتی رہی دونوں شاخیں ہندوال اور پلال الگ سکھوں سے برسر پیکار ہیں لیکن ایک دوسرے کی قیادت کو انہوں نے قبول نہیں کیا۔ یہ ایک دوسرے کے ابتدا سے دشمن چلے آرہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کا کوئی موقع خالی جانے نہیں دیتے تھے ہر محاذ پر دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا تھے۔ سربلند خان پلال کا سید احمد شہید کے عقیدت مندوں میں شمار ہوتا تھا جس کی وجہ سے پائندہ خان ہندوال ہمیشہ شاکی رہا اس کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ سربلند خان پلال اور مدد خان

(پائندہ خان کا چھوٹا بھائی) دونوں مجاہدین کے ساتھ مل کر اس کے برخلاف سازش کر رہے ہیں یہی وجہ تھی ایک دفعہ پائندہ خان نے ان دونوں کو مجاہدین کے ساتھ دیکھ کر مجاہدین کو دریائے سندھ عبور کرنے سے منع کر دیا تھا آگے چل کر اس انکار نے جنگ کی صورت اختیار کر لی اور پائندہ خان کو اپنے علاقے سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ہندوال اور پلال دونوں کی آپس میں باہمی رنجش کے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے دونوں کی طاقت وقت اور وسائل ضائع ہوتے جس سے مخالف قوتوں کو فائدہ پہنچا۔ درانیوں اور سکھوں نے اس رنجش سے بھرپور استفادہ کیا۔ نواب خان ہندوال دسمبر ۱۸۱۴ کو بمعہ فوج پلالوں کے مرکز شنگڑھی کو تباہ و برباد کرنے اور سربلند خان پلال کو سبق دینے آیا۔ اس نے محمد خان ترین کو بھی اپنے ساتھ آمادہ جنگ کر لیا تھا۔ لیکن قبل از وقت جنگ سربلند خان پلال کے معتمد خاص کے ایک سوال نے محمد خان ترین کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ سربلند خان نہ کبھی میرا مخالف رہا ہے اور نہ اب ہے اس نے میرے ساتھ کبھی ایسا سلوک نہیں کیا جس سے الجھاؤ کی صورت پیدا ہو۔ بلکہ وہ میرا اچھا پڑوسی رہا ہے آخر اس سوچ کا مثبت ردعمل ظاہر ہوا محمد خان ترین نے سربلند خان کے ساتھ جنگ سے اجتناب کیا اور نواب خان ہندوال بمعہ اپنی فوج مایوس و نامراد واپس لوٹ گیا۔ سربلند خان پلال کی مصروفیات عمر رسیدہ ہونے کے باعث ختم ہو چکیں تھیں انہوں نے مشیر خاص کے ذریعہ سردار ہری سنگھ نلوہ کو اپنی آبائی جائیداد شنگڑھی بحال کرنے کی درخواست دی تاکہ وہ بقیہ ایام زندگی آرام و سکون سے گزار سکیں۔ سردار ہری سنگھ نلوہ نے نہایت اعلیٰ فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے سربلند خان پلال کے تمام قصور معاف کر دیئے اور اسے شنگڑھی کے بجائے جوڑے پنڈ کی جاگیر عطا کی اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سطور میں آباد ہوئے۔ سربلند خان پلال کا ۹ مئی ۱۸۴۵ء کو انتقال ہوا جوڑے پنڈ میں دفنائے گئے

نواب خان پلال شنگڑھی ۱۸۴۵-۱۸۷۴

تنولیوں میں دو نواب خان ہو گزرے ہیں ایک ہندوال شاخ سے تھا اور دوسرا پلال شاخ سے دونوں اپنے عہد کے نامور ہو گزرے ہیں نواب خان پلال اپنے وقت کا شہ زور پہلوان تلوار کا دھنی نیزہ بازی اور سپاہ گری میں ماہر تھا۔ معرکہ آرائی اور تدبیر جنگ میں استاد کامل تھا۔

نواب خان پلال سکھوں کے آخری دور میں ابھرا با اثر و رسوخ تھا حاکم ہزارہ مولراج نے اس کا تقرر کیا کہ وہ جا کر پکھلی میں غیر مجاہدین نے فساد برپا کر رکھا اسے فرو کرے نواب خان اپنے سپاہیوں کے ساتھ گڑھی حبیب اللہ گیا۔ اس نے وہاں سے مولراج کو مزید فوج بھیجنے کا لکھا لیکن سکھ فوج نے مولراج کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور گڑھی حبیب اللہ کوئی بھی نہ گیا۔ سکھ دو دھڑوں میں تقسیم تھے۔ نواب خان نے جب سکھوں کو خانہ جنگی میں مبتلا دیکھا تو وہ آزادی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے انہوں نے دوران قیام گڑھی حبیب اللہ تمام رئیسان ہزارہ گڑھی سے گندگر تک کو خطوط ارسال کیے کہ اب وقت آگیا ہے متحد ہو کر آگے بڑھیں۔ نواب خان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ تمام رئیسان ہزارہ متحد ہو کر میدان میں نکل آئے نواب خان نے اپنے والد سربلند خان کے ساتھ عملی طور پر کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ ایک دفعہ ہری سنگھ نلوہ کے ساتھ لڑائی میں وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کچھ دن باقی تھے اس لئے بچ گئے ان کے بھائی شیر محمد خان نے شہادت کا رتبہ پایا وہ ابتداء ہی سے لاجواب آزمودہ کار با تدبیر جنگجو تھے۔ نواب خان نے ایک گولی چلائے بغیر گڑھی حبیب اللہ سے کوچ کیا اور سیدھا شیروان پہنچا شیروان پر اپنا قبضہ کر لیا قلعہ دار رندھان سنگھ کو گرفتار کر لیا باقی سکھوں نے فرار ہو کر جان بچائی اور ہری پور پہنچ کر مولراج کو اطلاع کی۔ مولراج انتقامی کارروائی کے طور پر حیات خان ترک ساکن مانکرائے کو بمعہ اہل و عیال گرفتار کر کے ہری پور قلعہ میں لے آیا اس کے تھوڑے عرصہ بعد زیرین ہزارہ کے رؤسا سکھوں کی جمعیت کو شکست دے کر ہری پور پر قابض ہو گئے اسی طرح مولانا ولایت علی جو ہندوستان سے صوبہ سرحد میں سید ضامن شاہ کوائی کی دعوت پر تشریف لائے تھے ۱۸۴۶ کے آخر تک بالائی ہزارہ پر قابض رہے بیک وقت ہزارہ پر مسلمان حکومت کا قیام برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک خوش آئند بات تھی جب ۱۸۴۶ ہزارہ میں پہلی اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد سکھوں نے ہزارہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو نواب خان تنولی بمعہ اپنے اہل و عیال دریائے سندھ عبور کر کے کھبل میں پناہ گزین ہوئے جب تک ہزارہ میں انگریزی عملداری کا نافذ نہیں ہوا ان کا قیام وہیں رہا۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا اور ایبٹ صاحب ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر (اپریل ۱۸۴۹ - ۱۸۵۳ء) مقرر کیے گئے تو میجر جیمس ایبٹ نے نواب خان تنولی کو کھبل سے بلا کر اس کے باپ کی جاگیر جوڑے پنڈ بحال



نواب خان تنولی رئیس شنگڑی دارالمدام اسلامی ریاست اول برصغیر

کر دی اور ضبط شدہ جاگیر شنگڑی بحال کرتے کی گورنر جنرل حکومت ہند سے سفارش کی۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مرکزی حکومت سے اس کی منظوری آگئی اور نواب خان مستقل طور پر شنگڑی میں رہنے لگا در حقیقت نواب خان تنولی پر ایبٹ صاحب کی مہربانی کا اصل سبب ۱۶ اپریل ۱۸۴۸ء کی ملتان بغاوت تھی جس میں نواب خان اپنے سواروں کے ساتھ شریک ہو کر کیپٹن ایڈورڈ کے ساتھ ملتان گیا تھا۔

بغاوت ملتان اور نواب خان تنولی ۱۸۴۸

سکھ اپنی ریاست کا احیا چاہتے تھے ان کے مدِمقابل دوسری قوت انگریزوں کی تھی پنجاب کے سکھوں نے مولراج کو اپنی امداد کا یقین دلا کر انگریزوں کے برخلاف بغاوت پر اکسایا ۱۶ اپریل ۱۸۴۸ کو مولراج نے ملتان میں انگریزوں کے برخلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور دو انگریز والنس اگینو اور اینڈرسن قتل کر دیئے گئے۔ بغاوت کی خبر تمام پنجاب میں پھیل گئی جب ۱۹ اپریل ۱۸۴۸ کو یہ خبر ہزارہ میں میجر ایبٹ تک پہنچی تو وہ سیدھے ہری پور سے شیروان چلے گئے کیونکہ ہری پور میں مولراج کی بغاوت کا ٹن کر ہری پور کی سکھ فوج میں سخت بغاوت پھیل گئی ہری پور میں چار ہزار سکھ فوج زیر کمان چتر سنگھ اور نائب کمان سردار جھنڈا سنگھ موجود تھی ایبٹ صاحب نے یہ خبر شیروان میں سنی کہ سکھ فوج باغی ہو گئی ہے اور سردار چتر سنگھ بھی ان کے ساتھ ہے۔ انہوں نے شیروان میں تمام دور دراز کے خوانین اور زمینداروں کو اکٹھا کیا جس میں نواب خان تنولی بھی شامل تھا ایبٹ صاحب نے ان لوگوں سے کہا سکھ فوج باغی ہو گئی ہے اور فساد کرنا چاہتی ہے اگر فساد برپا ہو گیا تو تم لوگ کیا کرو گے سب نے جواب دیا ہم سکھوں سے ہمیشہ لڑے ہیں اور اب بھی لڑیں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں ایبٹ صاحب نے چند خوانین کو اپنے آزمودہ کار جنگجوؤں کے ساتھ کیپٹن ایڈورڈ کے ساتھ ملتان جانے پر مامور کیا اس سے قبل جو فوج انگریزوں کی مدد کے لئے ملتان بھیجی گئی تھی وہ مولراج کے ساتھ مل گئی تھی۔

نواب خان اپنے سواروں کے ساتھ زیر کمان کیپٹن ایڈورڈ شریک ہو کر ملتان گئے ملتان کے محاصرے میں کیپٹن ایڈورڈ اور نواب خان تنولی نے بغاوت کے مشہور لیڈروں مہاراج سنگھ اور اجارہ سنگھ سوڈھی کو گرفتار کیا جب ملتان کی جنگ میں سکھوں نے انگریزوں کی ڈاک روک لی تو نواب خان تنولی نے اپنے چھوٹے بھائی نہایت خان ساکن جمہڈ کو ڈاک کی ترسیل پر مامور کیا جس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ



نہایت اللہ خان تنولی برادر نواب خان تنولی رئیس شنگرہی جنہوں نے بغاوت ملتان میں سکھوں کی بند کی ہوئی۔ ڈاک کو اپنے آدمیوں کی مدد سے بحال رکھا۔

ڈاک پہنچانے کا کام با احسن طریقے سے سر انجام دیا اور انگریزوں کا رابطہ ملتان دوبارہ بحال کیا۔
نواب خان نے شورش ملتان ۱۸۴۸ء زیر قیادت کیپٹن ایڈورڈ بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔
۱۸۵۷ء جنگ آزادی اور مری میں ڈھونڈوں کی بغاوت ساتھ ہی رونما ہوئیں مری میں ڈھونڈوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے نواب خان بھی بکار سرکار شریک ہوئے۔

جب ڈھونڈوں نے مری میں بغاوت کی تو ہسار رجمنٹ کو بغاوت کی سرکوبی کے لئے منتخب کیا گیا اس رجمنٹ نے ڈھونڈوں کے برخلاف ہتھیار اٹھانے سے انکار کر دیا تھا رجمنٹ کے انکار کرتے ہی تمام سپاہیوں سے ہتھیار ایبٹ آباد میں لئے گئے اور ان کو گرفتار کر لیا گیا ان سب کا کورٹ مارشل ہوا اور پھانسی کی سزا تجویز کی ۔ ہسار رجمنٹ جو ایچ' اے' ایس' اے' آر کا مخفف ہے۔ اس کے معنی ہزارہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کی رجمنٹ تھا۔ اس میں زیادہ تر ہزارہ، گلیات مری' تناول، کہوٹہ، کے لوگ شامل تھے۔ دو حصوں میں تقسیم تھی اس کا ایک حصہ پشاور اور دوسرا حصہ ایبٹ آباد میں مقیم تھا۔ اس بغاوت کا ہزارہ اور تناول سے گہرا تعلق تھا اور بہت کم لوگ جانتے ہیں یہ بغاوت کیوں ہوئی۔ کس طرح ہوئی اور اس کا انجام کیا ہوا اس لئے اس بغاوت کا مختصر بیان پیش خدمت ہے

مری میں ڈھونڈوں کی بغاوت ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء جنگ آزادی کے شروع ہوتے ہی حسن اتفاق سے سردار شمس خان اور سید اکبر شاہ تھانوی دونوں انتقال کر گئے سردار شمس خان ڈھونڈ قبیلے کے سردار تھے ان کی تجہیز و تکفین کے موقع پر بڑے بڑے سردار گاؤں سندھیاں میں جمع ہوئے۔ سردار شمس خان کے انتقال کے بعد سردار باز خان کی دستار بندی کی گئی سردار باز خان بہادر جوشیلے سرگرم و ملنسار آدمی تھے اس کے ساتھیوں نے عہد کیا اور قسمیں کھائیں کہ وہ انگریزوں پر حملہ کر کے ان کو یہاں سے نکالیں گے۔ دستار بندی کے بعد سردار باز خان ضلع ہزارہ گئے تاکہ ہزارہ کے ڈھونڈ برادری سے صلاح و مشورہ کر سکیں وہ یہ چاہتے تھے کہ دشمن کا مقابلہ بڑی قوت کے ساتھ کیا جائے یہ ایک ایسا وقت تھا کہ ہندوستان میں بغاوت کے شعلے بلند ہو چکے تھے اور انگریز ہر جگہ سرگرم عمل تھے۔ دریں اثنا کھنی تاک گاؤں کی ایک عمر رسیدہ عورت جو دادی سونا کے نام سے مشہور تھی اپنے بھائی حاکم خان جو ...

ہاں گھریلو ملازم تھا اس نے سردار باز خان کے اس منصوبے کا قبل از وقت انکشاف کر دیا یہ قدم دادی سنوں نے اس لیے اٹھایا کہ اس کا بھائی حاکم خان حملہ کے وقت مارا نہ جائے مسٹر لارنس نے سردار باز خان کے اس منصوبے سے انگریزوں کو آگاہ کیا تو وہ چوکنا ہو گئے سازش کے رونما ہونے سے پہلے ہی انہوں نے انگریز عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ مسٹر بیٹی جو مری میں فوج کے انچارج تھے مری میں گورا فوج کو ناکافی خیال کرتے ہوئے سول اور فوجی حکام کے باہمی صلاح مشورے سے فوراً راتوں رات ایبٹ آباد اور راولپنڈی سے فوجی امداد طلب کر لی۔

ایبٹ آباد سے میجر جان بیچر اور راولپنڈی سے مسٹر تھارنٹن مری میں بیٹی کی مدد کے لئے پہنچ گئے سردار باز خان کو مقررہ وقت سے کچھ زیادہ عرصہ ضلع ہزارہ میں ٹھہرنا پڑ گیا ادھر ضلع راولپنڈی کے ڈھونڈوں نے حملہ کر دیا۔ ڈھونڈوں کے مقابلے میں مسٹر رابنس فوج کو لے کر آگے بڑھے بڑی خون ریز جھڑپ ہوئی پنڈت کنہیا لال نے اپنی کتاب "تاریخ بغاوت ہند"، مطبوعہ ۱۸۸۲ء اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا جس وقت نیچے گھاٹی میں گاؤں جل رہے تھے اس وقت سامنے پہاڑوں پر شہنائی بجتی تھی یہ دیکھ کر خیال ہوتا تھا اس جگہ لڑنے والے دوبارہ اکٹھے ہوں گے۔ داستان مری میں پروفیسر کرم حیدری لکھتے ہیں تحریک آزادی کا ہراول دستہ ڈھونڈوں کا تھا باقی دستوں کو جب انگریزوں نے دیکھا تو انہوں نے کہا ہم انگریزوں کی مدد کرنے آئے ہیں انگریز اس سے خوش ہو گئے جس میں کیھوال، ستی دھنیال شامل تھے۔

یہ خبر سنتے ہی سردار باز خان افغانستان چلا گیا اس بغاوت کی پاداش میں ۴۲ بڑے سرداروں کو توپ سے اڑا دیا جن میں زیادہ تر ڈھونڈ قبیلہ کے لوگ تھے باقی لوگوں کو پھانسی اور عمر قید کی سزائیں دی گئیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی امپریل گزیٹر آف انڈیا مجریہ ۱۹۰۱ء میں ان کی تعداد ۳۰۰ بتائی گئی ہے اور مری کے لوگوں کی اس جدوجہد آزادی کو ناکام بغاوت کا نام دیا گیا ہے ان حریت پسندوں کے صحیح ناموں اور تعداد کا الگ کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ پشاور یونیورسٹی وائس چانسلر چوہدری محمد علی مرحوم اور ان کے رفقاء نے شہدائے آزادی کے ناموں کی تلاش برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری لنڈن میں بھی کی لیکن ان شمع آزادی کے پروانوں کا کوئی الگ سراغ نہ مل سکا ان شہدائے آزادی کا صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ انہیں نام نہاد بغاوت کے الزام میں گولی مار دی گئی۔ ہسار رجمنٹ کے جن غیور و بہادر جوانوں

نے اپنے ہم وطن قومی مجاہدوں پر گولی چلانے سے انکار کیا تھا۔ ان کو بھی ۵۵ رجمنٹ کے باغیوں کے ساتھ زیر انتظام میجر جان بیچر ایبٹ آباد کے محلہ اپر ملک پورہ پرانی چونگی چوکی کے نزدیک میدان شملہ پہاڑی کے دامن میں فائر سکارڈ کے ذریعہ شہید کیا گیا۔ درحقیقت انگریزوں نے مری میں ڈھونڈوں کی بغاوت کا غلط اندازہ لگایا جس کی وجہ ہزارہ اور دوسرے مقامات سے فوج کی ایک بڑی تعداد مری میں اکٹھی کر لی ان میں انگریزوں کے حلیف سردار بھی موجود تھے جن میں نواب خان بھی شامل تھا انگریزوں کا خیال تھا کہ اس بغاوت میں پوٹھوار کا علاقہ بھرپور حصہ لے گا۔ جو اچھی عسکری روایات کا حامل اور جنگجو علاقہ ہے لیکن مری کی اس بغاوت میں سوائے ضلع راولپنڈی کے ڈھونڈوں کے اور کسی نے حصہ نہیں لیا رابنس کی پلٹن کے ساتھ ایک خونریز جھڑپ کے بعد یہ بغاوت دم توڑ گئی لیکن اس کے برعکس انگریزوں نے بہت زیادہ لوگوں کو شامل کر کے کڑی سزائیں دیں۔ نواب خان اپنے جانثاروں کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہوا لیکن ایک گولی چلائے بغیر اپنے کیمپ میں مقیم رہا یہ بغاوت ایک پلٹن کی جھڑپ کے بعد ختم ہو گئی تھی نواب خان کی طرح دوسرے سردار بھی بغیر لڑے اپنے ٹھکانوں میں موجود رہے جب تک کہ اعلیٰ کمان کی طرف سے انہیں فارغ نہیں کیا گیا۔ نواب خان بغاوت کے دوسرے دن اپنے گرم بستر سے اٹھ کر الصبح باہر نکلا یخ بستہ ہوا۔

نواب خان کو شل کر گئی۔ آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی مری کے اس ناگہانی حادثہ کے بعد نواب خان نے تا مرگ کسی اور معرکے میں حصہ نہیں لیا لاچار و مجبور اپنی آبائی جائیداد شنگرڑی پر قائم رہا۔ نواب خان آخر وقت تک انگریزوں کا خیر خواہ رہا اس نے ۲۶ دسمبر ۱۸۷۴ء کو وفات پائی اور شنگرڑی میں دفنائے گئے۔

نواب خان کی خدمات کا سرکاری طور پر اعتراف

مینوٹی ان انڈیا جلد دوئم میں ہزارہ کے باب میں نواب خان تنولی کی خدمات کا اعتراف بے جا طور پر کیا گیا ہے انہوں نے ۱۸۵۷ء کے دوران میں کرنل چارلس میسن نے بھی اپنی کتاب (روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب) میں ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ کرنل چارلس میسن لکھتے ہیں صوبہ خان کا پڑپوتا نواب خان تنولی اپنے سوار لے کر کیپٹن ایڈورڈ کے ساتھ ملتان گیا اور ملتان محاصرے میں برابر کام دیتا

رہا۔ ۱۸۵۷ء مری کے گرد و نواح میں قوم ڈھونڈ کی بغاوت فرد کرنے میں اس نے مدد دی اس موقع پر سرد ہوا لگنے سے اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ ان خدمات کے صلے میں اس کو جاگیر دوام عطا کی گئی۔ الحاق پنجاب کے بعد میجر جیمس ایبٹ نے اس کا نام رئیس مشرقی تناول رکھا نواب خان شنگرئی پر تقریباً ۲۹ سال قائم رہا سکھوں کے ہزارہ پر دوبارہ قبضے کے بعد اس نے شنگرئی سے ہجرت کی۔ حیدر خان درانی جب ہزارہ میں داخل ہوا تو اس نے شنگرئی کو بھی نشانہ بنایا

درانیوں کا شنگرئی پر حملہ

حیدر خان درانی پسر امیر دوست محمد خان والئی کابل نے شنگرئی پر حملہ کیا لوگوں کے گھر جلا دیئے اور بعض لوگوں کو اپنی حراست میں لیا حیدر خان درانی کے مددگار و معاون غلام حیدر خان ترین گل ڈھیری، حسن شاہ و بڈھا خان دلازاک ساکن سرائے صالح اور حیات خان ترک ساکن مانکرائے تھے۔ درانی فوج کی آمد سے پہلے ہی سرائے نعمت خان اور بسوال کے لوگ جان بچانے کے لئے اپنے گھروں سے بھاگ نکلے ان کے گھروں کا مال و اسباب درانیوں نے لوٹا اور مویشی ساتھ ہانک کر ہری پور لے آئے۔ چند دنوں کے بعد حیات خان ترک کی سفارش پر زیر حراست افراد کو بھی رہائی مل گئی یاد رہے کہ حیات خان ترک ساکن مانکرائے نواب خان تنولی کے بہنوئی تھے درانیوں کا شنگرئی پر حملہ درانیوں کی ہزارہ میں آمد کے فوراً بعد ہوا۔

چتر سنگھ کا شنگرئی میں کیمپ اور شیروان پر حملہ

چتر سنگھ اپنی فوج کے ساتھ ہری پور سے براستہ سرائے نعمت خان، شیروان پر حملہ کرنے کے لئے آیا ایک دن اس نے شنگرئی کے نزدیک سرائے نعمت خان میں اپنا کیمپ لگایا۔ چتر سنگھ کی سرائے نعمت خان میں آمد اور شیروان پر حملہ کی خبر لوئر تناول میں منٹوں میں پھیل گئی اور تنولیوں، سیدوں، اعوانوں نے ہتھیار اٹھا لئے اور شیروان میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جم غفیر لڑنے کے لئے جمع ہو گیا۔ نواب خان تنولی کے چھوٹے بھائی نہایت اللہ خان رئیس چھپڑ جو شیروان میں موجود تھے انہوں نے چتر سنگھ کا حملہ پسپا کر کے چتر سنگھ کو واپس جانے پر مجبور کر دیا چتر سنگھ نے یہی غنیمت جانا اور اسی ہی میں بہتری سمجھی کہ وہ واپس ہو جائے۔ چنانچہ چتر سنگھ جس راستے سے آیا تھا۔ اسی راستے سے واپس ہوا جب یہ خبر کچھی میں میجر جیمس ایبٹ کو ملی تو وہ مشوانیوں کو لے کر شیروان پہنچے لیکن اس وقت تک

دوست محمد خان رئیس شنگرئی ۱۸۴۷-۱۹۲۵

دوست محمد خان پلال تنولیوں کے بڑے بڑے خاندانوں میں سے ایک خاندان کا سرکردہ تھا دوست محمد خان پڑھے لکھے جرات مند، دور اندیش، روشن خیال شخصیت کے مالک تھے ان کی جرأت مندی اس امر سے ظاہر ہے انہوں نے سب سے پہلے عیسائی مشنریوں کی مذمت کی جنہوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے صوبہ سرحد میں اپنے مشن قائم کئے اور عسائیت کا پرچار کرنے لگے انہوں نے چھوٹی عمر میں اپنے والد کے ساتھ کئی معرکوں میں حصہ لیا چتر سنگھ کی بغاوت میں وہ ایبٹ صاحب کے ساتھ تھے دھمتوڑ کا معرکہ جو چتر سنگھ اور جنرل نکلسن اور میجر ایبٹ کے درمیان ہوا وہ شریک تھے انہوں نے کوہ سیاہ کی یورش کو فرد کرنے میں مدد دی جب تک کوہ سیاہ کی یورش برپا رہی ان کا ڈپٹی کمشنر ہزارہ کرنل ایمنی کے ساتھ تعاون رہا۔ کرنل چارلس میین نے اپنی انگریزی کتاب روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب" میں دوست محمد خان کا ذکر بہ عنوان دوست محمد خان رئیس شنگرئی ایک باب میں کیا ہے جو پلال تنولیوں کے بڑے بڑے خاندانوں میں سے ایک خاندان کا سرکردہ تھا۔

۱۹۲۵ء میں دوست محمد خان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا حبیب اللہ خان اس جاگیر پر اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا اور حسب دستور جملہ امور جاگیر بہ احسن طریقہ سے سرانجام دیتا رہا حبیب اللہ خان کی اچانک موت کے بعد ان کا بیٹا عطا محمد خان جانشین مقرر ہوا دریں اثناء نوزائیدہ مملکت پاکستان معرض وجود میں آچکی تھی اس کے چند سال بعد پاکستان نے تمام جاگیریں ختم کرنے کا فیصلہ کیا اس طرح یہ جاگیر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

عنایت اللہ خان رئیس چھپڑ ۱۸۴۷-۱۸۹۴ء

عنایت اللہ خان جو نواب خان کے چھوٹے بھائی تھے انہوں نے شنگرئی سے چار میل دور جانب شمال ایک مقام چھپڑ میں یہاں پانی کی فراوانی تھی اور جگہ سرسبز و شاداب تھی اپنی سکونت

اختیار کی ۔ عنایت اللہ خان میجر جیمس ایبٹ سے اچھے تعلقات رکھتے تھے اکثر اپنی جائے رہائش سے ان کی ملاقات کے لئے شیروان جاتے رہتے تھے ۔ ایک دفعہ حسب معمول ایبٹ صاحب کی ملاقات کو شیروان گئے لیکن ایبٹ صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ وہ شیروان سے باہر گئے ہوئے تھے دریں اثناء چتر سنگھ اپنی بھاری جمعیت کے ساتھ میجر جیمس ایبٹ کو سزا دینے اور گرفتار کرنے کے لئے شیروان پہ حملہ آور ہوا ۔ عنایت اللہ خان نے تنولیوں ، سیدوں اعوانوں کی مدد سے چتر سنگھ کا حملہ پسپا کیا چتر سنگھ نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ بغیر نقصان کے واپس چلا جائے ۔ میجر جیمس ایبٹ سے عنایت اللہ خان کی دوستی چند اشخاص کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح اٹکتی تھی جس کی وجہ سے وہ عنایت اللہ خان کے دشمن بن گئے ان میں پیش پیش قمر دین ، شیر محمد اور ان کے والد ساکنان شیروان اور فیروز خان ساکن بیٹر تھے ۔ جو اپنے ہم قوم لوگوں کو احمد علی خان ۱۸۱۱ - ۱۸۱۴ کے قتل کی آڑ میں بھڑکاتے رہتے تھے ۔ کہ وہ عنایت اللہ خان سے بدلہ لیں کیونکہ عنایت اللہ خان کے باپ سربلند خان نے احمد علی خان کو قتل کیا تھا ۔

جب امیر دوست محمد خان والئی کابل کا لڑکا غلام حیدر خان درانی سکھوں کا حلیف بن کر ہزارہ میں آیا تو سوائے عنایت اللہ خان چمہڑ اور میر زمان خان کھلابٹ کے تمام رئیسان ہزارہ غلام حیدر خان درانی کے ساتھ مل گئے ۔ چنانچہ درانیوں کے شنگڑی پر حملہ سے پہلے خان زمان طاہر خیلی رئیس گندگر عنایت اللہ خان کے پاس درانیوں کی بھرپور حمایت حاصل کرنے کے لئے آیا ۔ لیکن عنایت اللہ خان نے میجر جیمس ایبٹ کی دوستی کو نہ چھوڑا اور درانیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا خان زمان خان طاہر خیلی کے بے حد اصرار اور درانیوں سے جاگیر کی یقین دہانی کے باوجود عنایت اللہ خان سختی سے اپنے فیصلے پر قائم رہے ۔ جس کی عنایت اللہ خان کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی ۔ درانیوں نے شنگڑی پر حملہ کر کے ان کی تمام جائیداد تباہ کر ڈالی اور مال و اسباب لوٹ لیا ۔ عنایت اللہ خان نے انگریزوں اور سکھوں کی جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا میجر جیمس ایبٹ کا دوست ہونے کی وجہ سے ہر محاذ پر میجر جیمس ایبٹ کے ساتھ رہے ۔ اس کے علاوہ کوہ سیاہ کی یورش جنگ اگرور ، جنگ مانگل ، مسلم کھنڈ میں اپنے جانثاروں کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھائے اور انگریزوں کی ڈاک ملتان تک بحال رکھی خان موصوف نے ایک موقع



شہید شیر محمد خان پسر سربلند خان

پر اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر سروے پارٹی کے انچارج لیفٹیننٹ رابنسن کو بچایا جسے جیت سنگھ کے آدمی قتل کرنا چاہتے تھے سکھوں کو ہزارہ سے نکالنے کے لئے عنایت اللہ خان ساری عمر اپنے باپ اور بھائیوں کی طرح سکھوں سے برسر پیکار رہے ان کو اپنے شہید بھائی شیر محمد خان کا بہت دکھ تھا جو ہری سنگھ نلوہ کے ہاتھوں مارا گیا انگریزوں نے ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے ان کو جاگیر عطا کی جو ان کے انتقال کے بعد معرض وجود پاکستان تک قائم رہی۔ ان کا انتقال ۸ فروری ۱۸۹۴ کو ہوا جھنڈ میں دفنائے گئے جھنڈ عرصہ دراز تک البیرونی کا بیان کردہ شہر بابر یحان'' سمجھا جاتا رہا سر جنرل اے کنگھم مولف انگریزی کتاب دی انشنٹ جیگرافی آف کشمیر'' صفحہ ۲۷۸ پر لکھتے ہیں میں نے ڈپٹی کمشنر ہزارہ مسٹر ڈبلیو مرک سی۔ ایس۔ آئی سی ایس کو اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر البیرونی کے بیان کردہ راستہ کشمیر اور شہر باب ریحان کے متعلق توجہ دلائی میرے خط کے جواب میں مجھے ڈپٹی کمشنر ہزارہ کا خط دل چسپ معلومات اور وضاحت کے ساتھ ۲۵ اپریل ۱۸۹۹ کو ملا جس میں انہوں نے لکھا تین نشیبی نالوں کا پانی جو کہ جھنڈ کے پاس اکٹھے ہو جاتے ہیں ان کو بابر یحان کا نقش پا کہا جاتا ہے۔ جھنڈ جیسا کہ نقشہ میں دکھایا گیا ہے ایبٹ آباد سے جنوب مغرب کی جانب ۷، ۳۴ درجے عرض بلد اور ۷، ۷۳ درجے طول بلد کے درمیان واقع میاں خاکی نالہ میں ایک گاؤں ہے مذکورہ بالا نقشہ مسٹر مرک نے سر جنرل اے کنگھم کو بھیجا تھا یہاں حرف انگریزی کتاب دی انشنٹ جیگرافی آف کشمیر''، صفحہ ۲۷۸ کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ سر جنرل اے کنگھم مزید لکھتے ہیں مسٹر مرک ڈپٹی کمشنر ہزارہ نے یقین ظاہر کیا ہے کہ البیرونی کے شہر باب ریحان کی اصلی جگہ دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے درمیان آدھے راستے میں واقع ہے جو اب بھی باب ریحان کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے خاص کر ابھی تک اس نے اپنے نام میں اپنا رشتہ باقی قائم رکھا ہوا ہے اس کی شناخت کی سب سے بڑی حمایت وتائید یہی ہے۔ نالہ جو کہ میاں خاکی کہلاتا ہے سروے کے نقشہ میں ہزارہ کے وسطی میدان میں آمد ورفت کے لئے راستہ ہے۔ البیرونی نے اپنی کتاب میں باب ریحان کا فاصلہ دریا کے پل سے ۸ فرسک بتایا ہے جو کہ تقریباً ۳۹ میل ہوتے ہیں میرے نقشہ کے مطابق موجودہ مظفرآباد ...

ہوتا ہے جو کہ البیرونی نے تحریر کیا ہے۔

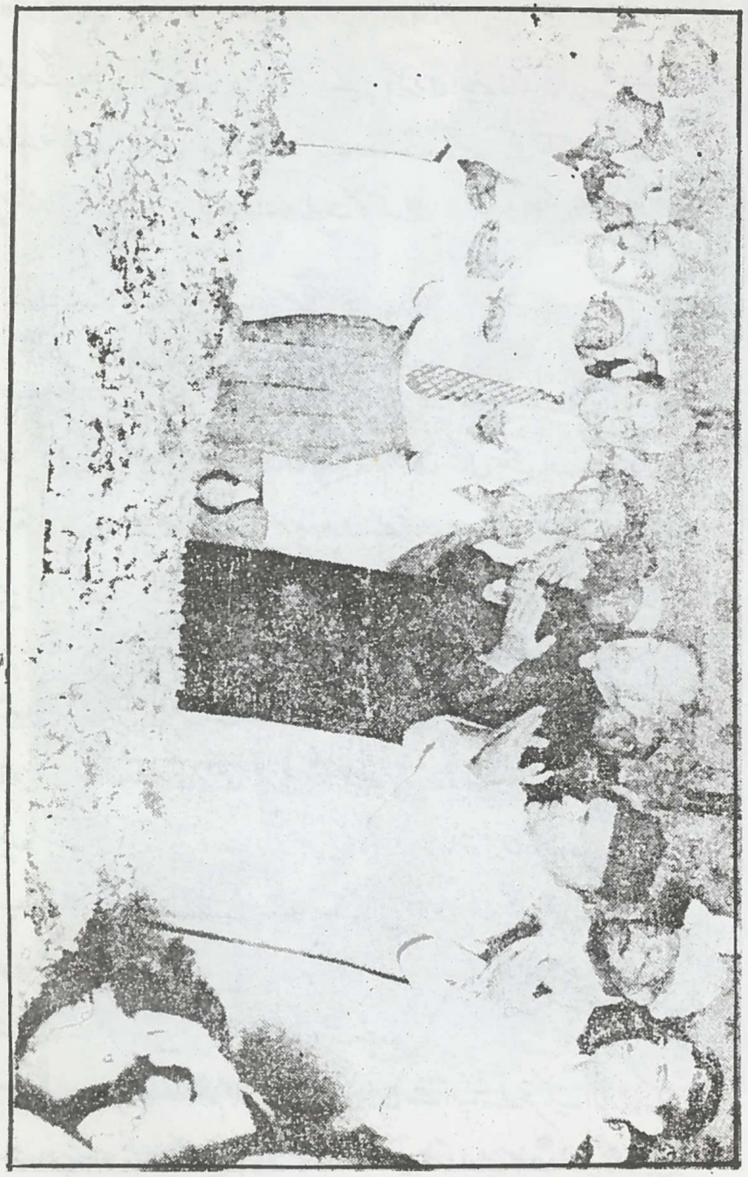
خان بہادر سلطان محمد خان رئیس بیڑ

خان بہادر سلطان محمد خان کا تعلق بیڑ کے مشہور و معروف تنولی پلال خاندان سے تھا آپ زبردست خان المعروف صوبہ خان کی پانچویں پشت سے تھے خان بہادر سلطان محمد خان نے میٹرک تک تعلیم ایبٹ آباد میں حاصل کی۔ سر فضل حسین انگریزی عہد کے وزیر تعلیم پنجاب اور وائسرائے کونسل کے ممبر ایبٹ آباد میں آپ کے ہم جماعت تھے خان بہادر سلطان محمد خان بعد میں ایچی سن کالج لاہور داخل ہوئے اور وہاں سے گریجوایشن کیا۔ زمانہ طالب علمی سے آپ کو نوادرات جمع کرنے کا شوق تھا آپ نہایت بیدار مغز اور روشن خیال نہایت خلیق و ملنسار شخصیت کے مالک تھے بیڑ میں سکونت رکھتے تھے بیڑ جو زبردست خان المعروف صوبہ خان کے زمانے سے پلال ریاست کا دارالسلطنت تھا زبردست خان کی وفات کے بعد اپنی عظمت کھو چکا تھا۔ خان بہادر سلطان محمد خان نے بیڑ کا کھویا مقام اسے دوبارہ دلایا آپ کو ریاکاری فریب اور تصنع سے زیادہ نفرت تھی ہمیشہ بے باک اور بے لاگ گفتگو کرتے تھے سیاسی، معاشرتی سماجی اور ادبی زندگی میں آپ کا کردار ہمیشہ منفرد اور بلند رہا۔ آپ کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہی سیاست دانوں کو شعبدہ بازیوں سے الگ تھلگ رہ کر ملک اور قوم کی خدمت کرنی چاہیئے خان بہادر سلطان محمد خان قائداعظم سے گہری عقیدت رکھتے تھے قائداعظم ان کی محبوب ترین شخصیت تھے انہوں نے بغیر کوئی عہدہ قبول کئے تحریک پاکستان کے لئے کام کیا اور تحریک پاکستان کی مالی اعانت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خان بہادر سلطان محمد خان کے پاس قرآن شریف کے دو نادر اور نایاب نسخے تھے ایک انتہائی سائز میں چھوٹا قرآن شریف کا نسخہ آپ کو حامد علی خان نواب رام پور نے دیا تھا نواب حامد علی خان رام پور سلطان محمد خان کے گہرے دوست تھے۔ دوسرا قرآن شریف کا قدیم نسخہ جب آپ آنریری مجسٹریٹ درجہ اول تھے ایک ضرورتمند جرمن سیاح سے ہدیہ دے کر حاصل کیا تھا یہ بات قابل ذکر ہے دنیا میں قرآن شریف کا سب سے چھوٹا نسخہ کھیوڑہ میں پراچہ خاندان کے پاس ہے۔ یہ قرآن شریف ایک چھوٹی ڈبیا میں ہے۔ اس ڈبیا پر قرآن شریف تحریر ہے اس قسم کا ایک اور نسخہ دبئی میں ایک عرب خاندان کے پاس ہے

اور ایک جرمن میوزیم میں ہے آپ کے والد عطا محمد خان صاحب عالم تھے غریب طلبار کی ہر وقت امداد کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دی بالخصوص بیٹر میں تمام بچوں اور بچیوں کے لئے ابتدائی دینی تعلیم کا معقول انتظام کیا۔ خان بہادر سلطان محمد خان انگریزوں کے خطاب یافتہ تھے آپ آنریری مجسٹریٹ درجہ اول تھے ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء میں وفات پائی پلال تنولیوں کے صدر مقام بیٹر میں دفنائے گئے

محمد فرید خان رئیس بیٹر۔ سابق وزیر صحت صوبہ سرحد

محمد فرید خان خان بہادر سلطان محمد خان کے لڑکے تھے انہوں نے تعلیم ایبٹ آباد اور اسلامیہ کالج پشاور سے حاصل کی موصوف روشن خیال وضع دار، خوش اخلاق تھے دوران تعلیم ہی سیاست سے دلچسپی لینا شروع کی اور تحریک آزادی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۴۶ میں مسلم لیگ کی طرف سے الیکشن لڑا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے قائد اعظم کی دعوت پر آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس دہلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ پاکستان بننے کے بعد جب صوبہ سرحد میں مہاجرین کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بے شمار کپڑے رضائیاں، طاف اور دیگر ضروریات زندگی کا سامان مہاجر کیمپوں میں پہنچایا مہاجر طلبار کی ہر ضرورت کا خیال رکھا اور ان کے سکولوں میں داخلے کا بندوبست کیا۔ محمد فرید خان پکے مسلم لیگی تھے ۱۹۴۰ قرار داد پاکستان لاہور کے اجلاس میں شریک ہوئے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا صوبہ سرحد مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کو کامیاب بنانے کے لئے بہت جدوجہد کی اور اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جہاد کشمیر میں طبی وفود مقرر کئے اور ان کی قیادت کرتے رہے اور جب تک جہاد کشمیر جاری رہا اس وقت تک نہایت مستعدی اور سرگرمی سے مصروف عمل رہے جب صوبہ سرحد کی کانگرس نے پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کیا تو آپ نے کھل کر پٹھانستان کی مخالفت کی اور اسے پٹھانوں کو گمراہ کرنے کی سازش قرار دیا جب وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد خان عبد القیوم خان نے صوبہ سرحد کی پہلی وزارت تشکیل دی تو آپ کو وزیر صحت



کراچی قائد اعظم کے مزار پر میاں جعفر شاہ کی قیادت میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو صوبہ سرحد کا وفد فاتحہ خوانی کر رہا ہے محمد فرید خان آف بیٹر ٹائی پہنے ہوئے نظر آرہے ہیں۔



محمد خان رئیس کوٹھیالہ اپنے بھائی اور بیٹے کے ساتھ
چشمے پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں

ایمانداری، سرشاری خدمت وطن، لگن اور خلوص کے ساتھ اپنے فرائض سر انجام دیئے اپنے دادا جاگیردار عطا محمد خان بیٹر کی طرح آپ کو بھی اچھے گھوڑے پالنے اور ان پر سواری کا شوق تھا۔ ہر روز صبح دو تین میل پیدل چلنا آپ کا معمول تھا۔ ۸ جون ۱۹۵۸ء میں آپ پر دوران سفر قاتلانہ حملہ ہوا زیادہ گولیاں لگنے سے موقع پر ہی اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی اپنے خاندانی قبرستان بیٹر میں اپنے والد خان بہادر سلطان محمد خان کے پہلو میں دفنائے گئے ان کی جگہ ضمنی انتخاب میں راجہ جارج سکندر زمان کامیاب ہوئے اور وزارت کا قلمدان ۱۹۵۸ء میں انہوں نے سنبھالا۔

محمد خان رئیس کوٹھیالہ

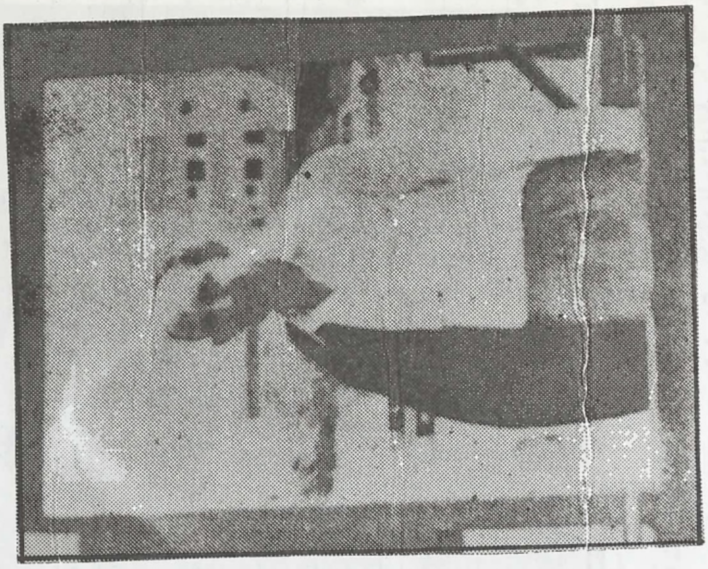
آپ کوٹھیالہ پلال تنولیوں کے سرکردہ تھے متقی، پرہیزگار، سادہ طبیعت اور اصول پرست شخصیت کے مالک تھے آپ کی اصول پرستی کی ایک عظیم الشان مثال ہمیشہ یاد رہے گی۔ واقعہ یوں ہے آل انڈیا کانگریس ہائی اتھارٹی کی منصوبہ بندی کے تحت صوبہ سرحد میں ریفرنڈم جیتنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا تاکہ مسلمانوں کو خرید کر ریفرنڈم جیتا جائے۔ ہزارہ کانگریس کے کرتا دھرتا رائے پرمانند نے ایبٹ آباد کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر گوبند رام کی معرفت جو صدر بازار میں ڈاکٹری کی دکان کرتے تھے۔ خان موصوف کو ایک خطیر رقم کی پیش کش کی کہ آپ کانگریس کا ساتھ دیں۔ محمد خان نے اتنی بڑی خطیر رقم ٹھکراتے ہوئے ڈاکٹر گوبند رام کو کہا خدا کی قسم مجھے سارے ہندوستان کا سونا لا کر دے دو تو بھی میں کانگریس کا ساتھ نہیں دوں گا ڈاکٹر چارلس میسن اپنی کتاب رؤسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب" میں سر محمد اکرم خان ہندوال کے سی ایس آئی کے باب میں محمد خان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں سر محمد اکرم خان کے بعد محمد خان ولد خیر اللہ خان رئیس کوٹھیالہ ۹/۱ حصہ زمین کے مالک ہیں ان کے پاس جاگیر بھی ہے۔

آپ پکے مسلم لیگی اور حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے مداح تھے آپ نے تحریک آزادی کے دوران تناول سے دو بڑے جلسوں کا اہتمام کیا ان جلوسوں نے ایبٹ آباد میں سخت مظاہرہ کیا جن سے انگریز انتظامیہ بوکھلا گئی۔ فرائض منصبی میں آپ کے بیٹے جناب کالا خان پولیٹیکل آفیسر کا صوبہ سرحد میں شاندار ریکارڈ ہے یہاں تک انہوں نے اپنے باپ (محمد خان) کو بھی نہیں بخشا اور جرمانہ

کیا پھر رقم اپنی جیب سے نکال کر داخل دفتر کے لئے کلرک کو دی۔ یہ واقعہ قیام پاکستان سے چند سال پہلے کا ہے کچھ لوگوں نے سرکاری گارڈ کی غیر موجودگی میں جنگلات سے درخت کاٹ لیئے تھے۔ ان میں چند ملازمین محمد خان کے بھی تھے جناب کالا خان جو اس وقت افسر مال تھے کوھٹیالہ میں کچہری لگائی اور ان لوگوں پر جرمانہ کیا جو اس جرم کے مرتکب ہوئے تھے محمد خان نے ۱۹۵۵ میں وفات پائی اپنے خاندانی قبرستان کوھٹیالہ میں نہایت احترام کے ساتھ دفنائے گئے۔ کوھٹیالہ کے ایک اور مقتدر صاحب کمال جناب محمد اشرف خان تھے جنہوں نے تحریک آزادی پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا خان موصوف کے ساتھ ایبٹ آباد کے ایک رہائش پذیر پشاور کے نیشلسٹ مولوی نے یہ شرط لگا دی تھی۔ پاکستان کبھی نہیں بن سکتا نیشلسٹ مولوی کا استدلال یہ تھا ہندوستان پر انگریزوں نے ڈیڑھ صدی حکومت کی ہے وہ ہندوستان کو اتنا آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے۔ محمد اشرف خان نے مولانا سے استفسار کیا کہ اگر قائد اعظم کی بصیرت افروز قیادت نے انگریزوں کو پاکستان بنانے پر مجبور کر دیا تو آپ کی کیا سزا ہوگی۔ مولانا جس کا غالباً نام ذکاء اللہ تھا اپنے سر اور داڑھی، مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گرجدار آواز میں جواب دیا میں ان کو بمعہ ابرووں کے منڈوا دوں گا۔ یہ واقعہ ستمبر ۱۹۴۵ء کا ہے امریکہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا چکا تھا جس سے جاپان پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی اور اس کی تمام دفاعی لائن درہم برہم ہو کر رہ گئی اور جاپان پر مکمل سکوت طاری ہو گیا تھا۔ اس سانحہ کے بعد جنگ عظیم دوئم کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

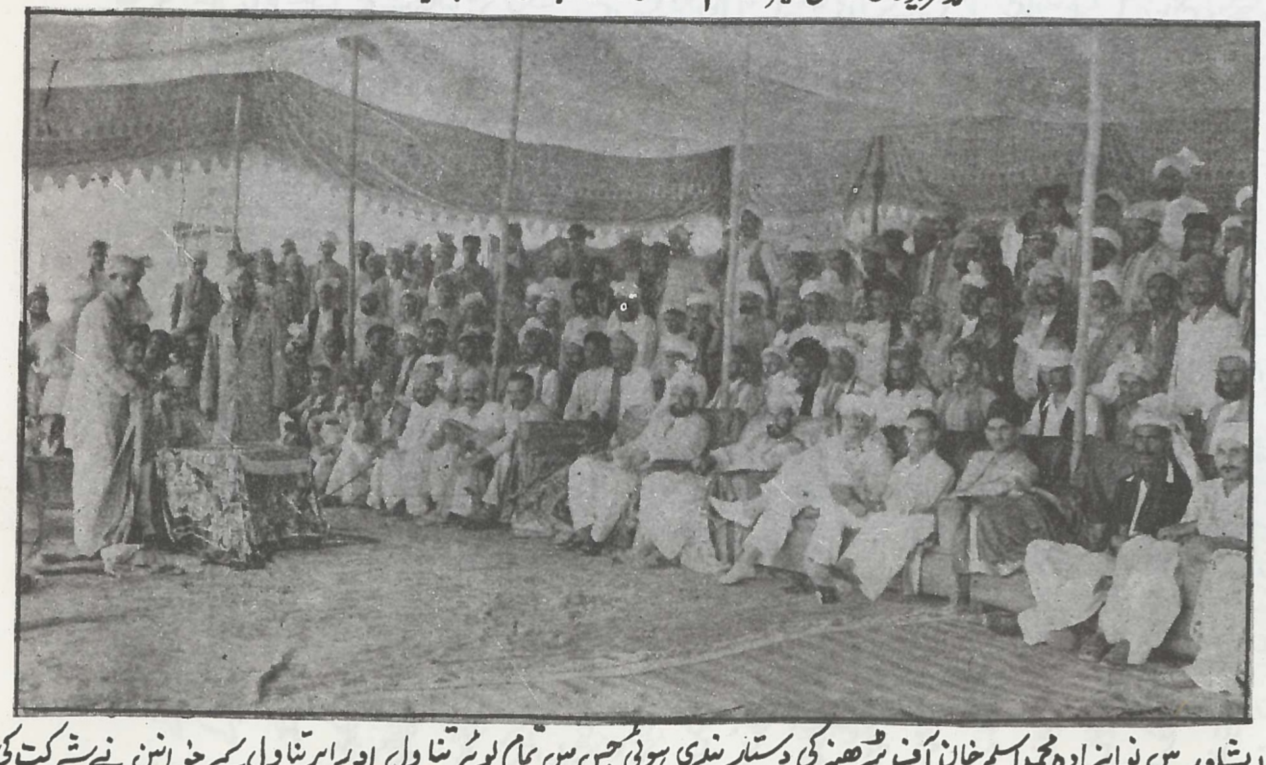
الغرض جب پاکستان بن گیا تو نیشلسٹ مولوی جس کا تعلق کانگرس سے تھا۔ اس نے اپنی دکان کو تالا لگایا اور سیدھا پشاور جا پہنچا خان موصوف نے دو آدمی اس کی تاک میں لگا دیئے جب بھی وہ آئے اسے قابو کر لینا۔ تاکہ جانے نہ پائے کچھ دنوں کے بعد قسمت کا مارا نیشلسٹ مولوی اپنی دکان کی طرف آنکلا تاک میں لگے ہوئے آدمیوں نے اسے قابو کر لیا۔ مولوی کو یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کیا حشر ہونے والا ہے۔ آدمی عزت مند تھا اس نے سوچا جائے بھاڑ میں دکان کا سامان یہاں تو دنیا میرا تماشا دیکھے گی۔ اور میری رسوائی کی داستان ایبٹ آباد کی داستان بن کر صفحات کا منہ چڑاتی رہے گی۔ مولانا نے ان آدمیوں سے کہا اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو یہ لو میری دکان کی چابی میں کہیں نہیں جاتا آپ خان موصوف کو لے آئیں وہی فیصلہ کریں گے۔ جب ایک آدمی خان موصوف کو بلانے گیا تو

دوسرے آدمی کو مولانا نے چکر دے دیا اور وہاں سے ایسا فرار ہوا کہ پھر زندگی بھر دوبارہ واپس نہ آیا ہوا یوں دوسرے آدمی کو مولانا نے نوٹ تھما دیا یار جاؤ ایک سیر لڈو تو لے آؤ حشر جو ہونا ہے وہ تو ہوگا لڈو تو مل کر کھائیں دوسرا آدمی لڈو کھانے کے شوق میں گیا تو مولانا وہاں سے ایسا کھسکا کہ پشاور جا کر دم لیا۔ محمد اشرف خان مرحوم اپنے حریف کا سر منڈوانے کی خوشی میں وہاں پہنچے تو مولوی کو موجود نہ پا کر بہت غصے ہوئے تمام بسوں کے اڈوں، ہوٹلوں اور حجروں میں حریف کو تلاش کیا لیکن مولانا نادارد انہوں نے کچھ عرصہ بعد دکان کی چابی اصلی مالک کو واپس لوٹا دی یہ تھا قصہ ایک نیشلسٹ مولوی کا جو پاکستان بننے کی شرط ہار گیا سر داڑھی اور مونچھیں منڈوانے کے خوف سے چکر دے کر فرار ہو گیا۔ جب پڑا وقت گلستان پر تو خون ہم نے دیا۔ اب بہار آئی تو کہتے ہیں تیرا کام نہیں۔



ارشد فرید مرحوم سابق ڈپٹی کمشنر سوات ۔
کمشنر سوات ۔ چیئرمین فاٹا ہوم سیکرٹری صوبہ سرحد

محمد فرید خان والئی بیٹر محمد اسلم خان کی دستار بندی کر رہے ہیں ۔



۳۲/۱۹۳۱ پشاور میں نوابزادہ محمد اسلم خان آف پڑھنہ کی دستار بندی ہوئی جس میں تمام لوئر تناول اور اپر تناول کے خوانین نے شرکت کی ۔

نوادرات پاک و ہند کا واحد نادر و نایاب قدیم وزنی قرآن شریف

پڑھنہ کے مقام کو ایک خاص اعزاز حاصل ہے یہاں نواب زادہ محمد فرید خان کی ذاتی لائبریری میں دو نادر و نایاب قرآن شریف موجود ہیں اُن میں سے ایک جس کا وزن ۲۵ سیر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف کے شروعات میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا عربی مقدمہ ہے۔ جس میں قرآن شریف کے متعلق اہم قواعد و ضوابط پر بحث کی گئی ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے قرآن شریف کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ کیونکہ اُس عہد میں بہت کم لوگ عربی جانتے تھے۔ اور ملک کی عام زبان فارسی تھی۔ اس قرآن شریف کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ نے کتابت کیا اور فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ قرآن شریف میں حاشیے میں مختلف قرأت کا ذکر ہے۔ اور چھ تفاسیر کا اندراج ہے۔ قرآن شریف اس مہارت نفاست سے کتابت کیا گیا ہے۔ کہ انسان یہی سمجھتا ہے کہ یہ طباعت شدہ ہے۔ مسٹر نواب زادہ محمد فرید خان نے بتایا کہ لاہور سے ایک پارٹی نے مجھے اس قرآن شریف کے چار لاکھ روپے کے ہدیے کی آفر کی تھی۔ لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا اگر مجھے چار ارب روپیہ بھی دیں تو میں یہ قرآن شریف ہرگز نہ دوں انہوں نے اس امر کی تردید کی کہ یہ قرآن شریف مولانا اسماعیل شہید دہلوی نے پائندہ خان کو دیا تھا۔ لاہور میوزیم میں پرانے وقتوں کے متعدد قرآن شریف کے نادر و نایاب نسخے رکھے ہوئے ہیں لیکن اتنی ضخامت خوشخط وزنی قرآن شریف میوزم میں موجود نہیں ہے یہ غالباً ۱۹۸۸ء کا واقعہ ہے۔ میں نے مولانا عبدالحکیم مرحوم بانی جامعہ فرقانیہ کوہاٹی بازار راولپنڈی و سابق ایم۔ این۔ اے، مرکزی امیر جمعیت العلماء اسلام جن کا تعلق مانسہرہ سے تھا۔ اس نادر و نایاب کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ یہ قرآن شریف حضرت شاہ ولی اللہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل صوبہ سرحد کے ایک علمی گھرانے (کاکاخیل) کے فرد میاں عبدالعزیز جو ۱۹۴۲ء میں ہری پور میں تحصیل دار تھے۔ (سرتاج عزیز وزیر خزانہ (آئی جے آئی) ۱۹۹۱ء کے والد) جو برصغیر کے قدیم نسخوں نادر و نایاب قرآن شریفوں کے متعلق بہت سی معلومات رکھتے

تھے۔ اور ان نادر و نایاب قدیم نسخوں کے متعلق ایک کتاب تشکیل دینے کے خواں تھے۔ انہوں نے بھی تنولی خاندان کے پاس اس گراں قدر وزنی قرآن شریف کو حضرت شاہ ولی اللہ کا بتایا جو اُن کے پوتے حضرت اسمٰعیل شہید دہلوی نے پائندہ خان کو اپنی پہلی ملاقات میں دیا تھا۔ یہ واحد نسخہ ہے۔ جو ہندوستان بھر کی کسی لائبریری یا میوزیم میں نہیں ہے۔ دوسرا قرآن شریف اتنا وزنی تو نہیں ہے لیکن بہت اچھا کتابت شدہ ہے۔ چوڑائی وزنی قرآن شریف سے زیادہ ہے۔ یہ قرآن شریف بھی پائندہ خان کو تحفے میں ملا تھا۔ تحائف میں قرآن شریف دینے کی رسم صدیوں سے مسلمانوں میں رائج تھی اور آج بھی جاری ہے۔

بزرگ ولی اللہ اخوند محمد سلاق کی قدیم تاریخی تلوار

یہ قدیم تاریخی تلوار بزرگ ولی اللہ اخوند محمد سلاق کی ہے جو انہوں نے ۱۴۷۲ء میں عشرہ کے مقام پر ایک بڑے اجتماع کے موقع پر بعد از دعا فتح و کامرانی سردار چاڑا خان ہندوال کو عطا کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک پیش قبض سردار ممارا خان پلال اور ایک قرآن شریف اور ایک چھوہارا مولوی محمد ابراہیم خان لودھی کو عطا کئے۔ پیش قبض تنولی پلال خاندان میں نسل در نسل منتقل ہو کر سردار احمد علی خان پلال کے پاس تھا۔ سردار احمد علی خان پلال نے اپنا جو بے بہا قیمتی سامان بطور امانت اعظم شاہ ساکن ستھانہ کے پاس رکھا اُس سامان میں وہ تاریخی پیش قبض بھی تھا۔ جو تمام سامان کے ساتھ سید موصوف نے ہڑپ کر لیا۔ کسی کو تحائف میں قرآن شریف یا تلوار پیش کرنا مسلمانوں میں قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے یہ خیر سگالی محبت و بھائی چارے، نمایاں حیثیت اور امن کا بہت بڑا اعزاز ہے۔ فوج میں کسی رجمنٹ کو آنر آف دی سورڈ یا پرچم عطا کرنا آج بھی اُسی طرح قائم و دائم ہے۔ یہ تلوار سجاد خان بی اے، بی ٹی ساکن کوٹھیالہ کی تحویل میں ہے۔

سجاد احمد خان درس و تدریس کے معزز پیشہ سے منسلک ہیں اور آج کل جھنڈ کے مقام پر پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ درحقیقت زبردست خان المعروف صوبہ خان کے زمانے سے تنولی خاندانوں میں یہ روایت چلی آرہی ہے۔ اور یہ روایت تاریخی حالات اور واقعات کے عین مطابق درصحیح معلوم ہوتی ہے۔ تنولیوں کے [illegible]



حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن شریف جس کا وزن ۲۵ سیر زیادہ ہے



حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کے حکم سے احمد شاہ ابدالی
نے ھند پر حملہ کر کے مرہٹوں کو شکست دی۔
اللہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن شریف نوابزادہ محمد فرید خان مرحوم
آئی جی پڑھنہ کے خاندان میں موجود ہے

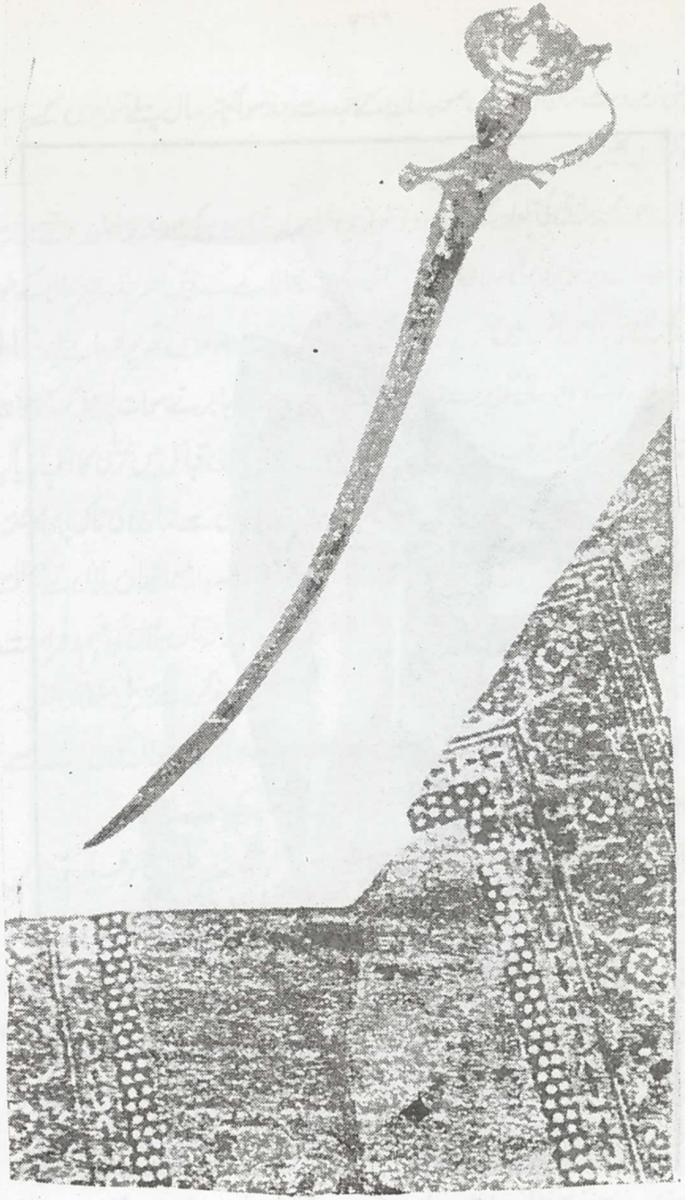
کے عہد تک یعنی زبردست خان المعروف صوبہ خان کے عہد سے دوسو اکہتر سال پہلے تنولیوں کے پاس تین اعزازی تلواریں تھیں۔

بزرگ زمانہ اخوند محمد سلاق کی تلوار کے علاوہ دو تلواریں مُغل بادشاہوں کی ہیں۔ جو مغلوں نے سوات اور نیلاب کے مقامات پر تنولیوں کی معاونت اور شاہی آداب بجالانے کے پیش نظر جذبہ خیر سگالی کے طور پر تنولیوں کو پیش کیں تھیں۔ اس ضمن میں منشی قلندر خان ایڈورڈ گزٹ مئی ۱۹۱۲ء میں تحریر فرماتے ہیں تناول میں تنولیوں کو آباد ہوئے ۴۳ سال گزرے تھے۔ کہ ۱۵۱۹ میں ظہیر الدین بابر نے سوات پر حملہ کر کے سوات کو فتح کرلیا۔ سوات کی فتح کے موقع پر قرب وجوار اور دور دراز علاقوں کے غیر پٹھان قبائل میں خوشی کا اظہار کیا گیا ظہیر الدین بابر نے کچھ عرصہ سوات میں قیام کیا۔ اور مفتوح قوم کے سردار کی لڑکی سے شادی کی تاکہ باہمی رشتہ استوار ہونے سے عملداری مستحکم ہو ظہیر الدین بابر کے سوات میں دوران قیام سردار معمار خان پلال نے بوسالت جنرل سلطان جنید برلاس شرف باریابی حاصل کی۔ بادشاہ موصوف سردار معمار خان پلال کی فہم وفراست سے بہت متاثر ہوا۔ اور معمار خان کو انعام واکرام سے نوازا گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے جرنیل سلطان جنید برلاس اور سردار معمار خان کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا۔ سلطان جنید برلاس افغانستان سے ظہیر الدین بابر کے ساتھ آیا تھا۔ برصغیر کے تمام حملوں میں ظہیر الدین بابر کے ساتھ رہا۔

جرنیل سلطان جنید برلاس ظہیر الدین بابر کا دست راست تھا۔ شیر شاہ سوری کو ظہیر الدین بابر کے دربار میں متعارف کرانے کا شرف بھی سلطان جنید برلاس کو تھا۔ شیر شاہ سوری سوات میں بمقام سودکار رہنے والا تھا۔ زبردست خان المعروف صوبہ خان سے روایت ہے جسے منشی قلندر خان تنولی نے اپنے اخبار ایڈورڈ گزٹ مئی ۱۹۱۲ء کے دو شماروں میں ضبط تحریر کر کے پیش کیا۔ بقول زبردست خان یہ تلواریں ظہیر الدین بابر اور شہنشاہ جلال الدین اکبر کی ہیں۔ جب تک زبردست خان زندہ رہے اُن کے دربار میں شان وشوکت کے ساتھ یہ تلواریں ان کے دیگر انعامات واعزازات کے ساتھ رونق دربار آویزاں رہیں۔ ۱۷۸۴ء زبردست خان المعروف صوبہ خان کی وفات کے بعد مغل بادشاہوں کی یہ نادر نمونہ تلواریں اُن کے بیٹے سربلند خان کے پاس رہیں سکھوں کے عہد حکومت میں سردار ہری سنگھ نلوہ نے ان تلواروں کے حصول کے لئے بڑی تگ ودود کی لیکن ناکام رہا۔ جب سربلند خان اور ہری سنگھ نلوہ کی صلح ہوئی اور سکھوں کی طرف سے سربلند خان کو جوڑ کے پنڈ میں جاگیر عطا ہوئی تو سردار ہری سنگھ نلوہ نے



مغل دور کا ایک نادر و نایاب قرآن شریف



بزرگ ولی اللہ اخوند محمد سلاق کی قدیم تاریخی تلوار

سربلند خان سے مغل شاہی تلوار کا مطالبہ کیا جسے سربلند خان نے بڑی مہارت اور عقلمندی سے ٹالا کہ بات بھی رہ گئی اور سردار ہری سنگھ بھی خفا نہ ہوا۔

ظہیر الدین بابر کی نادر نمونہ منقش شاہی تلوار

یہ تلوار ایک نادر نمونہ تلوار ہے تلوار کی میان نقش و نگار سے مزین ہے، چاندی سے پھول اور جانور اس قدر نفاست کے ساتھ مہارت سے بنائے گئے ہیں کہ آدمی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اتنی تیز ہے کہ انگلی دھار پر لگائے زخمی ہوجاتی ہے۔ نقش و نگار میں کہیں کہیں سونے کی کیلیں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اس تلوار کی چمک دمک اور نقش و نگار میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا البتہ دیرینہ سالی کے باعث چاندی کی قلمکاری کا رنگ ہلکا سا سیاہی مائل ہوگیا ہے ساخت کے لحاظ سے یہ عام تلواروں جیسی ہے لیکن کاٹ و نقش و نگار میں منفرد ہے۔ یہ تلوار شنگرڑی کے تنولی خاندان سے بہ رضا خاندانی روابط لکوتری کے تنولی خاندان میں منتقل ہوئی اور آج کل جناب عبدالحمید خان اف لکوتری بہ رہائش ۳۲ خان ہاؤس کاکول روڈ ایبٹ آباد کی تحویل میں ہے۔

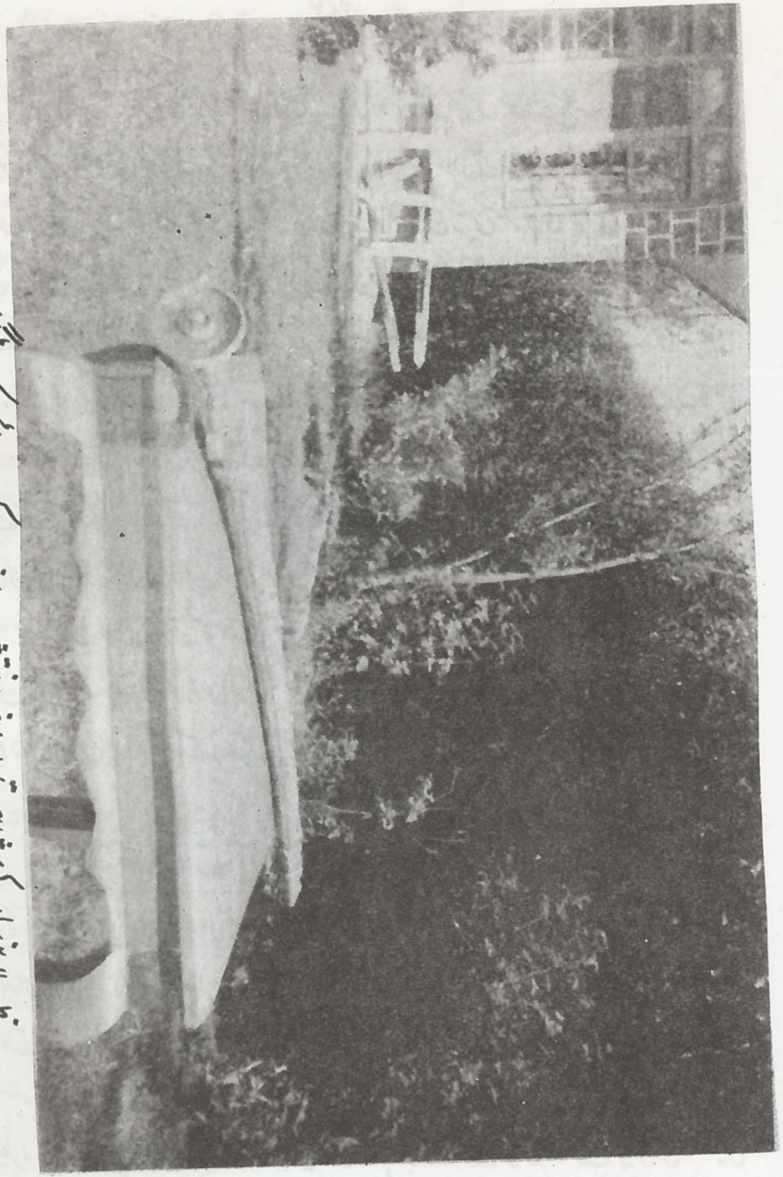
عبدالحمید خان تعلیم یافتہ، روشن خیال، اور بہت ہی ملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ ائیر فورس اور سول ایوی ایشن کی ملازمت سے فراغت کے بعد آرام و سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔ شاہی تلوار کے علاوہ اُن کے ایک عزیز کے پاس رانی سنگوری کی چاندی سے بنائی ہوئی جوتیاں اور رانی کی نادر و نایاب انمول پازیب بھی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پازیب اُس کے بعد فیشن کے طور پر استعمال ہونا شروع ہوئی موصوف کو قدیم ورثہ سے تعلق رکھنے والی ان نایاب اشیاء کی فروخت کے لئے خطیر رقم کی پیشکش ہوئی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر کی خوبصورت لمبی شاہی تلوار

یہ تلوار اُن تلواروں سے تھوڑی سی لمبی اور چوڑائی میں بھی زیادہ ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ تلوار کی میان بالکل سادہ و کشادہ ہے۔ جس کے ساتھ خوشنما دیدہ زیب زنجیر لگی ہوئی ہے۔ تاکہ بحالت سفر یا سواری تلوار کو عمودی لٹکایا جا سکے۔ اس تلوار کا دستہ نہایت ہی خوبصورت ہے پورے دستہ پر سونے کی



ظہیر الدین بابر کی نادر نایاب شاہی تلوار میان سے باہر نکالی ہوئی رکھی ہے ۔



ظہیر الدین بابر کی شاہی تلوار اپنی منقش میان میں رکھی ہوئی دیکھائی گئی ہے۔

پتری چڑھی ہوئی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دستہ ٹھوس سونے کا بنا ہوا ہے۔ یہ تلوار ۱۵۸۱ء میں اکبر بادشاہ کی طرف سے سردار قبول خان پلال کو اعزاز کے طور پر عطا ہوئی تھی۔ جب منشی قلندر خان تنولی نے یہ تلوار دیکھی اُس وقت یہ دوست محمد خان رئیس شنگرڑی کی تحویل میں تھی۔ اس تلوار کے متعلق یہ روایت ہے۔ کہ یہ چاندنی راتوں میں جب چاند پورے شباب پر ہو۔ تلوار میان سے باہر نکال کر اس کی دھار چاند کی طرف رکھی جائے تو تلوار خود بخود تیز ہو جاتی ہے جس طرح چاند کا سمندر کی لہروں سے تعلق ہے۔ اور مد وجزر کی وجہ سے سمندر کا پانی نیچے اوپر ہوتا رہتا ہے اسی طرح چاند کی کرنوں کا تعلق دھار سے ہوتا ہے قدیم تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے مصر کے لوگ رات کو چاندنی میں اپنے ہتھیار تیز ہونے کے لئے رکھ دیتے تھے۔ تاریخ کے ایک واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں آسمان سے ایک شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرا اُس نے جالندھر کے ایک کسان کے فصل کو آگ لگا دی جب بادشاہ موصوف کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے اُس لوہے سے چار تلواریں بنائیں جو کاٹ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دوست محمد خان رئیس شنگرڑی کی وفات تک یہ تلوار ان کی تحویل میں تھی دوست محمد خان کا انتقال ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کا بیٹا اور پوتا اس جاگیر پر اُن کے جانشین رہے۔

جسامت میں انتہائی چھوٹا قرآن شریف

اس قرآن پاک کی لمبائی ایک اپنچ اور چوڑائی چھ اعشاریہ چھ اپنچ ہے (۱×۶.۶) یہ قرآن شریف حامد علی خان نواب رام پور نے خان بہادر سلطان محمد خان رئیس بٹیر کو تحفہ میں دیا تھا۔ جب علامہ عنائیت اللہ خان المشرقی نے ریاضی کا امتحان ٹرائی پوس آنرز جو دنیا میں ریاضی کا سب سے بڑا امتحان تسلیم کیا جاتا ہے تین سال کے بجائے دو سال میں پاس کیا بلکہ اوّل پوزیشن حاصل کر کے رینگلر (پہلوان) کا خطاب حاصل کیا تو انگلستان کے تمام اخبارات نے علامہ صاحب کو خراج تحسین پیش کیا۔ ہندو جو مسلمانوں پر طنز کرتے تھے کہ مسلمان حساب نہیں جانتے علامہ صاحب کی اس شاندار کامیابی سے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے اور طنز کرنے سے باز آ گئے۔ دنیا میں علامہ صاحب کی اس شاندار کامیابی پر مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ خان بہادر سلطان محمد خان نے اظہار خوشنودی کے طور پر علامہ صاحب کو جسامت میں انتہائی چھوٹا قرآن شریف پیش کیا۔ اور اہل ہزارہ کی طرف سے

مبارک باد دی۔ آج کل یہ انتہائی چھوٹا قرآن شریف لاہور کے ایک صاحب سجاد مسعود قریشی کے پاس ہے۔ صاحب موصوف واپڈا میں چیف انجینئر ہیں بقول اُن کے یہ انتہائی چھوٹا قرآن شریف اُن کے والد کے پاس پچاس سال سے موجود ہے۔ یہ علامہ مشرقی کے خاندان سے کس طرح دوسرے خاندان میں منتقل ہوا۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ممکن ہے گہرے خاندانی روابط کی وجہ علامہ صاحب سے کسی نے فرمائش کی ہو اور علامہ صاحب نے دے دیا ہو۔ مزید برآں کچھ لوگوں کے پاس مغلوں کے علاوہ درانیوں، سکھوں، اور انگریزوں کی اشیاء و اسناد موجود ہیں۔ لیکن بغیر دریافت کئے اور دیکھے ان تاریخی اشیاء کے متعلق غیر مصدقہ کہانی بیان کرنا حقیقت کے منافی ہے۔

ریاست پلال کا زوال

اس ریاست کا قیام ۱۴۸۲ء میں ہوا ریاست پلال کا بانی اور معمار سردار معمارا خان پلال تھا پورا تناول معمارا خان پلال کے زیر نگین تھا۔ معمارا خان کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں نے ڈھائی صدی سے زیادہ اس ریاست کے نظم ونسق کو بہ احسن طریقے سے چلایا اور اسے قائم و دائم رکھا۔ سردار زبردست خان پلال المعروف صوبہ خان نے اس ریاست کو چار چاند لگا کے ایک نئی بستی بھیر کنڈ آباد کی اور ایک نئے مقام بیڑ کو آباد کر کے اپنا دار الریاست بنایا۔ سردار زبردست خان پلال کی وفات کے بعد اس کے لڑکے آپس میں بری طرح الجھ گئے نفرت وعناد اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ اس کے برعکس تنولیوں کی دوسری شاخ ہندوالوں کی طاقت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ انہوں نے اپر تناول پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے ہیبت خان کی سربراہی میں اپنا ایک خود مختار علاقہ قائم کر دیا اس طرح تناول دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ سردار زبردست خان پلال کی چار بیویوں سے بارہ لڑکے تھے یہ زبردست خان پلال کے لڑکوں کی بدقسمتی رہی کہ انہوں نے آپس میں مل جل کر افہام وتفہیم کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں نفرت ونفاق دور کرنے کے لئے صلح وصفائی کی جو کوششیں ان کے بڑے بھائیوں بالخصوص سردار فتح شیر خان پلال اور سردار گل شیر خان پلال نے کیں دیگر بھائیوں نے اس کا مثبت جواب نہیں دیا بلکہ وہ تمام کوششیں رد کر دی گئیں۔ لوئر تناول یہاں پلالوں کا غلبہ تھا سردار زبردست خان پلال کے لڑکے اس کی تقسیم پر زور دے رہے تھے اور اپنے اپنے

انہوں نے پلالوں کی آپس میں دشمنی کو بڑھتے دیکھا تو انہوں نے اس دشمنی سے بھرپور فائدہ اٹھایا یہاں تک ان کے دو پرگنوں پر قابض ہو گئے۔ عرصہ دراز تک دونوں ایک دوسرے کے خلاف مخالف قوتوں کا ساتھ دیتے رہے اور ایک دوسرے کو کمزور کرنے کی فکر میں لگے رہے اس طرح ایک معمولی موقعہ بھی ہاتھ سے خالی جانے نہیں دیتے اور ایک دوسرے کے برخلاف کمربستہ ہو جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ۱۸۱۸ تک ہزارہ میں سکھوں کی آمد کے ساتھ ہی بچی کچی یہ لب جان پلال ریاست کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

الاتحاد تنولیاں ۱۸۸۰-۱۹۱۴ء

سر محمد اکرم خان ہندوال کے سی' ایس' آئی والی امب اور رئیس شنگرھی دوست محمد خان نے پلالوں اور ہندوالوں کی ازلی دشمنی کو رفع کرنے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کیا اس طرح ایک تنظیم "الاتحاد تنولیاں" وجود میں آئی جس کی غرض و غایت اور اولین مقصد تنولیوں کی دونوں شاخوں کا آپس میں باہمی میل و محبت بڑھانا اور قائم رکھنا اور آپس کے جھگڑوں کو پر امن طریقے سے حل کرنا تھا۔ الاتحاد تنولیاں کے قیام سے قبل دونوں راہنماؤں نے دونوں شاخوں کی دشمنی کو بری طرح محسوس کیا جو ان میں قدیم چلی آ رہی تھی اس ضمن میں وہ کئی بار ملاقات کر چکے تھے دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا اس ازلی دشمن کو دور کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے جس کے نتیجہ میں یہ تنظیم قائم ہوئی اس تنظیم کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ بہرام خان تنولی جیسی شخصیت اس کی روح رواں اور سرپرست رہی۔ جنہوں نے سید احمد شہید کا آخری دم تک ساتھ دیا اور ایک طویل عمر پائی ان کا انتقال بمقام کھارن ۱۹۲۱ میں ہوا اور وہاں ہی دفنائے گئے یہ ضلع ہزارہ کے علاوہ صوبہ سرحد کے تمام تنولیوں کی واحد منظم تنظیم تھی۔ یہ بہت فعال جماعت رہی ہے باقاعدہ اپنی کارگزاری ضبط تحریر میں لاتی تھی اس کی مالی معاونت بانی ممبران کے علاوہ صاحب حیثیت تنولی خاندان کرتے تھے تہوار کے موقعوں پہ اس تنظیم کے بڑے اجتماع ہوتے تھے اور تمام صوبہ سرحد سے تنولی اس میں شرکت فرماتے تھے کھیلوں کے مقابلے ہوتے تھے کشتی نیزہ بازی، شمشیر زنی، کبڈی، [illegible] کشتی، دوڑ بیت بازی کے جیتنے والوں کی حوصلہ افزائی کے

کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے لوئر تناول جو کہ اپر تناول سے تین گنا زیادہ بڑا تھا بالآخر تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح پلالوں کی طاقت چھوٹے چھوٹے پرگنوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی۔ کرنل چارلس مین نے اپنی کتاب روئسا یا اختیار دنامی خاندان میں لکھا ہے۔

سردار زبردست خان المعروف صوبہ خان کے لڑکوں کے جھگڑوں کی وجہ سے پلالوں کی طاقت ضائع ہوئی اور ریاست چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی پلال تنولیوں کے زوال کی ابتداء یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ ایک اور صاحب فکر، محقق و دانشور ڈاکٹر ڈی ایم لودھی، پورا نام در محمد لودھی نے بھی پلال تنولیوں کے زوال پر قلم اٹھایا ہے وہ اپنے مضامین بہ عنوان ہزارہ کے قبائل جو پشاور سے شائع ہونے والے جریدہ "سرحد" میں ۱۹۳۸ میں شائع ہوئے۔ ڈاکٹر در محمد لودھی نے اپنے مضامین میں لکھا ہے ہزارہ میں زبردست خان پلال کا دور سنہری دور کہلاتا تھا۔ جس کا چرچا کشمیر سے کابل تک تھا لیکن اس کے لڑکے اس کے صحیح جانشین ثابت نہ ہو سکے۔ انہوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا جس سے ان میں نفرت بغض و عناد پیدا ہوا اور وہ ایک دوسرے کے دست و گریبان ہوئے نوبت قتل و غارت تک پہنچی اور یوں ہی بے مقصد ان کی طاقت و دولت ضائع ہوئی۔

پہلے پلال تنولیوں کا ایک مرکز بیڑ تھا زیریں تناول زبردست خان المعروف صوبہ خان کے بیٹوں میں تقسیم ہونے کے بعد شنگرھی وجود میں آیا بیڑ وقت گزرنے کے ساتھ اپنی مرکزیت کھوتا گیا ایک وقت ایسا آیا کہ بیڑ بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ سردار احمد علی خان کی بداعمالیوں اور عیش پرستیوں کی وجہ سے بیڑ اور پھولہار کے پلال تنولیوں کو ایک دفعہ متفقہ طور پر شنگرھی کے رئیس سربلند خان پلال کو اپنا سردار مقرر کرنا پڑا پلالوں کے برگزیدہ و سنجیدہ بزرگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ پلال تنولی آپس میں دست و گریبان ہوں اس لئے انہوں نے تمام تنازعات مل بیٹھ کر اعتراضات کے ساتھ بذریعہ ثالثی حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا لیکن ان کی ہر کوشش ہر بار رائیگاں گئی مجبوراً ان کو سردار احمد علی خان کی قیادت قبول نہ کرنے کا خطرہ مول لینا پڑا جس سے پلال تنولی دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے اس طرح آپس میں رنجش بڑھی۔

پلالوں اور ہندوالوں کی دشمنی پرانی چلی آ رہی تھی جب ہندوالوں کی طاقت میں اضافہ ہوا اور

لطیف خان رئیس پڑھنہ

دریائے سرن کے کنارے واقع ایک گاؤں ہے۔ جو نواب سر محمد اکرم خان کے بیٹے لطیف خان ہندوال تنولی اور اُن کے بیٹوں کی اولاد کا مسکن ہے۔ یہاں دریائے سرن کو عبور کرنے کے لئے انگریزوں کے وقت کا ایک پل بھی بنا ہوا ہے۔ مانسہرہ سے پڑھنہ جاتے ہوئے ایک پختہ سڑک ہے جو بھیر کنڈ اور خاکی سے ہوتی ہوئی پڑھنہ جاتی ہے۔ نواب زادہ محمد فرید خان مرحوم آئی جی پولیس کا بنگلہ دریائے سرن سے ذرا ہٹ کر ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ یہاں سے دریائے سُرن اور گردو نواح کا بخوبی نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ نواب زادہ محمد فرید خان مرحوم تعلیم یافتہ روشن خیال، بہت ذہین، فعال اور دیانتدار افسر تھے۔ پاکستان میں اُن کے اتنے کارنامے ہیں کہ پوری ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق چیئرمین ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے والد محترم جناب مولانا شہاب الدین جہلمی اس خاندان کے بچوں کے اتالیق اور قاضی رہے ہیں۔ نواب زادہ محمد فرید خان کا انتقال ۴ دسمبر بروز اتوار ۱۹۸۳ء کو ہوا۔ اپنی جائے سکونت کے ایک گوشہ میں آسودہ خاک ہیں کیپٹن ارشد فرید مرحوم نوابزادہ محمد فرید خان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ نے ملٹری کے بعد سول سروس اختیار کی۔ سوات کے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر رہے۔ فاٹا کا چارج بھی اُن کے پاس تھا۔ بعدازاں صوبہ سرحد کے ہوم سیکرٹری مقرر ہوئے نہایت ہی قابل اور فرض شناس ہو گزرے ہیں۔ اُن کا انتقال ۷ ستمبر ۱۹۸۷ء بروز سوموار ہوا اپنے والد کے پہلو میں دفنائے گئے ہیں۔ نوابزادہ محمد فرید خان کے بڑے بھائی نوابزادہ اسلم خان اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ریاست قلات (مکران) کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ قبل ازیں ان کی رسم دستار بندی ۳۲-۱۹۳۱ء پشاور میں ادا کی گئی۔ اور ان کو قوم تنولی کا سردار مقرر کیا گیا۔ اس اجلاس میں بیٹر، پھولمار، ننگری، چمہنڈ، کوٹھیالہ، شیر والی لکوتری، موڑیفہ، جرل، پنڈ کرگو، سوہا، کچھی، کھارن، جوڑے پنڈ کے علاوہ دیگر کئی مقامات کے تنولی خوانین نے شرکت کی۔



نوابزادہ محمد فرید خان مرحوم آئی جی ویسٹ پاکستان

لئے انعام دیئے جاتے تھے۔

تنولیوں کی عدم ترقی کے اسباب

جو قومیں زمانے کے ساتھ نہیں چل سکیں زمانہ ان کو بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے جن کے تلخ نتائج ان کی آئندہ نسلوں کو بھگتنا پڑتے ہیں اس طرح قوموں کی ذراسی بے تدبیری ان سے بہت بڑی قیمت وصول کرتی ہے۔ جب ہم تنولیوں کی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں تو دوسری اقوام کی بہ نسبت ان کو پس ماندہ پاتے ہیں ان کی عدم ترقی کے کئی اسباب ہیں۔ ترقی کے لئے سب سے بنیادی اور اہم چیز تعلیم ہے جو قوم بھی تعلیم سے غفلت برتتی ہے وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہے اگر وہ اٹھارویں صدی کی ابتداء سے تعلیم کو اہمیت دیتے تو آج ان کے حالات مختلف ہوتے اس غفلت اور کوتاہی کے ساتھ انہوں نے زندگی کے دیگر لوازمات پورا کرنے کیلئے آبائی جائیداد کو بے دریغ فروخت کیا۔

پدرم سلطان بود کے مصداق ساری عمر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اس طرح انہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ یوں ہی بے کار رہ کر گزار دیا جو کسی بھی نقطہ نگاہ سے صحیح مناسب اور ٹھیک نہیں تھا وہ اپنے خاندانی جھگڑوں میں بری طرح پھنس کر الجھ گئے۔ جی حضوری خادمین ان معمولی جھگڑوں کو ان کی عزت نفس اور انا کا مسئلہ بناتے رہے جس سے ان کی طاقت دولت اور اہلیت ضائع ہوتی رہی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ ملک ان کے ہاتھ سے نکلتا گیا اور وہ اپنے پیدا کردہ مشکلات میں گرفتار ہوتے چلے گئے ایسے تمام جزئیات ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے جن تنولی خاندانوں نے تعلیم کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اپنی نسل کو حصول تعلیم کے لئے مائل کیا اور تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا انہوں نے معاشرہ میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے

انگریز مصنفین کی ہجو سرائی

خود انگریز سر ہنری لارنس کا قول ہے اگر انگریز فرشتہ بن کر بھی ہندوستانیوں کے عہد کی تاریخ لکھے گا تو اس کے عیب جوئی کے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

ذاتی عناد کی بناء پر کسی کی ہجو کرنا صحیح شیوہ نہیں ہے یہ ایک برائی ہے جو اکثر انسان کے اوصاف کی چغلی کھاتی ہے کہ انسان ذاتی عناد کی بناء پر دوسروں کو معاف نہیں کرتا بلکہ الزام تراشی سے کام لے کر دوسرے انسان کو ٹانگ سے پکڑ کر کیچڑ اور گندگی میں گھسیٹتا ہے۔

تواریخ عالم ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے بالخصوص مسلمانوں کے متعلق شوشہ آرائی تو بعض یہودی اور عیسائی مورخین کا محبوب مشغلہ رہا انہوں نے مسلمانوں پر کئی بہتان لگائے اور حقائق کو توڑ کر پیش کیا ان کی شروعات انہوں نے اسلام کی اشاعت اور فروغ کے ساتھ ہی کی جب ہم ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی ان غیر مسلم مولفین کی تحریر کردہ تواریخ میں تعصب پاتے ہیں۔ وہ سلطان محمود غزنوی کو سبکتگین کی ناجائز اولاد لکھتے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ صوبہ سرحد کے حالات پر انگریز مولفین نے قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت حالات پیش کئے ہیں۔

ایلفنسٹن افغانوں کو خون آشام انتہائی ظالم اور اعلیٰ درجے کا منتقم المزاج ظاہر کرتا ہے اور لکھتا ہے افغان بے ایمان ایک ضرب المثل بن گیا ہے تقریباً تمام انگریز ایک ایرانی کہاوت کا افغان افغان۔ بے ایمان بے ایمان کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہی مولف مزید لکھتا ہے جب ہندوستان کو زیر نگین لانے کے لئے ان کی ہندوستان پر یورش اور ابتدائی مڈبھیر ہوئی تو لوگوں نے ان کو قطعی وحشی، لالچی، عادی چور کہا۔ انگریزوں نے ثقافتی تقسیم (کلچرل) کے لحاظ سے صوبہ سرحد کو دو حصوں میں بانٹا ہوا تھا ایک ٹرانس انڈس اور دوسرا S I C سائٹس ٹرانس انڈس جو کہ دریائے سندھ کے پار ضلع ہزارہ کا علاقہ ہے انگریز مولفین نے ہزارہ کے حالات بیان کرتے ہوئے ہزارہ کی کسی قوم کو بخشا نہیں ہے۔ بلکہ قوموں کی ہجو سرائی کرتے ہوئے حالات بیان کئے گئے ہیں سب سے زیادہ سواتیوں، تنولیوں، ڈھونڈوں، ترکوں کو نشانہ بنایا گیا ہے سواتی اور تنولی دونوں یوسف زئیوں کے ہاتھوں نالاں و پریشان رہے یوسف زئیوں نے تنولیوں کو مہابن سے بے دخل کیا اور سواتیوں کو سوات سے نکالا دونوں کا تعلق سوات سے تھا۔ دونوں ہزارہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے یوسف زئیوں کے ہاتھوں سواتی جو ملک بدر ہوئے

آوارہ گردوں کی اولاد ظاہر کریں۔ ان کو مختلف العناصر، کٹر و متعصب لکھیں۔ ان پر معیت کے پہاڑ ٹوٹے اس حالت میں وہ ملک بدر ہوئے بغیر صحیح حالات جانے ان کو آوارہ گرد لکھنا دنیا کے کسی ہوشمند آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ تنولیوں کو انہوں نے ناقابل اعتماد لکھا اختلاف رکھنا انسان کا بنیادی حق ہے اس اختلاف کو ہجو میں بدل دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اختلاف کو واضح طور سے اختلاف ہی ظاہر کرنا اچھا ہے۔ کراسس دی بارڈر کا مولف ایڈورڈ۔ ای۔ الیور تنولیوں اور سواتیوں کا موازنہ کرتے ہوئے دونوں کی عادات و خصائل کو ایک جیسا ظاہر کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے تنولی جو کہ جنگجو تھے اب ویسے جنگجو نہیں رہے یہی مصنف ترکوں کو سست اور واجد پرست لکھتا ہے۔ اس مولف نے ہزارہ کی تمام اقوام پر قلم اٹھایا ہے سر لیپل گریفن ڈھونڈوں کو ڈاکو اور ہندوؤں کی اولاد لکھتا ہے سر لیپل گریفن کے ڈھونڈوں کے متعلق ریمارکس ذاتی عناد پر مبنی ہیں۔ ڈھونڈوں کے سردار شمس خان اور سردار بازخان کی انگریز دشمنی اور سردار بازخان کی مری سے انگریزوں کو باہر نکالنے کی منصوبہ بندی جو کہ قبل از وقت منکشف ہو گئی وہی عناد بن گئی۔ حسن علی خان کرڑال کو میجر جیمس ایبٹ نے ہزارہ کے رئیسوں میں سب سے کمزور اور بزدل لکھا ہے حقیقت یہ ہے حسن علی خان کرڑال نہ کمزور اور نہ بزدل تھا بلکہ وجہ عناد یہ تھی مجاہدین کے لیڈر مولانا قاسم علی جو حسن علی خان کرڑال کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب میجر جیمس ایبٹ کو مخبر کے ذریعے معلوم ہوا تو انہوں نے حسن علی خان کو بلایا اور کہا کہ مولانا قاسم کو بھی حاضر کیا جائے جب مولانا قاسم میجر جیمس ایبٹ کے سامنے پیش ہوئے میجر جیمس ایبٹ نے مولانا قاسم سے پوچھا مولانا آپ یہاں کیا کام کرتے ہیں مولانا قاسم نے جواب دیا ہمارے خلیفہ سید احمد شہید دوبارہ آئیں گے۔ اور ہم جہاد کریں گے میجر جیمس ایبٹ نے پوچھا آپ کس سے جہاد کریں گے آپ کے دشمن سکھ تو شکست کھا چکے ہیں اور مغلوب ہو گئے ہیں مولانا قاسم نے جواب دیا جہاد اس جنگ کو کہا جاتا ہے جو حکومت الٰہیہ کے قائم کرنے کے لئے لڑی جائے یہ جنگ کفار سے ہوتی ہے جس میں آپ بھی شامل ہیں مولانا قاسم کا جواب سن کر ایبٹ خاموش ہو گیا اور اپنا غصہ ظاہر نہ ہونے دیا اور مولانا قاسم کو موضع جیلم نزد ہری پور میں نظر بند کر دیا۔

انگریز حریت پسندوں کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ ہر وقت ان کے سر پر اپنی حکومت جانے کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا انہوں نے مسلمان مجاہدین کو کچلنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا اور مستقبل کے منڈلاتے ہوئے ناگہانی خطرہ سے نپٹنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے پولیٹیکل سروس کے ذریعہ کئی لوگوں کو خریدا اور ان شمع آزادی کے متوالوں کو بدنام کرنے کے لئے کئی ناموں سے تعبیر اور یاد کیا گیا ایک لفظ جو اکثر ان لڑنے والوں کے لئے استعمال ہوا وہ فناٹک ہندوستانی یعنی سرپھرے ہندوستانی ہے ذرا غور کیجیے انگریز سات سمندر پار سے آ کر ہندوستان میں امن پسند اور محب وطن کہلائیں۔ وطن کے باشندے وطن کو آزاد کرانے والے غدار کہلائیں ایک انگریز نے تو یہاں تک اپنی تالیف مٹینیر یعنی غدار کے نام سے تحریر کر ڈالی۔ انگریزوں کی طرح ہندوؤں اور سکھوں نے بھی مسلمان حریت پسند اقوام کی ہجو سرائی کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے انگریزوں کے سب ترجمان ہندو تھے جو منشی کہلاتے تھے۔ انہوں نے واقعات کو حقائق کی کسوٹی پر نہیں پرکھا اور بعض مفروضے پیش کیے جن کو آج تک جھٹلانے کی سعی نہیں کی گئی ضبط تحریر سے اب تک یوں کے توں چلے آ رہے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں میں بابا پریم سنگھ ہوتی وہ واحد مصنف ہے جس نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ بعض غیر مسلم مولفین نے ہزارہ کی جنگجو حریت پسند اقوام کی ذاتی عناد پر ہجو کی ہے اور ان کو فتنہ و فساد کا مورد الزام ٹھہرایا ہے بابا پریم سنگھ ہوتی اپنی کتاب ہری سنگھ نلوا ۱۹۴۷ میں یہاں تنولیوں کی کمزوریوں پر قلم اٹھاتا ہے وہاں کھلے دل سے تنولیوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔ وہ ایک جگہ رقم طراز ہے ہزارہ میں سکھوں کی کمر توڑنے والے تنولی تھے ان کے سردار پائندہ خان نے سکھوں کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور سکھوں کی ایک نہیں چلنے دی ورنہ سکھ ہزارہ میں ۱۸۱۸ سے پہلے قابض ہو جاتے۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ایک دفعہ ہری سنگھ تنولیوں کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا اس کے بعد جب بھی ہری سنگھ کا مقابلہ تنولیوں سے ہوتا تو وہ بڑا محتاط ہو جاتا تھا۔

تحریک پاکستان میں تناول کا حصّہ

تناول کے لوگوں نے تحریک پاکستان میں مثالی کردار ادا کیا ہے۔ تحریک سول نافرمانی میں روزانہ سینکڑوں کے جلوس لاکر صوبہ سرحد کی جیلوں کو بھر دیا۔ جبکہ اپنے گھروں سے راتوں کے لئے روٹیاں پکوا کر اپنی چادروں کے پلوں میں باندھ کر لاتے اور جلوسوں میں شرکت کرتے۔ انہوں نے انگریزی استعمار کو سر کے بل جھکنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۴۵ء ۱۹۴۶ء یکے بعد دیگرے دو تاریخی جلوس نکال کر انگریز انتظامیہ کو برلرزہ اندام کر دیا تھا۔ یہ یادگار تاریخی جلوس تناول سے منظم ہو کر آئے تھے ان تاریخی جلوسوں کو روکنے کے لئے انگریز انتظامیہ نے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے۔ ڈپٹی کمشنر ہزارہ نے اپنی بے بسی دیکھ کر فوج سے مدد لی جنہوں نے شملہ پہاڑی کے راستے کانٹا دار تاریں بچھا کر جلوس کو روکنا چاہا لیکن عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پر جوش قائدہ اعظم زندہ باد ''لے کے رہیں گے پاکستان'' کے بلند شگاف نعرے لگاتا ہوا کانٹے دار تاروں کو تنکوں کی طرح پھلانگتے ہوئے گزر گیا۔ اور ضلع کے ہیڈ کوارٹر ایبٹ آباد شہر کی بارونق سڑکوں پر پورا دن مظاہرے کرتا رہا۔

جب سکھوں کے لیڈر اکالی پارٹی کے سربراہ ماسٹر تارا سنگھ نے تحریک پاکستان کی منزل کو قریب پہنچتے دیکھا تو ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو اسمبلی ہال لاہور کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اپنی ننگی تلوار لہرائی اور کہا پاکستان میری لاش پر بنے گا۔ اور ساتھ ہی پنتھ خطرے میں ہے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد اکالیوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندوستان کے مختلف شہروں میں اشتعال انگیز نعرے لگانے شروع کر دیئے جو مانگے گا پاکستان اُس کو دیں گے قبرستان نہیں بنے گا پاکستان بنے گا سکھستان۔

یہ اللہ کا کرم اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں قائد اعظم جیسے بے لوث نڈر لیڈر کی بصیرت افروز قیادت مل گئی اور ہم ہندوؤں کے بچھائے ہوئے جال سے بالکل بچ گئے پاکستان تو بن گیا لیکن سکھستان ابھی تک نہیں بن سکا۔

تحریک پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء جنگ آزادی کشمیر جو ۲۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو ختم ہوئی۔ تناول کے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک نے رائفلیں اٹھائیں اور کشمیری بھائیوں کے دوش بدوش ہر محاذ پر لڑے اور شمع آزادی کی قندیل روشن کی۔ ایبٹ آباد جو محاذ کشمیر کا مرکز تھا عمر خان کی زیر قیادت وہاں سے لڑنے کے لئے رضاکار محاذوں پر بھیجے جاتے تھے۔ جنرل الیکشن ۱۹۴۶ء میں ہزارہ کے عوام

نے ۱۱ میں سے ۱۰ سیٹوں پر مسلم لیگ کو کامیاب کرا کر مسلم لیگ سے اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیا۔ ایک سیٹ جو کہ مشترکہ کوہاٹ، ایبٹ آباد، اور بنوں کی تھی۔ اس سیٹ پر سخت مقابلے کے بعد مسلم لیگ کے خان جلال الدین خان ایبٹ آباد کامیاب ہوئے۔ صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کے دوران تناول کے تقریباً دو ہزار مسلم لیگیوں کو گرفتار کیا گیا۔ سرحد کے مختلف جیلوں میں ان تحریک پاکستان کے قیدیوں پر تشدد کیا گیا۔ نتائج الیکشن کل پارٹی پوزیشن ۱۹۴۶ء میں کامیاب ہونے والے مسلم لیگی اور دیگر پارٹیوں کے افراد بمعہ ووٹوں کی تفصیلات نیچے درج ہیں۔

۴ تناول حلقہ

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
خان فرید خان والئی بیٹر	مسلم لیگ	۲۷۲۱
خان نور الٰہی خان	آزاد	۱۶۵۷
خان ولی محمد خان	جمیعت العلماء اسلام	۱۳۷۵
خان فرید خان	آزاد	۱۱۲۹
خان سرور خان	آزاد ضمانت ضبط	۶۵۱
خان اللہ داد خان	خاکسار (ض ض	۲۹۸

۵ ہری پور شمالی

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
خان بہادر محمد ضامن خان	مسلم لیگ	۳۳۹۰
خان محمد سرور خان	آزاد	۱۶۲۲
ایم مہدی زمان خان	احرار	۱۵۱۷
ایم عبد الرؤف	خاکسار ضمانت ضبط	۵۵۴

۶ ایبٹ آباد مغربی

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
لیفٹیننٹ زین محمد خان	مسلم لیگ	۴۷۰۹
خان ولی محمد خان	آزاد	۲۹۵۳
خان قلندر خان	کانگرس (ض ض)	۱۱۷۰
خان خوشحال خان	آزاد (〃 〃)	۶۵۸۴
ظریف خان صاحب	آزاد (〃 〃)	۲۷۱
فتح خان صاحب	احرار (〃 〃)	۱۰۷
پیر سلطان عارفین	آزاد (〃 〃)	۲۱

۷ ہری پور مرکزی

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
سردار بہادر خان	مسلم لیگ	۳۷۸۱
حاجی محمد اشرف خان	آزاد	۱۶۶۰
حکیم عبد السلام	احرار	۱۶۱۱
سلطان محمد خان	خاکسار (ض ض)	۱۱۳۴
قاضی محمد اکرم	کانگریس (〃 〃)	۱۰۰۳

۸ ہری پور جنوبی

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
راجہ حیدر زمان خان	مسلم لیگ	۲۳۴۸
راجہ عزیز احمد	خاکسار	۱۶۱۱
راجہ منوچہرہ	آزاد (ض ض)	۵۵۹
ایم خلیل الرحمان	احرار (؍؍)	۳۷۸

۹ ایبٹ آباد

خان بہادر عبدالرحمٰن	مسلم لیگ	۶۹۸۸
خان محمد عظیم	خاکسار (ض ض)	۵۵۹

۱۰ مانسہرہ شمالی

محمد عباس خان	مسلم لیگ	۱۵۹۷
خان بہادر علی گوہر	آزاد	۱۱۰۸
حاجی فقیرا خان	کانگریس (ض ض)	۸۲۹
ارباب محمد شریف خان	مسلم لیگ	۴۸۸۱
قاضی عطاء اللہ خان	کانگریس	۴۴۸۳

۱۱ پکھلی زیریں

نام امیدوار	پارٹی	حاصل شدہ ووٹ
علی گوہر	مسلم لیگ	۲۶۵۳
ملک امیر عالم خان	آزاد	۱۳۶۷
محمد ایوب خان	کانگریس	۱۳۲۲
محمود خان	احرار	۱۰۰۷
ایم مہتاب گل	خاکسار (ض ض)	۱۱۲

۱۸ پکھلی بالائی

خان عبدالقیوم خان سواتی	کانگریس	۴۹۸۷
سربلند خان	مسلم لیگ	۱۸۶۳
مولانا غلام غوث ہزاروی	احرار	۱۵۳۰
خان سلمان فارسی	خاکسار (ض ض)	۲۷۰
خان عمر فاروق	آزاد (ض ض)	۱۶

صوبہ سرحد شہری حلقہ

خان جلال الدین خان	مسلم لیگ	۶۲۳۸
ایس مخدوم شاہ	احرار	۴۶۹۷
خان پیر دل خان	کانگریس (ض ض)	۳۸

۱۹۳۶ء ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کی حالت بہت پتلی تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے صوبہ سرحد سے مسلم لیگ ایک نشست حاصل نہیں کر سکی تھی۔ اور پنجاب سے مسلم لیگ دو نشستیں

حاصل کیں تھیں۔ راجہ غضنفر علی خان مسلم لیگ کو چھوڑ کر یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ اسی طرح ملک برکت علی پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کے واحد ممبر رہ گئے۔ قائداعظم کی بصیرت افروز قیادت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی جس کا اندازہ دس برسوں کی محنت و جدوجہد کے نتائج کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے صوبہ سرحد کی ۳۸ مسلم نشستوں سے ۱۷ نشستوں پر مسلم لیگ کامیاب ہوئی جبکہ ضلع ہزارہ کی ۱۱ نشستوں میں سے ۸ نشستوں پر مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔ ہزارہ کے عوام کو اُن کی خدمات کے سلسلے میں جو انہوں نے تحریک پاکستان کیلئے سرانجام دیں۔ زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ یہ ناقابل فراموش خدمات ہمیشہ کے لئے تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں۔

تربیلا ڈیم کی عظیم الشان قربانی

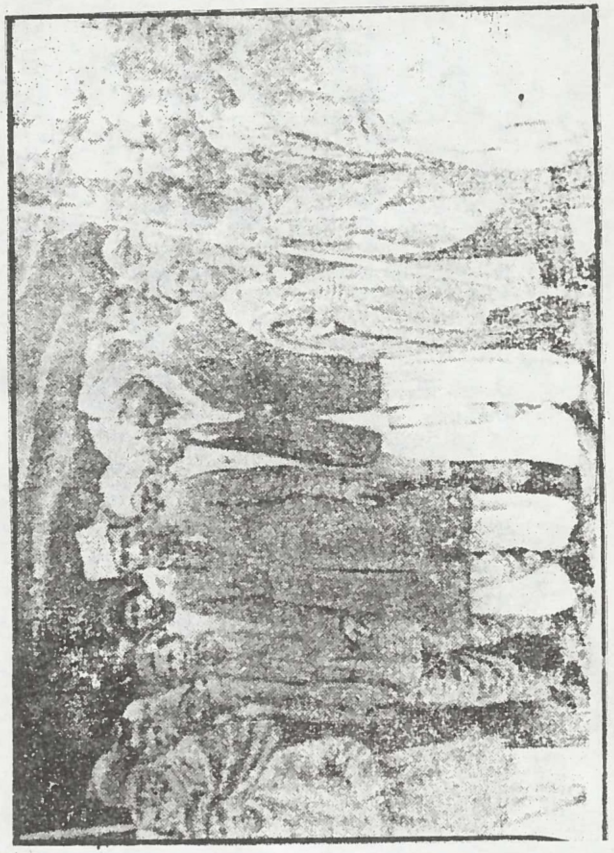
تربیلا ڈیم میں زیادہ حصہ تناول اور کچھ صوابی ضلع کا شامل ہے۔ تناول کے لوگوں نے پاکستان کی خوشحالی اور استحکام کے لئے عظیم الشان قربانی دی ہے۔ تربیلا ڈیم بن جانے سے ان لوگوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی قیمتی زمینیں، گھر بار، اور اپنے خاندانوں سے بکھرنا منظور کر لیا۔ ان کے اجتماعی وسائل تباہ و برباد ہوئے پنجاب میں ان کو ناقص زمین اراضی دی گئی جن کے تنازعات حل طلب ہیں۔ سندھ میں اُن کو مالکانہ حقوق سے محروم کر کے ذلیل و رسوا کیا جا چکا ہے۔ ان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے۔ دوسروں کے لئے لمحہ فکریہ اور عبرت آموز ہے یہ سب نوکر شاہی کے گھناؤنے کردار کی ایک بدترین مثال ہے۔ تناول کے لوگ بہت وسیع القلب ہیں۔ اُن کی خاموشی کو کمزوری خیال کرنا پست ذہنیت کی علامت ہے۔ بدقسمتی سے تناول قیام پاکستان سے لے کر آج تک نظرانداز ہوتا چلا آ رہا ہے۔ حکومت نے بھی تناول کے مسائل اور اس کی تعمیر و ترقی کی طرف دھیان نہیں دیا۔ جو کہ سراسر بے انصافی ہے۔ تربیلا ڈیم بجلی کی رائیلٹی جو سالانہ چار ارب سے زیادہ بنتی ہے اُس کا چالیس فی صد حصہ پانچ سال کے لئے تناول کی تعمیر و ترقی پر لگایا جائے تناول ڈویلپمنٹ اتھارٹی جس کا قیام عمل میں آئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ عوام اس کے قیام اور منصوبوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ تربیلا ڈیم کی رائیلٹی کا تناول قانونی لحاظ سے حق دار ہے۔ لہٰذا بنیادی حقوق جو طے ہوئے ہیں اُن کے عین مطابق تناول کو تربیلا کی رائیلٹی ملنی چاہیئے۔



پھولوں کا ہار پہنے ہوئے جناب سرفراز خان مرحوم سابق اسسٹنٹ کسٹوڈین آفسر تقسیم ہند سے قبل ۱۹۴۰ء میں
جھانسی کے مقام پر اپنے دیگر اسٹاف کے ساتھ (بائیں سے دائیں) دوسرے نمبر پر۔



قائداعظم کا اسلامیہ کالج پشاور میں ایک یادگار فوٹو ۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء دیگر ارکان کے ساتھ محمد گوہر رحمٰن
ساکن تناول نائب صدر خیبر یونین اسلامیہ کالج پشاور (زمین پر بیٹھے ہوئے بائیں سے دائیں)



شیخ کمال الدین ہزارہ میں تنولی نوجوانوں کے ساتھ تحریک پاکستان کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

تناول کے مشہور قصبات

تاریخ مخزن پنجاب پورے پنجاب اور سرحد کی تاریخ ہے اس تاریخ کو مفتی غلام سرور قریشی لاہوری نے اعلان آزادی ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد مرتب کیا اس تاریخ میں ضلع ہزارہ کے تمام قصبات کا احوال درج ہے۔ تناول کے جن قصبات کا ذکر اس تاریخ میں درج ہے اُن کے نام امب، دربند، بیٹر، پھلی، شیروان، شنگری ہیں ان کے علاوہ تناول کے جو دیگر مشہور قصبات ہیں اُن کا ذکر نیچے درج ہے۔

امب

امب قبل از مسیح اشوک اعظم کے عہد کا ایک بارونق شہر تھا۔ اس کا پورا نام امبولیما تھا بدھوں نے اپنی کتب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے جغرافیہ دمین میں اس شہر کو ظاہر کیا ہے۔ سکندر اعظم مقدونی نے یہاں قیام کیا۔ اور عسکری مرکز کے لئے یہ جگہ پسند فرمائی۔ یونانی مورخین نے بھی اپنی سرگزشتوں میں اس کا ذکر امبولیما کے ہی نام سے کیا ہے۔ مشہور و معروف یونانی جغرافیہ دان ٹالمی جو سکندر اعظم کے ساتھ آیا اپنے جغرافیہ میں امب (امبولیما)، کو دریائے سندھ کے دائیں جانب ظاہر کرتا ہے۔ تربیلا جھیل بن جانے کے باعث تنولیاں کا تاریخ ساز علاقہ اب زیر آب ہے یہ شہر کئی دفعہ طغیانیوں کی وجہ برد آب ہوا اور کئی دفعہ اپنے قدیم نام سے بسا۔ آخری بار ۱۲ جون ۱۸۴۱ء دریائے سندھ میں سخت طغیانی کی وجہ یہ شہر بالکل تباہ ہو گیا تھا۔ جسے بعد میں دریائے سندھ سے ذرا ہٹ کر دوبارہ تعمیر کیا گیا آکسفورڈ ورلڈ ڈکشنری میں امب کی یوں تعریف کی گئی ہے۔ سرحدی علاقے میں ہزارہ کی ایک ریاست جو دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے سکندر اعظم مقدونی نے یہاں قیام کیا تھا ۱۴۷۲ء میں تنولیوں نے امب کے مقام کو عبور کر کے دربند قلعہ پر قبضہ کیا تھا اور ترکوں کو شکست دے کر تناول پر قابض ہوئے ۱۸۲۸ میں سید احمد شہید نے امب پر قبضہ کیا جو تقریباً چھ ماہ تک رہا۔

امب تناول کی یہ نیم خود مختار ریاست تھی جس کا سربراہ نواب آف امب کہلاتا تھا۔

مقام امب ہندوال تنولیوں کا مسکن اور دارالریاست تھا جو تربیلا ڈیم بن جانے کے سبب جولائی ۱۹۷۴ء

۱۹۷۴ء سے زیر آب ہے۔

شیر گڑھ

تناول کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ نواباں ریاست کا گرمائی مقام رہا ہے تربیلا ڈیم بن جانے کے سبب نواب صاحب نے اپنے تمام اسباب کو مستقل طور پر شیر گڑھ میں منتقل کرایا جن میں ان کی خانگی مدفون بھی شامل ہیں۔ شاہراہ تناول چھپر سے نیو دربند براستہ شیر گڑھ اور اوگی سے ہوتی ہوئی شاہراہ قراقرم سے جا ملتی ہے۔ اوگی سے شیر گڑھ کا فاصلہ تقریباً ۸ میل ہے کالا ڈھاکہ اور اگرور کی حدود شیر گڑھ کے نزدیک ترین ہیں۔ جب دسمبر ۱۸۵۲ء کوہ سیاہ (کالا ڈھاکہ) کی مہم کا آغاز ہوا تو شیر گڑھ انگریز فوج کا مرکز رہا تین اطراف سے حسن زئیوں پر یورش ہوئی۔ بازار سے نکل کر آگے ایک قلعہ ہے۔ قلعہ سے چند میٹر کے فاصلے پر اونچائی پر پہاڑ کے دامن میں نواب صاحب کا بنگلہ ہے۔ یہاں دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے شیر گڑھ کے مقام پر

۱۸ رجولائی ۱۸۸۷ء کی پائندہ خان کی اپنائی ہوئی زمین ایک سو ستر سال بعد ۸ رجولائی ۱۹۸۱ء ایک بہت بڑے جلسہ عام میں نواب زادہ صلاح الدین سعید نے مالکانہ حقوق اراضی مزارعوں کو واپس دیئے۔ سر محمد اکرم خان ہندوال کے وقت ۱۸۶۸ء میں اقوام یاغستان حسن زئی، اکازئی، چغرزئی، اور سادات بھرماڑی کے خطرہ کے پیش نظر قلعہ شیر گڑھ پر سخت حفاظتی انتظام کئے گئے۔ یاغستانیوں کی شکست کے بعد یہ خطرہ ٹل گیا۔

دربند

دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر واقع تھا یہاں پہاڑوں کے درمیان دریائے سندھ کے پاٹ تنگ ہو جاتے تھے اس لئے یہ مقام دربند کے نام سے موسوم تھا امب اور دربند کے درمیان آمد و رفت کے لئے دریائے سندھ میں کشتیاں استعمال ہوتی تھیں۔

دربند کا ذکر تاریخ میں مخزن پنجاب صفحہ ۳۹۲ پر موجود ہے تربیلا جھیل کی وجہ سے یہ مشہور مقام زیر آب ہے اسی کے نام پر ایک دوسرا مقام نیو دربند کے نام سے آباد ہو گیا ہے۔ سکندر اعظم

یہاں آیا تھا لیکن اُس نے یہاں کوئی دیوار نہیں بنائی۔ یہاں پر دریائے سندھ کے پاٹ تنگ ہو جاتے ہیں اسی لئے اس نے اپنی عسکریوں کے لئے ایک مرکز بنایا تھا۔ یہاں سے سامان کی ترسیل ہوتی تھی۔ جس دیوار اور دربند کے ساتھ سکندر منسوب ہے وہ قفقار کے وسط میں ایک بلند درہ ہے۔ جس کا نام واریال ہے اسی درّے میں تاتاری قبیلوں کو روکنے کے لئے کوروش جس کو یونانی سائرس بھی کہتے ہیں۔ ایک دیوار بنائی تھی جو حقیقت میں سدِ ذوالقرنین ہے۔ بحیرہ قزوین کے دوسرے کنارے دربند کا شہر ہے۔ اُس شہر کے نزدیک یہی دیوار ہے آج کل کے ترکمانی قبائل میں سرخ سانپ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ سُرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ڈھلوان پر خم کھاتی ہوئی آئی ہے۔

بھوج درّہ

بھوج درّہ ۱۸۱۶ء میں ایک تاریخی جنگ ہوئی تھی جو جنگ بھوج درہ کہلاتی ہے امیر دوست محمد خان والئی افغانستان کے بیٹے عظیم خان حاکم کشمیر کے درمیان جنگ جاری تھی۔ کہ سربلند خان پلال پڑھنہ سے ہوتا ہوا بھوج درہ نواب خان ہندوال کے خلاف جنگ میں شریک ہوا نواب خان ہندوال کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ بھوج درّہ بالائی تناول بہ جانب مشرق گلی بدرال حدود پڑھنہ میں واقع ہے۔ یہاں ایک مشہور ولی شاہ سلطان بادشاہ سادات گیلانی کا مزار ہے اس جنگ میں نواب خان ہندوال گرفتار نہیں ہوا تھا بلکہ کچھ عرصہ بعد عظیم خان سے ملاقات جرگہ کی ضمانت پر ہوئی تو اُس نے دو دن بعد نواب خان ہندوال کو گرفتار کر لیا جب جرگہ نے احتجاج کیا اور کہا کہ آپ نے خدا اور اس کے کلام کی خلاف ورزی کی ہے تو عظیم خان نے جرگہ کو صاف کہہ دیا کہ آپ اپنی جان کی فکر کریں۔

شیروان

شیروان ایبٹ آباد سے ۳۷ کلو میٹر بہ جانب مغرب ایک پرانا قصبہ ہے۔ شیروان تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ یہ لوہر تناول کا مرکزی شہر ہے جو جدید سہولیات سے آراستہ ہے۔ ایبٹ صاحب

نے پہلے یہاں قیام کیا تھا اس کے بعد ایبٹ آباد منتقل ہوئے ان کے بنگلے کے کھنڈرات ۱۹۵۳ء تک موجود تھے شیروان کا ذکر تاریخ مخزن پنجاب صفحہ نمبر ۳۸۴ پر درج ہے ۔ مؤلف لکھتا ہے جب ترکوں کی حکومت اس علاقہ پر تھی تو ایک ترک شیروان نے قصبے کو آباد کیا ۔ آبادی اس کی بہت پرانی ہے ۔ یہ کئی دفعہ اجڑا اور بسا سکھوں کی غارت گری کی وجہ سے اب اس کی آبادی بہت کم ہے ۔ ۱۴۷ گھر آٹھ سو سات مردم شماری ہے ۔ شیروان خورد اور کلاں میں پولیس کا ایک تھانہ بھی ہے ایک دوسری کتاب "فلورا اینڈ فونا آف پنجاب" مطبوعہ ۱۸۶۸ء کلکتہ ہے یہ انسانی معاشرت پر لکھی گئی کوئی تاریخ نہیں ہے ۔ فلورا ملک میں پائے جانے والے پودے نباتات اور فونا ملک میں پائے جانے والے جانوروں کیلئے استعمال ہوتا ہے ۔

شیروان کا تعارف جو مذکورہ کتاب میں پیش کیا گیا ہے ۔ اس میں شیروان کو بہت ہی قدیم ظاہر کیا گیا ہے : تناول کا علاقہ بعض جڑی بوٹیوں اور کچھ مختلف جانوروں کے لئے پنجاب میں شہرت رکھتا ہے ۔ اب سب ناپید ہیں ۔ تقسیم ہند سے قبل یہاں ہندوؤں کی کافی تعداد آباد تھی ۔ جو تجارت کرتے تھے ۔ اور کچھ درس و تدریس کے پیشہ سے منسلک تھے ۔ یہاں مخلوط آبادی ہے تنولی ۔ اعوان اور سیدوں کی آبادی زیادہ ہے ۔

منگلور

مانسہرہ سے ۱۵ میل دور لوئر تناول میں ایک مشہور و معروف قصبہ ہے ۔ اس مردم خیز گاؤں میں ملک محمد عالم خان اعوان اور ڈاکٹر سید عبداللہ جیسی شخصیات نے جنم لیا ہے ۔ جب زبردست خان المعروف صوبہ خان نے مانگل دارالریاست پیر زین العابدین ساکن سلطان پور کو بطور عطیہ دے دیا تو انہوں نے اپنا دارالریاست منگلور میں منتقل کیا یہ مقام تھوڑا عرصہ زبردست خان کا دارالریاست رہا ۔ ۱۸۲۳ء میں ہری سنگھ نلوا اور سربلند خان پلال کے درمیان یہاں ایک خونریز جنگ ہوئی تھی جس میں سربلند خان کو شکست ہوئی ۔ یہ جنگ "جنگ منگلور" کے نام سے مشہور ہے تعلیمی لحاظ سے تناول میں اس قصبہ کا گراف اونچا ہے لوگ اچھے عہدوں پر فیض ہیں اور شاہراہ ترقی کی طرف گامزن ہے

پنڈ کرگو

ایبٹ آباد شیروان روڈ پر کرگو کا بسایا ہوا قصبہ ہے ۔ اس سے پہلے اس کا نام گدا تھا جو کسی درویش کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا ۔ بابا کرگو کا ایک مقولہ جو ہندکو میں ہے ۔ اب تک لوگوں میں مشہور ہے "چڑھ آسماناں کر گو تھمے" ۔ جس کا مطلب یہ ہے آسمان نیچے گرے تو کرگو اسے روک لے گا ۔ یہ جملہ طاقت و قوت کو ظاہر کرتا ہے ۔ چوکلی سے کھلورہ تک اور کماراں سے لے کر ٹوڈومیرا اور جرل تک سب علاقہ پنڈ کرگو کہلاتا ہے ۔ پنڈ کرگو کے لوگ کرگوال ہیں جو تنولیوں کی ایک شاخ ہے ، پنڈ کرگو کے لوگ بغیر کسی تسلط کے آزاد رہے ہیں اگر کسی کے پاس ایک کنال جگہ تھی تو وہ خود اس کا مالک تھا ۔ ۸ مربع کلومیٹر میں ایک قوم کی اتنی آبادی علاقہ تناول بشمول اپر اور لوئر میں کہیں نہیں ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ چاروں اطراف سے پنڈ کرگو کا فاصلہ ایک جیسا ہے مانسہرہ سے پنڈ کرگو ہری پور سے پنڈ کرگو ایبٹ آباد سے پنڈ کرگو اور دربند سے پنڈ کرگو ایک جیسا فاصلہ ہے ۔ الیکشن مہم کے سلسلے میں آئی جے آئی کا یہاں ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت حاجی عبدالجبار خان منعقد ہوا جس کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار سے زیادہ تھی ۔ نواز شریف کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی جلسہ سے خطاب کیا ۔ الیکشن کے نتائج میں آئی جے آئی نے کافی نشستیں حاصل کیں یہ اتفاق نواز شریف کو پاکستان کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا ۔ تناول مسلم لیگ کے صدر ایچ فقیر محمد کا تعلق بھی پنڈ کرگو سے تھا ۸۶ سال کے لگ بھگ ہیں ۔ بابا نواب خان نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی ہے کیپٹن مغل خان نائب صوبیدار کالا خان فوت ہو چکے چیف ڈپٹی آفیسر عباس خان قتل ہو گئے ہیں ۔

بیٹر

بیٹر شاہراہ تناول پر تقریباً ہری پور سے ۳۱ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہ لوئر تناول کا مشہور و معروف قصبہ ہے ۔ زبردست خان المعروف صوبہ خان کا دارالریاست بھی رہا ہے ۔ تاریخ مخزن پنجاب میں اس کا ذکر درج ہے حرف بحرف لکھا ہوا اقتباس ملاحظہ فرمائیے ۔ مؤلف لکھتا ہے ۔ اس گاؤں کی آبادی بہت پرانی ہے ۔ صوبہ خان تنولی کی حکومت کے

وقت ڈھائی ہزار کی آبادی تھی اور سات سو دوکانیں تھیں صوبہ خان کے بعد فتح شیر خان و گل شیر خان حاکم ہوئے۔ جب سربلند خان اور نواب خان شنگری والے نے احمد علی خان گل شیر خان کے بیٹے کو قتل کر دیا تو یہ قصبہ ویران ہونا شروع ہوا۔ پائندہ خان تنولی نے اس کو دو دفعہ جلایا اس کے بعد ویران تو نہ ہوا لیکن آبادی گھٹ کر کم رہ گئی بوکھتری جا کر آباد ہوئے وہ یہاں سے اٹھ کر گئے عطا محمد خان تنولی رئیس کرسی نشین ایک ہزار ستره روپے سالانہ کا جاگیردار اسی قصبہ میں رہتا ہے۔

خان بہادر سلطان محمد خان (مرحوم)، آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل عطا محمد خان کے بیٹے تھے۔ لاہور اچی سن کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ بہت ہی بیدار مغز اور روشن خیال ہو گذرے ہیں۔ بیٹر پلال تنولیوں کا مرکز رہا ہے کھی اور سوہا اس کے نزدیک دو بڑی آبادیاں ہیں۔ سوہا تربیلا جھیل کی وجہ سے اجڑ چکا ہے تربیلا کا پانی جب زیادہ ہوتا ہے تو یہ زیر آب ہو جاتا ہے۔

بحالی

بحالی لوہر تناول کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے۔ قلندر آباد سے بحالی تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ مانسہرہ سے بھی ایک سڑک بحالی جاتی ہے بحالی سرنگال ترکوں کا پرانا دار الریاست تھا جو بعد میں مانگرالے منتقل ہوا۔

سکھوں کے عہد میں انگریز عملداری سے کچھ عرصہ قبل کچھ سرنگال ترک ہجرت کر کے حسن ابدال میں جا بسے اب ان کی اولادیں حسن ابدال میں بخیر و عافیت زندگی گزار رہی ہیں۔ اکثر بحالی کا ذکر کرتے ہوئے مجھے ہزارہ کے مشہور شاعر مقرب آفندی مرحوم یاد آجاتے ہیں۔ ان کا تعلق بحالی کے راجگان سے تھا۔ راقم الحروف کے گہرے دوست تھے۔ ان کو اپنے جنم بھومی بحالی سے بہت پیار تھا۔ اپنے شاعری مجموعہ "بارود کی خوشبو" سے چند ماہ پہلے میری اچانک کراچی میں برلب سڑک ان سے صدر میں ملاقات ہو گئی۔ کھڑے کھڑے ایک دوسرے کا حال احوال معلوم کیا۔ میں نے پوچھا یار بحالی نہیں گئے ہو تو انہوں نے شمال کی طرف اپنا رخ کرتے ہوئے ہاتھ اونچا کیا اور بحالی کے لئے ایک بے ساختہ شعر کہہ دیا۔ جو اسی وقت میں نے کاغذ پر لکھ لیا۔ آج مقرب آفندی مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی امانت میرے پاس محفوظ ہے جو عرصہ دراز کے بعد میں واپس اہل بحالی کو لوٹا رہا ہوں

تیرے اعزاز محبت کی قسم دور چلا آیا ہوں
تیری یاد کو سینے سے لگائے مجبور چلا آیا ہوں

مقرب آفندی مرحوم۔ غیر مطبوعہ

جھمیڑ

لوہر تناول کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ براستہ سرائے نعمت خان ہری پور سے ملا ہوا ہے۔ براستہ صوبن گلی ایبٹ آباد سے ملا ہوا ہے۔ نواب خان رئیس شنگری کے چھوٹے بھائی نہایت اللہ خان پلال نے بسایا ہے۔ صوبہ خانیوں بہ لفظ دیگر پلال تنولیوں کی اکثریت ہے۔ سردار احمد علی خان کے قتل کے بعد سربلند خان نے احمد علی خان کی بیوی کو جو نواب خان ہندوال کی بہن تھی جھمیڑ میں تقریباً ایک سال معہ بچوں کے نظر بند رکھا ۲۲ اکتوبر ۱۸۱۴ پائندہ خان اور مدد خان نے جھمیڑ پر حملہ کیا اور اپنی پھوپھی کو آزاد کرا کر لے گئے۔ جھمیڑ عرصہ دراز تک البیرونی کا بیان کردہ شہر "باب ریحان" سمجھا جاتا رہا جب جنرل سر۔ اے کننگھم نے اپنی کتاب (دی انشنٹ جیگرافی آف کشمیر) کے صفحہ ۲۳ پر البیرونی کے بیان کردہ شہر کی طرف ڈپٹی کمشنر ہزارہ مسٹر ڈبلیو مرک کی توجہ دلائی تو انہوں نے صحیح صورت حال واضح کی۔ جھمیڑ اپنے ماضی میں بہت پرامن مثالی قصبہ رہا ہے۔ دور دراز سے لوگ اپنے معاملات طے کرانے یہاں آتے تھے میر زمان خان مرحوم تحصیلدار اور ان کے بھائی صوبیدار میجر محمد زمان خان مرحوم نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے کیپٹن شیر محمد خان گولا پھینکنے میں جواب نہیں رکھتے تھے۔

کوٹھیالہ

کوٹھیالہ ایبٹ آباد سے ۱۷ کلومیٹر شیروان روڈ پر ایک مشہور و معروف قصبہ ہے یہ فیروز خان تنولی کا بسایا ہوا ہے۔ انہوں نے شیروان سے آ کر پہلے نکہ میں سکونت اختیار کی بعد میں کوٹھیالہ آئے۔ کوٹھیالہ چوراہے پر واقع ہے۔ یہاں سے ایک سڑک رچھ بہن براستہ تھاکھی اور مانگل ہوتی ہوئی مانسہرہ جاتی ہے۔ دوسری براستہ جھمیڑ پھر جاتی ہے۔ کوٹھیالہ اور اس کے گرد و نواح

ہیں تنولی، اعوان اور سیدوں کی مخلوط آبادی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں کوٹھیالہ سے چند باصلاحیت خواتین کی ایک جماعت اٹھی جو براستہ ہانگ کانگ امریکہ کی ایک ریاست پانامہ میں جا پہنچی۔ اُن خواتین میں خانیزمان خان، محمد آمین خان اور یار محمد خان شامل تھے جو امریکہ میں مستقل جا بسے۔

امریکہ میں برسوں سے چند خاندان بمقام یار حسین تحصیل و ضلع صوابی آباد تھے جنہوں نے وہاں ایک تنظیم وطن پارٹی کی داغ بیل ڈالی ہوئی تھی۔ جو پاکستان کے لئے سرگرم عمل تھی۔ کوٹھیالہ کے خواتین بلا جھجک اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ اور وطن عزیز کی آزادی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ پاکستان کی جدوجہد آزادی میں اس تحریک کا نمایاں کام ہے۔ راجہ امان اللہ خان مرحوم سابق سپیکر صوبہ سرحد اسمبلی جن کا انتقال ۲۴ر اپریل سنہ ۱۹۸۹ء کمپلیکس ہسپتال اسلام آباد میں ہوا۔ وہ یار محمد خان کے بیٹے پروفیسر نوبل یار اور لڑکی ڈاکٹر صوفیہ یار سے مل چکے تھے۔ یار محمد خان کی ایک بہن راجہ امان اللہ خان مرحوم کے خاندان میں بیاہی ہوئی ہے۔ اس طرح آپس میں ان کی رشتہ داری استوار تھی۔ یار محمد خان کا انتقال امریکہ کی ریاست پانامہ میں ۱۹۶۹ء کو ہوا۔ خانیزمان امریکہ میں صاحب اولاد تھے۔ پاکستان بنتے ہی اسے دیکھنے کی خواہش ان کے دل میں انگڑائی لے چکی تھی۔ جب وہ امریکہ سے اپنے وطن واپس لوٹے تو کراچی ائیر پورٹ پر اترتے ہی انہوں نے پاک سرزمین کو چوما بعد میں اپنے بیٹے سے گلے ملے اور نہایت عزت و احترام اور شان و شوکت کے ساتھ اپنے جنم بھومی واپس لوٹے۔

ممتاز خان مرحوم چھوٹا ہی تھا جب وہ امریکہ گئے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد خانیزمان خان کا کوٹھیالہ میں انتقال ہو گیا وہیں پہ آسودہ خاک ہیں۔

"پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا"

لکوتری

لوئر تناول کا مشہور و معروف قصبہ ہے۔ شاہراہ تناول سے ایک راستہ لکوتری جاتا ہے۔ جرل سے بھی سڑک کے ذریعے رابطہ ہے۔ تنولی، سید اور اعوان کی مخلوط آبادی ہے۔ چند گھر ترائی آفریدیوں کے بھی ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ لکوتری تنولیوں کے معزز خاندان کا مسکن ہے۔ پورا باغ درہ اُن کی وراثت میں تھا۔ انہوں نے پلال تنولیوں کی ہمیشہ بھرپور حمایت کی ہے۔ جب بھی مصیبت نازل

ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ آڑے وقت میں کام آئے ہیں۔ دوست محمد خان کے بیٹے عبدالمجید خان، عبدالغفور خان ریٹائرڈ کرنل، محمد اسلم خان اسی طرح نہایت اللہ خان کے بیٹے حمید اللہ خان، محمد سرور خان، سعد اللہ خان کا معززین علاقہ میں شمار ہوتا تھا

شنگڑی

شنگڑی براستہ سرائے نعمت خان پختہ سڑک ہری پور سے ملا ہوا ہے۔ سرائے نعمت خان سے نصف میل دور پہاڑی پر واقع ہے۔ زبردست خان المعروف صوبہ خان کے لڑکے سرفراز خان کو تقسیم جائیداد میں ملا تھا اُس نے اونچی جگہ اپنے مکانات بنا کر اس قصبہ کو آباد کیا۔ شنگڑی سربلند خان پلال تنولی کا دارالریاست تھا۔ سکھوں نے سربلند خان سے اس کی ریاست چھین لی تھی۔ سردار ہری سنگھ نلوہ نے ۱۸۲۳ء میں شنگڑی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ دوسری بار حیدر خان درانی پسر امیر دوست محمد خان والئی افغانستان نے شنگڑی پر حملہ کیا اور اسے تخت و تاراج کر ڈالا۔ چتر سنگھ اٹاری والا آیا اور اس نے شنگڑی کے نزدیک سرائے نعمت خان میں اپنا کیمپ لگایا لیکن جلدی ایبٹ صاحب کو گرفتار کرنے شیروان چلا گیا۔

ہری سنگھ نلوہ کے شنگڑی کو جلانے سے قبل نواب خان ہندوال اور محمد خان ترین دونوں کے درمیان شنگڑی پر حملہ کرنا طے پایا تھا۔ لیکن بروقت سربلند خان کے تدبر سے یہ بلا ٹل گئی۔ اور دونوں نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے تنولیوں کے ساتھ ترین اور مشوانی کبھی نہیں ٹکرائے۔ برصغیر میں تحریک جدوجہد آزادی میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی مملکت کے مدارالمہام (وزیراعظم) نواب خان تنولی یہاں آسودہ خاک ہیں اُن کے بیٹے دوست محمد خان بھی یہیں دفن ہیں۔

شخصیات

سرزمین ہزارہ کے سردم خیز علاقہ تناول نے بہت ہی باصلاحیت اور ناموز سپوت پیدا کئے ہیں جنہوں نے ملک اور قوم کا نام روشن کیا ہے۔ گو وہ اب ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ وجاوید تاریخ کے اوراق پر چمکتا رہے گا۔ مرحومین میں بابا بہرام خان تنولی، منشی قلندر خان تنولی مولانا محمد عرفان خان، ملک محمد عالم خان اعوان، ڈاکٹر سید عبداللہ، کرنل عبدالغفور، محمد یوسف خان تنولی، ملک غلام ربانی شامل ہیں۔

بابا بہرام خان تنولی

بابا بہرام خان ۱۷۹۱ء میں اپر تناول کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے باپ کا نام فرید خان تھا۔ آپ کا تعلق تنولی ہندوال خاندان کے رؤسا سے تھا ۳۵ سال کی عمر میں سید احمد شہید سے وابستہ ہوئے اور اُن کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہے۔ بالاکوٹ کے آخری معرکہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء میں بھی شریک جنگ تھے۔ اُن سے منسوب سید احمد شہید کی شہادت کی ایک روائت کو مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ”سید احمد شہید“ میں درج کیا ہے۔ ان سے منسوب کچھ دیگر روایات کو سید عبدالجبار شاہ ستھانوی نے اپنی کتاب ”عبرت للاولی الابصار“ میں جگہ دی ہے بابا بہرام خان تنولی کو علم وآداب سے گہرا شغف تھا۔ آپ تاریخ دان تھے۔ ایک انجمن تھے۔ ایک ادارہ تھے۔ ہندوستان کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ تناول کی پوری تاریخ سے واقف تھے لیکن کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۴ء تک تنظیم الاتحاد تنولیاں کے سرپرست رہے۔ میجر جیمس ایبٹ نے آپ کی جاگیر کی سفارش کی اور آپ کو موضع کھارن کی جاگیر عطا ہوئی ۱۹۲۱ء میں ۱۳۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور کھاران میں آسودہ خاک ہیں۔

منشی قلندر خان تنولی

منشی قلندر خان تنولی ۱۸۷۷ء میں اپر تناول کے مقام دربند خان خیل تحصیل وضلع ہری پور میں پیدا ہوئے لکھے پڑھے روشن خیال، جرأت مند اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے نہایت بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ آپ نے ایبٹ آباد سے ۲۶ مئی ۱۹۱۱ء کو ایک ہفت روزہ اخبار ”ایڈورڈ گزٹ“ کے نام سے نکالا یہ ہزارہ کا سب سے پہلا اخبار تھا۔ جو ضلع کے مرکز سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے مطابق اس اخبار کے خلاف پریس ایکٹ مجریہ ۱۹۱۰ء کے تحت کارروائی کی گئی ہندوستان کے تقریباً تین سو اخبار ہیں جن کی پریس ایکٹ کے تحت کارروائی ہوئی۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی کتاب میں اس اخبار کا نام بھی گنوایا ہے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان اپنے اخبار زمیندار کی اشاعت مؤرخہ ۸ دسمبر ۱۹۱۱ء میں اخبار کے متعلق لکھتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے دوسرے اخبار ایڈورڈ گزٹ پر ہندو اخبارات کے ان حلقوں کی طرف سے حملے کئے جا رہے ہیں جن کی مسلم دشمنی اب کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی ان اخبارات کو غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ایبٹ آباد کا ہندو زدہ ماحول مقامی حکام کے ذہنوں میں یہ غلط تاثر بٹھانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہا کہ ایڈورڈ گزٹ اخبار برطانوی راج کے مخالف جذبات کا پرچار کر رہا ہے منشی قلندر خان تنولی سیاسی سوجھ کے مالک تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں نئے تشکیل شدہ صوبے میں ہزارہ کی شاملیت پر اعتراض کیا۔ اور وائسرائے ہند سے ہزارہ کی واپسی اور پنجاب سے دوبارہ الحاق کے فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل کی۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک پمفلٹ تحریر کیا اور پورے ہندوستان میں تقسیم کیا وہ جانتے تھے اس کے آئندہ نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔ منشی قلندر خان ایک بے باک انسان تھے ان کا سیاسی اُفق صوبہ سرحد کے حکام کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ اس لئے وہ حکومت کے زیر عتاب رہے ان کو دوبارہ اخبار صوبہ سرحد سے نکالنے کی اجازت نہیں ملی۔ انہوں نے بجائے صوبہ سرحد کے راولپنڈی سے ایک روزنامہ ”نسیم ہند“ کے نام سے جاری کیا اور اپنا ماضی الضمیر عوام تک پہنچاتے رہے۔ منشی قلندر خان تنولی اخلاقی اقدار کے پاسدار تھے۔ اُن کی اخلاقی جرأت مندی اور فرض شناسی کا اندازہ اس واقعہ سے

سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک فوجی گورا کاکول روڈ پر موٹر سائیکل پر تیز رفتار جا رہا تھا ایک بوڑھی عورت جو سر پر آٹا اٹھائے اور ہاتھ میں مٹی کے تیل کی بوتل لٹکائے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی کہ موٹر سائیکل کی زد میں آگئی۔ اس کی بوتل ٹوٹنے سے مٹی کا تیل آٹے میں مل گیا۔ اس صورت حال سے وہ بیچاری بہت پریشان و نالاں تھی کہ اچانک وہاں سے منشی قلندر خان کا گذر ہوا اس بوڑھی عورت نے تمام ماجرہ منشی قلندر خان کو سنایا منشی قلندر خان اس سارجنٹ کو پکڑ لائے جو کچھ فاصلے پر جا رہا تھا۔ اس عورت سے معافی منگوائی اور مرہم پٹی کروا کر تیل اور آٹے کی قیمت اس سارجنٹ سے دلوائی منشی قلندر خان صحیح طور پر شروع سے آخر تک تنولیوں کی تاریخ سے واقفیت رکھتے تھے تنولیوں کے متعلق جتنا کچھ انہوں نے لکھا ہے شائد ہی کسی دوسرے آدمی نے لکھا ہو۔ اگر ماضی میں لکھے ہوئے ان کے مضامین کو جمع کیا جائے تو پوری تاریخ بنتی ہے ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے "نسب التنولی"، لکھ کر تنولیوں کی قومیت کو واضح کیا۔ جو ایک عرصہ سے افغانوں اور مغلوں کے درمیان معلق چلے آرہے تھے۔ انہوں نے "ہزارہ پنجاب سے الگ کیوں"؟ لکھ کر اس سیاسی شعبدہ بازی کی شدید مخالفت کی جس میں ضلع ہزارہ کو پنجاب سے الگ کر کے نئے تشکیل شدہ صوبے میں شامل کیا گیا باوجود تنازعہ اتنا عرصہ گذرنے کے آج جس کے نتائج احساس محرومیت کے سوائے اور کچھ نہیں ہیں۔

انہوں نے سب سے پہلے ہزارے وال کی اصطلاح ۱۹۱۲ء میں استعمال کی ہزارہ کے اس عظیم سپوت کا انتقال ۱۹۱۶ء کو ہوا۔

مولانا محمد عرفان

مولانا محمد عرفان خان کا پورا نام ابوالمعارف محمد عرفان تھا۔ آپ ذات کے تنولی تھے ۱۸۸۹ء موضع بکھوال تحصیل مانسہرہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مانسہرہ میں حاصل کی دینی تعلیم دارالعلوم چھور شریف نزد ہری پور حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دیوبند چلے گئے اور مذہبی تعلیم مکمل کی جب آپ دیوبند سے واپس لوٹے تو آپ تحریک آزادی ہند سے متأثر تھے تحریک خلافت شروع تھی۔ اس طرح آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت میں شامل ہو کر کیا۔ تحریک آزادی ہند کے لئے گاؤں گاؤں لوگوں کو منظم کیا نوبت یہاں تک پہنچی لوگوں نے ہزارہ بالخصوص تحصیل مانسہرہ میں حکومت برطانیہ کا وجود تسلیم

کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے قید و بند میں رکھا۔ اس کے بعد کسی مصلحت کے تحت سزا سے قید یا جرمانہ سنانے کے بجائے آپ کو زیر دفعہ ۳۶ جلاوطن ہونے کا حکم ملا مولانا عرفان نے جلاوطنی کے بعد اول دہلی بعد ازاں علی برادران کے عزیز ترین رفیق ہونے کی حیثیت سے بمبئی میں قیام کرنا پسند کیا۔

جب نوابزادہ عبدالقیوم صوبہ سرحد کے پہلے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تو انہوں نے جلاوطنی کی پابندیاں ختم کیں۔ لیکن ایک طویل عرصہ گذر چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے واپس لوٹنا پسند نہ کیا۔

مولانا عرفان آل انڈیا خلافت کمیٹی کے فنانس سیکرٹری اور بمبئی مسلم لیگ مجلس عاملہ کے ممتاز رکن تھے۔ آپ کل ہند لیڈر اور بہت بڑے عالم تھے۔ تقریر اردو ٹکسالی زبان میں فصیح و بلیغ اور چھپے دار ہوتی تھی۔ مولانا عرفان نے اپنی پوری زندگی ہندوستان کے مسلمانوں کی بیداری کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ آپ عالم اسلام کی تاریخ پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ اور اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں جو وفد سلطان عبدالعزیز کی دعوت پر موتمر اسلامی کے انعقاد کے انتظام کے لئے بھیجا گیا۔ اس میں مولانا ظفر علی خان، شعیب قریشی کے علاوہ آپ بھی تھے۔ کل جماعتی کانفرنس دہلی جو ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو تاریخی جامع مسجد دہلی کے مقابل وسیع و عریض سبزہ زار میں زیر صدارت آغا خان منعقد ہوئی تھی۔ اس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، سر محمد شفیع، نواب چھتاری، سر محمد یامین علامہ اقبال، سر محمد یعقوب، حسرت موہانی، سر فیروز خان نون، نواب سلیم پور اور آپ نے شرکت کی۔

مولانا محمد عرفان آتش فشاں مقرر تھے آپ کی تقریر انتہائی مؤثر ہوتی تھی۔ لوگ دم بخود ہو جاتے تھے۔ آپ اردو فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ مولانا عرفان کی عربی تقریروں کی عربوں میں دھاک بیٹھ گئی۔ عرب اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئیں۔ بعض اخبارات کی رائے میں خود عرب ممالک میں بھی اتنا بڑا خطیب موجود نہیں تھا۔ ضیاالدین برنی لکھتے ہیں کہ ایک دن میں نے مولانا سے استفسار کیا آپ دنیائے اسلام کا دورہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ میں قیادت کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ آپ صرف خلافت کمیٹی کے مالی سیکرٹری ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ جمال الدین افغانی کی جگہ لے سکتے ہیں۔ مولانا عرفان نے جواب دیا میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔ انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب میں دنیائے اسلام کی خدمت کے لئے اٹھوں گا۔ لیکن افسوس مولانا عرفان کی زندگی نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی خواہش

کو بروئے کار لاسکیں ۔ جب علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس لندن سے واپس لوٹے تو بمبئی میں آپ خلافت ہاؤس مولانا عرفان کو ملنے گئے دنیائے اسلام پر سیر حاصل بحث کی آپ الجمعیت کے مدیر رہے الجمعیت آپ کی زیر صدارت بیداری مسلمانان ہند بڑی نمایاں حیثیت کے ساتھ شائع ہوتا رہا ۔ شریف حجاز اور ابن سعود کی لڑائی کے زمانے میں آپ معاملات کی تحقیقات کے لئے نامزد ہوئے حجاز جاکر تحقیقات کیں ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں ملکانوں کے فتنہ ارتداد کے موقع پر آپ کی جانبازی ایثار و قربانی سب سے بڑی مخلصانہ خدمت ہے آپ نے مولانا شوکت علی کے ساتھ صوبہ سرحد کا دورہ کیا مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور قومی یکجہتی کی ضرورت پر زور دیا ۔ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب "یاد رفتگان" میں لکھتے ہیں ۔

مولانا محمد عرفان بہت دوست پرور ہنس مکھ ظریف و فیاض تھے ۔ ایک طرف وہ فقیر بے نوا تھے دوسری جانب حد درجہ غیور و شریف تھے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ۔ سرزمین ہزارہ کی مٹی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے خمیر سے ہمیشہ سرفروش مجاہدوں نے جنم لیا ہے ۔ جو سکھوں سے ٹکرائے بعد انگریزوں کے پاؤں جڑوں سے اکھاڑنے کے لئے سرگرم عمل رہے ۔ دو جلاوطن مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور مولانا محمد عرفان نے ضلع ہزارہ میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ لوگوں نے ہزارہ میں برطانیہ حکومت کا وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ چنانچہ اس حالت زار کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مسٹر ایورٹ (EWERT) لکھتا ہے ۔ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ نے عملی طور پر انگریز حکومت کا وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ لوگوں نے خود حکومت کا کاروبار چلانا شروع کر دیا تھا بالخصوص ڈھوڈیال اور شنکیاری میں اپنے تحصیلدار اور تھانیدار مقرر کر دیئے تھے اور سرکاری افسران جو اپنے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ اُن کو بے عزت کیا گیا ۔

مولانا محمد عرفان کو قدرت نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا ۔ مولانا نے عمر بھر شادی نہیں کی کہ ان کی زندگی کے عظیم مشن میں کہیں رکاوٹ نہ پڑ جائے مولانا محمد عرفان نے اپنی پوری زندگی مسلمانانِ برصغیر کی بیداری کے لئے وقف کر رکھی تھی ۔ مولانا بمبئی مسلم لیگ مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک تھے ۔ کہ اچانک اُن کی طبیعت بوجھل ہو گئی قریب ہی دکان سے جنجر کی بوتل منگوا کر پی جنجر پیتے ہی مولانا کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ۔ عثمان سوبانی مولانا کو محمد علی جناح روڈ پر واقع حکیم مرزا حیدر بیگ

کے دواخانے لے گئے ۔ حکیم مرزا حیدر بیگ نے پینے کے لئے مولانا کو تسکین قلب کے لئے مفرح شربت دی اور عثمان سوبانی کو تاکید کی کہ مولانا کو فوراً خلافت ہاؤس پہنچا دیں ۔ خلافت ہاؤس پہنچتے ہی مولانا کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ یہ الم انگیز اور المناک خبر فوراً بمبئی شہر میں چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ خلافت ہاؤس میں پہنچنا شروع ہو گئے ۔ جناب ضیاالدین برنی لکھتے ہیں مولانا محمد عرفان کے جنازے میں ہر فرقے کے لوگ شامل تھے جن کی تعداد لاکھوں کی تھی ۔ یہ جلوس کئی میل لمبا تھا جنازے کی چارپائی کے ساتھ بانس باندھے گئے تھے تاکہ سینکڑوں آدمی بیک وقت کندھا دے سکیں آپ کا انتقال ۱۴ر اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا ۔

ملک محمد عالم خان اعوان

آپ لوہر تناول کے مشہور و مردم خیز گاؤں منگلور تحصیل مانسہرہ ملک سید عالم کے گھر پیدا ہوئے ۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد سے حاصل کی ایف اے اسلامیہ کالج پشاور کے طالب علم تھے ہندوستان میں ترک موالات اور تحریک خلافت عروج پر تھیں ۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر پشاور آئے انہوں نے طلباء سے اپیل کی کہ وہ سرکاری امداد سے چلنے والے تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کریں ۔ ملک محمد عالم نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ علی گڑھ پہنچ گئے ۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد طالب علموں کو تبلیغ کے لئے دوبارہ اپنے ضلعوں میں بھیجا گیا ۔ تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا ۔ ایک ماہ قید کے بعد ضلع بدر ہوئے اور سیدھے خلافت ہاؤس بمبئی پہنچ گئے ۔ چند ماہ قیام کے بعد دہلی آئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں داخل ہو کر بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔ تعلیم سے فارغ التحصیل کے بعد تھوڑا عرصہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی ۔ بعد ازاں خلافت کمیٹی کے زیر انتظام چلنے والے ٹیکنیکل سکول نوشہرہ میں آپ کا تقرر سیکنڈ ماسٹر ہوا ٹیکنیکل سکول سے منسلک ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ۔ آپ مولانا محمد علی جوہر کے اخبار روزنامہ ہمدرد سے وابستہ ہو گئے ۔ دریں اثناء آپ کی ملاقات ڈاکٹر محمد سیف الدین کچلو سے ہوئی اور آپ اُن کے اخبار تنظیم کے سب ایڈیٹر بن گئے اور امرت سر چلے آئے ۔ ملک محمد عالم خان اعوان ضلع ہزارہ میں تحریک آزادی کے علمبرداروں سے ایک ہیں جنہوں نے قید و بند اور جلاوطنی کے مصائب برداشت کئے ۔ آپ کچھ عرصہ سردار شوکت حیات کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے ۔ اس کے بعد

راولپنڈی سے سہ روزہ "شہاب" نکالا پھر آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ اور مختلف سرکاری عہدوں پر کام کیا۔ سیکشن آفیسر کے عہدہ سے پنشن لی اور ایبٹ آباد سے یکم مئی ۱۹۷۰ء کو ہفت روزہ "معاشرہ" نکالا۔ ۱۹۷۴ - ۱۹۷۵ء تبلیغی جماعت کے ضلعی امیر رہے۔ طویل عرصہ تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کو انتقال کر گئے۔

کرنل عبدالغفور خان

کرنل عبدالغفور خان ۱۹۱۷ء میں لوہر تناول کے ایک مشہور گاؤں لگوتری میں پیدا ہوئے پرائمری اور مذہبی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان مشن سکول پشاور سے اور بی۔ اے ایڈورڈ کالج پشاور سے پاس کیا۔ ایف ای ایل علی گڑھ سے کیا۔ ایل ایل بی سال دوئم جاری تھا کہ علی گڑھ سے ۱۹۴۱ء میں کمشن میں لے گئے چھ ماہ بنگلور میں اور اس کے بعد کلکتہ میں تربیت حاصل کی آپ پانچ آٹھ پنجاب رجمنٹ میں تھے۔ جو تقسیم ہند کے بعد پانچ بلوچ کہلائی۔ آپ اس رجمنٹ میں کرنل کے عہدے پر فیض تھے۔ اور اس کی کمانڈ کی۔ جنرل ٹکا خان اور جنرل یوسف خان (کومٹ) آپ کے ہمعصر تھے۔ آپ ڈیپوٹیشن پر واپڈا کے چیف سیکورٹی آفیسر بھی رہے۔ آپ ہاکی اور فٹ بال کے اچھے کھلاڑی ہونے کے علاوہ بہترین شکاری تھے۔ شکار کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ آپ ۱۹۶۲ء میں سرکاری ملازمت سے فارغ ہوئے ۱۹۸۵ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑا لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ بعدازاں جنرل ضیاالحق نے آپ کا نام سینٹ کیلئے تجویز کیا لیکن کرنل صاحب نے رضامندی ظاہر نہیں کی۔ انہوں نے عبادت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ اُن کی سوچ ہمیشہ مثبت تھی۔ اس کی مثال یوں ہے ایک دفعہ کسی بدخواہ نے خبر اُڑادی کہ کرنل صاحب فوت ہو گئے ہیں جب اُن تک خبر لاہور پہنچائی گئی تو انہوں نے صرف اتنا کہا اچھا کیا کہ مجھے موت سے آگاہ کیا۔ کہ مرنا بھی ہے۔ کرنل صاحب انگریزی لٹریچر میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ وہ انگریزی کے ماہر استاد تھے۔ اس لئے بڑے سے بڑا انگریزدان اُن سے گفتگو کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ آپ نے تین شادیاں کیں۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کی شادی جالندھر کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی دوسری شادی لوئر تناول کھارن کے ہم قوم خاندان میں ہوئی۔ اور تیسری شادی لاہور میں کی جس سے ایک لڑکی ہے۔ وہ شادی شدہ ہے اور لاہور میں مقیم ہے۔ آپ کا انتقال مورخہ (۲۴ مئی ۱۹۹۱ء) لاہور میں ہوا۔ میت کو آبائی گاؤں لگوتری



کرنل عبدالغفور خان مرحوم

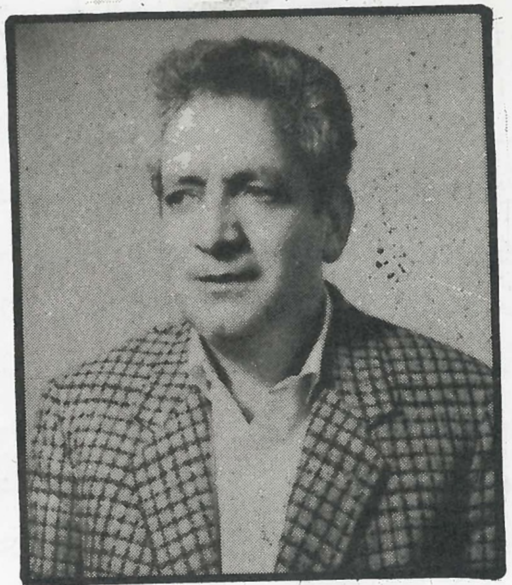
بڑا فوٹو مدھم ہونے کے باعث چھوٹا فوٹو ساتھ دیا ہوا ہے۔



لایا گیا اور وہیں پر آسودہ خاک ہیں

محمد یوسف خان تنولی

آپ کا نام محمد یوسف۔ والد کا نام عبدالرحیم تھا۔ ۱۹۳۷ء میں موضع کلس علاقہ تناول ضلع مانسہرہ میں پیدا ہوئے میٹرک کرنے کے بعد بی کام آنرز کیا۔ آپ کو انگریزی کے علاوہ کئی دیگر زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بیرون ملک چلے گئے۔ آٹھ سال کے بعد بیرون ملک سے واپس لوٹے اور سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور ممتاز سماجی شخصیت کے روپ میں سامنے آئے بعد میں لوگوں کے اصرار پر آپ نے سیاست میں حصہ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے عروج پر پہنچ گئے۔ آپ پہلی بار ۱۹۸۵ء میں صوبہ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپکو بہ اتفاق ممبران صوبہ سرحد مسلم لیگ کا صوبائی سیکرٹری اطلاعات مقرر کیا گیا۔ انہوں نے رکن صوبائی اسمبلی اور مسلم لیگ کے مخلص رہنما کی حیثیت سے اپنے علاقہ کی تعمیر و ترقی کے لئے انتھک جدوجہد کی جو کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ آپ دکھی انسانیت کی خدمت کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہے مشہور و معروف نامور عالم دین مولانا عزیز الرحمان (مرحوم) مدفن اپر ملک پورہ یوسف خان کے بہنوئی تھے محمد یوسف خان تنولی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ سیاسی و سماجی سرگرمیوں کے علاوہ علم و ادب سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ تاریخ کے مطالعے سے گہرا لگاؤ تھا تنولی قوم اور تناول کے متعلق آپ کو جس قدر معلومات تھیں شاید ہی کسی دوسرے آدمی کو ہوں۔ آپکے کئی مضامین اخبارات کی زینت بنے۔ محمد یوسف خان تنولی ۲۳ جنوری ۱۹۹۱ء مسلم لیگ کے مرکزی اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں شریک تھے کہ اچانک آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ آرام کے لئے ان کو لٹایا گیا لیکن ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔



محمد ایوب خان تنولی ایڈووکیٹ

ملک غلام ربانی اعوان

ملک غلام ربانی ١٩١٨ء میں لوہر تناول کے ایک گاؤں کاکوٹ (تھانہ شیروان) میں پیدا ہوئے جے دی جونیئر ورنیکلر مڈل تک تعلیم شیروان میں حاصل کی۔ مڈل پاس کرنے کے بعد وہ اپنے والد صاحب کے ساتھ بمبئی چلے گئے وہاں انجمن اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا کہتے ہیں کچھ لوگ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور کچھ بڑائی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں پر بڑائی ڈالی جاتی ہے لیکن ملک صاحب نے اپنے آپ کو اس مقام تک پہنچانے کے لئے جدوجہد کی ہے علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس لئے بمبئی کے مختلف ادبی تنظیموں کے ممبر رہے تقسیم ہند ١٩٤٧ء میں آپ پاکستان آگئے اور پنجاب یونیورسٹی سے فارسی کے امتحان فاضل میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے محکمہ تعلیم صوبہ سرحد میں ملازمت اختیار کرلی اور مشرقی علوم کے مدرس مقرر ہوئے محکمہ تعلیم میں ملازمت پوری کرکے سبکدوش ہوئے انہوں نے دوران ملازمت آل ٹیچر ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اور اساتذہ کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے رہے ادارہ تنظیم الاعوان کے جنرل سیکرٹری تھے ١٩٧٣ء میں ایبٹ آباد سے ایک ہفت روزہ رسالے "دو نشیمن" کا اجرا کیا جو باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ مرحوم بڑے بلند اخلاق اور وسیع النظر انسان تھے صحافت کے علاوہ خدمت خلق کے نصب العلین کو ہمیشہ سر فہرست رکھا ملک غلام ربانی اعوان جنوری ١٩٨٨ء میں ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ

ڈاکٹر سید عبداللہ مانسہرہ سے ١٥ میل دور لوئر تناول کے ایک مردم خیز گاؤں منگلور میں ١٩٠٦ء میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوارم سے حاصل کی ان کے والد اپنے دور کے ایک عالم دین۔ ماہر علوم دینیہ اور حکیم تھے۔

ان کے والد کی دلی تمنا تھی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ملک وملت کی خدمت کرے اور قوم کا

قابل فخر فرزند بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور سیّد صاحب کی ذات گرامی ادب کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی۔ سید صاحب مانسہرہ اور پھر ایبٹ آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور آ گئے اور مولانا احمد علی خطیب جامع مسجد شیراں والا کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب علی گڑھ چلے گئے اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ تھا یہاں سیّد صاحب کو مولانا محمد علی جوہر کی محبت میسّر آ گئی۔ اس بطل حریت نے سیّد صاحب کی بھرپور انداز میں رہنمائی کی۔ ان کے علاوہ سیّد صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا سواتی اور مولانا جیراج پوری سے فیض حاصل کیا۔ علی گڑھ سے آپ لاہور آ گئے اور نٹیل کالج میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۲۲ء میں منشی فاضل کی ڈگری حاصل کی ۱۹۲۵ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں بطور فہرست ساز کے ملازم ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں عربی میں ایم اے کیا۔ اور ۱۹۳۵ء میں ڈی لٹ جو کسی علم کی تدریسی سطح پر سب سے بڑی ڈگری ہے حاصل کی وہ پہلے ڈی لٹ تھے یہ اعزاز صرف ڈاکٹر سید عبداللہ کو حاصل ہوا تھا۔ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے اورنٹیل کالج میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی ذاتی کوششوں کی بنا پر ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ اردو کلاسز کا اجراء ہوا۔ پاکستان کے نامور شاعروں اور ادیبوں نے اس ادارے سے ایم اے کی ڈگری حاصل کیں۔ پروفیسر مرزا محمد منوّر، ڈاکٹر وحید قریشی، امجد الطاف، قیوم نظر، یوسف ظفر، ریاض احمد، ڈاکٹر ممتاز منگلوری عطاء الحق قاسمی ایسی شخصیات نے ڈاکٹر سید عبداللہ سے علم و ادب حاصل کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی خدمت ساٹھ سال سے زیادہ ہے۔ وہ اس صدی کے ابتدائی سالوں میں منگلور کے پہاڑوں سے اتر کر لاہور کے میدان میں پہنچے انہوں نے اپنے لئے جو میدان چنا وہ علم و ادب کا میدان تھا۔ انہوں نے اپنے علمی استعداد میں اضافے کے لئے بے انتہا محنت کی اور یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ اُن کی اعلیٰ استعداد کی بنا پر انہیں ڈی لٹ کی ڈگری دی گئی۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کے پہلے ڈی لٹ تھے۔ اُردو کو اس کا صحیح مقام دلوانے اور اسے ہر سطح پر ذریعہ تعلیم بنوانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مسلسل اور متواتر کوششیں جاری رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی کارناموں کی

تفصیل کئی جلدوں کی ضخیم کتب کی ضرورت ہے۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا پر کام کرنے کے لئے نہایت انہماک سے کام کرنے والوں کی ایک ٹیم تیار کی ہوئی تھی۔ آپ کو بہت سے خطابات سے نوازا گیا۔ آپ نے ملک کی تمام بڑی ادبی تنظیموں میں شامل ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیئے سید صاحب اکادمی ادبیات پاکستان کے بنیادی رکن تھے۔ مجلس ترقی ادب رکن اور انجمن ترقی اردو کے خصوصی ناظم تھے۔ ۱۹۵۹ء میں حسن کارکردگی کا صدارتی تمغہ ملا اور اسی سال ایران کی حکومت نے نشان سپاس دیا۔ آپ کو لوگ محسن اردو، قائد اردو، بابائے اردو ثانی بھی کہتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں آپ کا پر فالج کا حملہ ہوا جس میں آپ کی زبان بھی متاثر ہو گئی اور آپ لکھ کر بات کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا انتقال ۱۴ر اگست ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ اسی روز اخبارات کی چھٹی تھی۔ اس کے باوجود یہ خبر لاہور میں چاروں طرف پھیل گئی اور ڈاکٹر صاحب کے مکان ۲۵ اُردو نگر اردو منزل سمن آباد موڑ لاہور پر لوگوں کا جم غفیر تھا۔ اُن کے عقیدت مندوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اُن کی نماز جنازہ میں شرکت کی دیگر شخصیات کے علاوہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جاوید اقبال، جماعت اسلامی کے امیر طفیل محمد، ڈائریکٹر اقبال اکادمی مرزا محمد منوّر شامل تھے۔ پاکستان کے تمام علاقوں سے اظہار تعزیت کے لئے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاالحق، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف، گورنر پنجاب سیّد سجاد حسین قریشی، اور دیگر اصحاب ڈاکٹر مرحوم کی اقامت گاہ پر گئے اور پس ماندگان سے اظہار افسوس کیا۔

محمّد ایوّب خان تنولی

محمّد ایوّب خان تنولی ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء کو تنولی قوم کے ایک معزز قبیلہ سرگنال میں جناب حاجی بہادر خان کے گھر بمقام بھتیل (شیروان) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول شیروان سے حاصل کر کے ۱۹۵۳ء میں گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں داخلہ لیا اور اس طرح اسی کالج سے ۱۹۵۷ میں آرٹس کی ڈگری حاصل کی۔ آپ بعد ازاں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کراچی چلے گئے جہاں سے ۱۹۵۹ میں ایس ایم لاء کالج سے قانون کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی اور فراغت تعلیم کے بعد ایبٹ آباد میں وکالت شروع کی۔ علاقہ تناول کی خستہ حالی دیکھتے ہوئے اُن کی

توجہ علاقہ کی مشکلات کے حل کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح وہ آہستہ آہستہ سیاست کی طرف راغب ہونے لگے ۔ ۱۹۸۳ میں ڈسٹرکٹ کونسل ایبٹ آباد کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہو کر ممبر منتخب ہوئے ۱۹۸۵ میں صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد کا الیکشن لڑا اور ممبر منتخب ہوئے اسی سال آپ کو وزارت تعلیم کا قلمدان سونپا گیا ۱۹۸۶ء میں تعمیرات و مواصلات کے وزیر رہے ۱۹۸۸ میں صحت کے صوبائی وزیر رہے ۱۹۸۸ء فروری میں پنجاب اسمبلی کی گولڈن جوبلی ہوئی جس میں آپ نے صوبہ سرحد اسمبلی کی نمائندگی کی اور مقابلہ تقریر میں آپ کو بہترین پارلیمنٹرین کے خطاب سے نوازا گیا وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو نے آپ کو سونے کا تمغہ عطا کیا ۔ ۱۹۸۸ کے انتخاب میں دوبارہ کامیاب ہو کر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور بلدیات کے وزیر مقرر ہوئے ۔ ۱۹۹۰ تک اسی عہدہ پر برقرار رہے ۔

جناب محمد ایوب خان تنولی بیک وقت قانون اور پارلیمانی امور کے بھی وزیر رہے اور سرحد اسمبلی کی قائمہ کمیٹیوں کے چیئرمین بھی رہے ۔ انہوں نے اپنے دور میں بے شمار ترقیاتی کام کیے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کے دور میں نہ صرف قوم تنولی بلکہ پورے علاقہ تناول کی ملک بھر میں پہچان ہوئی اور ان کا ہر فرد اپنے نام کے ساتھ تنولی کا لفظ ضرور لکھتا ہے ۔

فلائٹ لفٹیننٹ محمد فردوس خان

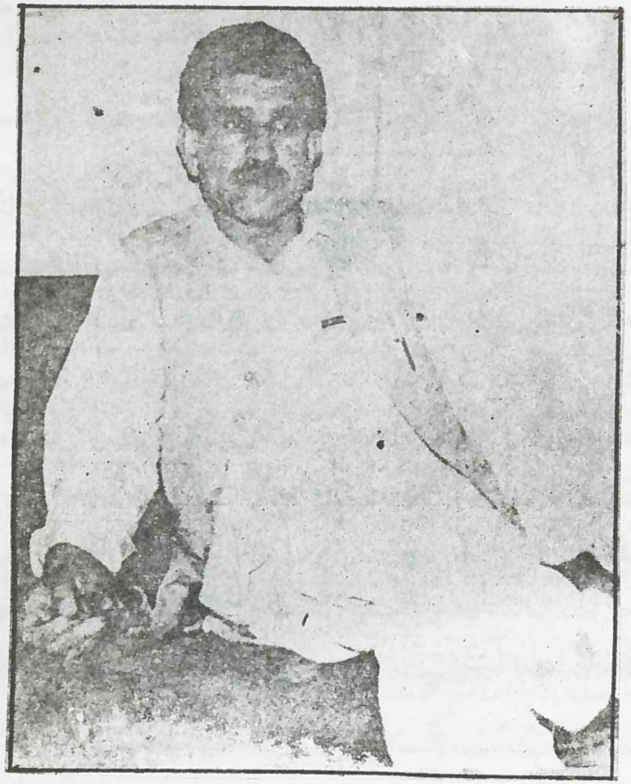
آپ کوٹھیالہ تنولی خاندان کے چشم و چراغ ہیں محمد فردوس خان نے میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۱ ایبٹ آباد سے کیا بی ایس سی اسلامیہ کالج پشاور سے اور ایم بی اے انگلینڈ سے کیا ہے ۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پاکستان ائیر فورس میں ملازمت اختیار کی ائیر فورس سے سبکدوش ہونے کے بعد غالباً ۱۹۶۳ء - ۱۹۶۴ء میں انگلستان چلے گئے ۔ ۱۹۷۷ء میں جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر الیکشن کے لئے نامزد ہوئے لیکن جماعت اسلامی کے بائیکاٹ کی وجہ سے حصہ نہیں لیا ۔ ۱۹۸۵ء میں حلقہ پی ایف - ۳۸ سے صوبائی اسمبلی کی سیٹ کے لئے جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا لیکن شومئی قسمت کامیاب نہ ہو سکے ۔ ۱۹۷۹ء افغانستان میں لڑائی چھڑ جانے کی وجہ سے مہاجرین کی آمد کا سلسلہ پاکستان میں شروع ہوا تو آپ جماعت اسلامی کی طرف سے منتظم مقرر ہوئے ۔ رچرڈ ۔ ری ویز نے اپنی کتاب جو کہ ایک سفرنامہ ہے "بیچ ٹو پشاور" جسے ۱۹۸۶ء میں ناشر سمسن اینڈ شسٹر راک فیلڈ سنٹر نیویارک نے شائع کر کے دنیا میں تقسیم کیا ہے ۔ رچرڈ ۔ ری ویز صفحہ ۸۱ پر فردوس خان سے اپنی گفتگو میں بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں محمد فردوس خان افغان مہاجرین کے لئے جماعت اسلامی کی طرف سے افغان سرجیکل ہسپتال کے لئے منتظم مقرر ہیں

حاجی عبدالجبار خان

حاجی عبدالجبار خان ۱۹۳۹ء کو پنڈ کرگو میں پیدا ہوئے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سعودی عرب چلے گئے سعودی عرب میں تقریباً ۲۲ سال رہے ۔ حاجی عبدالجبار خان کو یہ شرف حاصل ہے انہوں نے بحیثیت ٹھیکیدار خانہ کعبہ حرم شریف ، مکہ مکرمہ کی تعمیر کا کچھ حصہ پایہ تکمیل تک پہنچایا حاجی عبدالجبار خان نے واپس وطن لوٹتے ہی اپنے گاؤں کی تعمیر و ترقی میں گہری دلچسپی لینی شروع کی ۔ انہوں نے پنڈ کرگو کی مسجد کی تعمیر دوبارہ کرائی جو کہ آبادی کے لئے ناکافی تھی اور اپنی جیب خاص سے ۵ لاکھ روپے مسجد کے لئے دیئے انہوں نے ایک انجمن بنائی جس کا نام انجمن اتحاد پنڈ کرگو ہے یہ ایک فلاحی انجمن ہے جو اپنی مدد آپ کے تحت اپنے کام خود سر انجام دیتی ہے ۔ اس طرح کئی رقمیں جو مقدمات پر خرچ ہوتیں بچ گئیں ہیں ۔ حاجی عبدالجبار خان تناول کے بے لوث سماجی کارکن ہیں ۔ اُن کے زیرِ صدارت پنڈ کرگو میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہُوا ۔ یہ جلسہ انتخابی مہم کے سلسلہ کی ایک کڑی تھا ۔ اس سے پہلے اتنا بڑا جلسہ اس علاقہ میں نہیں ہُوا ۔

محمد عرفان رضوی

جناب محمد عرفان ۲۰ رجون ۱۹۲۸ء ٹوٹر تناول کے ایک گاؤں موضع کھواڑی کے مولانا محمد عالم کے گھر پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم مانسہرہ سے حاصل کی ۔ بی اے ، بی ٹی لاہور سے کیا ۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس کے معزز پیشہ سے منسلک ہو گئے ۔ کچھ عرصہ لاہور میں پڑھاتے رہے بعد ازاں راولپنڈی تبدیل ہوئے ۔ جناب محمد عرفان رضوی صاحب ایک عظیم درویش شاعر ہیں اُن کے چاروں شاعری مجموعے پڑھنے کے بعد اُن کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے ۔ وہ پاکستان کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں ۔ ان کے فن اور شخصیت کا اعتراف ''عرفان رضوی، فن و شخصیت جمال فطرت میں ہو چکا ہے جس میں ۔ ملک کے نامور ادیبوں ، شاعروں ، دانشوروں ، اور مفکروں کے علاوہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے اظہار خیال کیا ہے ۔ آپ علم و ادب



حاجی عبدالجبار خان

تناول کی ایک ممتاز سماجی شخصیت

کا گہوارہ ہیں آپ کے لگائے ہوئے پودے اس وقت تناور درخت ہیں جن کے سائے میں لوگ آرام وسکون کے لئے بیٹھتے ہیں ۔ آپ کی ساری ملازمت محکمہ تعلیم کی ہے آپ بحیثیت ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر راولپنڈی کے عہدے سے ۱۹۸۸ء کو ریٹائر ہوئے ۔

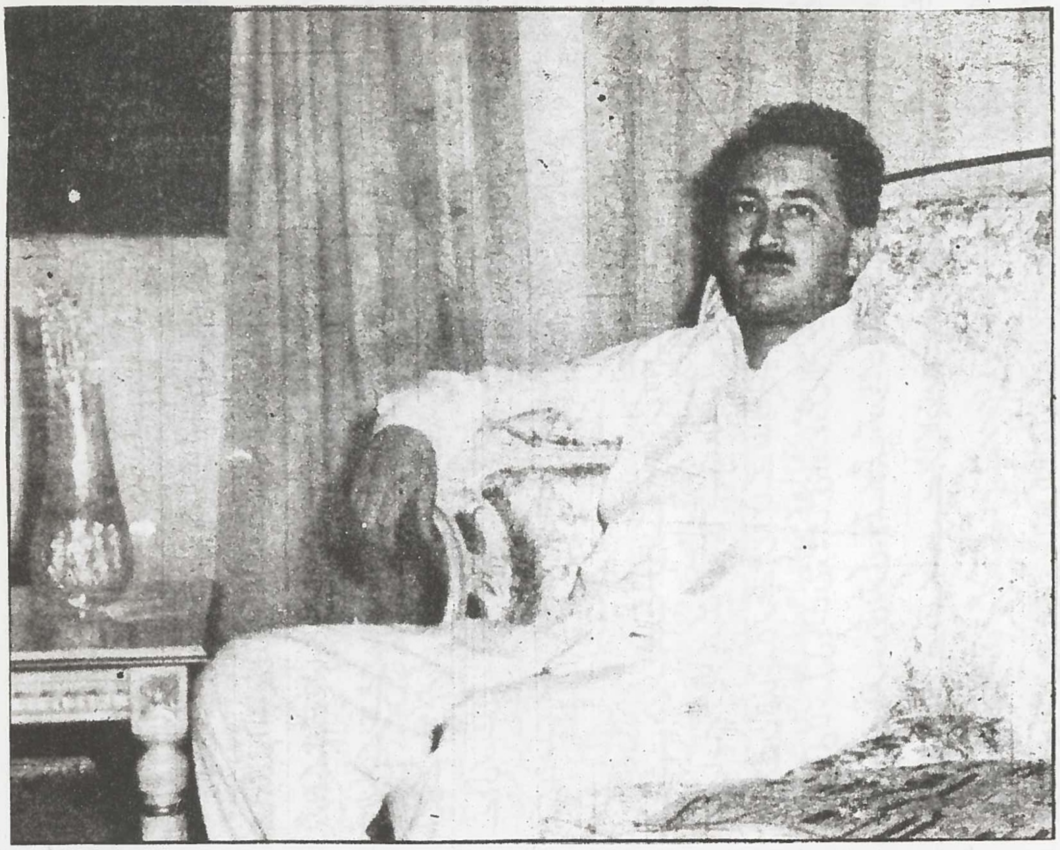
سیّد ریاض حسین شاہ

لوئر تناول کے قصبہ کٹنالی میں پیدا ہوئے لکوتری سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور میٹرک ہری پور سے کیا اس کے بعد اپنے ماموں جان کے پاس راولپنڈی آگئے درس وتدریس کے پیشہ سے منسلک ہوگئے ۔ ۱۹۸۵ء میں مولانا شاہ احمد نورانی کی پارٹی جمعیت العلمائے پاکستان کے ٹکٹ پر حلقہ ۳۹ راولپنڈی سے انتخاب لڑا ۔ راجہ شاہد ظفر پیپلز پارٹی کے مقابلے میں صرف چند سو ووٹوں کی گنتی سے رہ گئے آپ ممتاز عالم دین ہیں ایک ٹرسٹ بھی چلا رہے ہیں ۔ جو ادارہ تعلیمات اسلامیہ ٹرسٹ کے نام سے مشہور ہے اتفاق اکیڈمی لاہور میں بھی درس دیتے ہیں اس لئے آپ ہفتہ میں تین دن لاہور میں قیام کرتے ہیں اور تین دن راولپنڈی میں ۱۹۸۸ء میں آپ نے حلقہ ۳۸ اور ۳۹ راولپنڈی سے جمعیت علمائے پاکستان مولانا عبدالستار نیازی پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا آپ کے مدمقابل شیخ رشید احمد اور اعجاز الحق تھے شومئی قسمت آپ کامیاب نہ ہوسکے ۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سحر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
(اقبال)

نوابزادہ صلاح الدین سعید

۱۸ اگست ۱۹۵۸ کو شیر گڑھ اپر تناول کے مقام پر پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم برن ہال ایبٹ آباد میں ہوئی بی اے ایڈورڈ کالج پشاور سے کیا ۔ ایم اے انٹرنیشنل ریلیشن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ لوگوں کے بے حد اصرار پر ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخاب میں حلقہ نمبر این اے ۱۶ مانسہرہ ۲ سے حصہ لیا بیگم فخر الزمان کے مقابلے میں ۱۴۷۰۹ ووٹ لے کر آزاد ممبر کی حیثیت سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۔ قومی اسمبلی کے سب سے کم عمر رکن تھے قواعد وضوابط کے مطابق ۲۵ سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ بیگم فخر الزمان نے ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر کے مقدمہ جیت لیا ۔ آپ نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا بالآخر آپ کے حق میں فیصلہ ہوا آپ دوبارہ اسی حلقہ سے ۱۹۸۸ کے انتخاب میں کامیاب ہو کر ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے ۱۶ اگست اسمبلی ٹوٹنے کے صدارتی اقدام کے بعد آپ صوبہ سرحد کی نگران حکومت میں بحیثیت وزیر محکمہ جنگلات شامل ہوئے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ کے عام انتخاب میں آپ آئی جے آئی کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر تیسری بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے ہیں آپ دو دفعہ ۱۹۸۶ اور ۱۹۹۱ میں یو ۔ این ۔ او میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں اس کے علاوہ لیبیا ۔ ملیشیا ۔ تھائی لینڈ ۔ سری لنکا ۔ کینیا میں بھی پاکستان کی نمائندگی کی پاکستان ڈیفنس کمیٹی اور ہاؤس لائبریری کمیٹی کے ممبر ہیں ۔ انگلینڈ ۔ فرانس جرمنی سعودی عرب ۔ قطر ۔ دوبئی ۔ ترکی ۔ ہانگ کانگ ۔ کوریا میں بھیجے جانے والے سرکاری وغیر سرکاری وفود میں آپ بھی شامل تھے ۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ جو دور حاضرہ کی روایات کے برعکس کارنامہ عظیم ہے جسے مالکانہ حقوق شیر گڑھ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۸ جولائی ۱۹۸۷ کو شیر گڑھ کے مقام پر ایک عظیم الشان جلسہ میں اپنی ہزاروں کنال زمین کے مالکانہ حقوق مزارعین کو دے دینا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے اگر تواریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو بہت ہی کم مثالیں ایسی سامنے آتی ہیں صاحب موصوف کا یہ کارنامہ ہمیشہ کے لئے پاکستان کی تاریخ میں زندہ جاوید رہے گا بالخصوص صوبہ سرحد کی تاریخ میں ایک مثالی کردار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہے گا ۔



نواب زادہ
صلاح الدین سعید



حویلیاں۔ ایک روزہ تنولی کنونشن سے نوابزادہ صلاح الدین سعید، محمد اقبال تنولی، غلام جیلانی،
محمد اشرف خان مقام سلہڈ میں سے خطاب کر رہے ہیں ۔

تناول کے مزار اور زیارتیں

تناول میں زیارتیں عام ہیں ان میں چند زیارتیں اور مزارات تناول سے باہر بھی دور دراز تک مشہور ہیں ان پر لوگ حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ تھاکھی شریف، حضرت پیر نسیم گل کا مزار، کوٹھیالہ مانگل روڈ پر واقع ہے تناول سے باہر بھی کافی مشہور و معروف مزار ہے۔ صوبہ سرحد کے دور افتادہ علاقوں سے لوگ یہاں آکر عرس میں شرکت کرتے ہیں۔ حضرت تھاکھی شریف کا تعلق ہنوں سے تھا ان کے عزیز و اقارب باقاعدہ مزار کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اور لوگوں کی طرف سے پیش کئے ہوئے عطیات وصول کرتے ہیں اور دور دراز سے آتے ہوئے مسافروں کے طعام و قیام کا انتظام کرنا اُن کے ذمے ہے۔ حضرت مرحوم شریعت کے بہت پابند تھے۔ کوئی کام بھی شریعت کے برخلاف کیا جائے تو ان کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ غالباً انہوں نے ۱۹۳۰ء میں تھاکھی شریف کو اپنی عبادت کے لئے پسند فرمایا اور پھر ساری عمر یہاں عبادت میں گزار دی تقسیم ہند کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پاکستان بننے کے بعد وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے ان کی وفات کی الم انگیز اور غم ناک خبر چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ تھاکھی شریف میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ تھاکھی میں دفنائے گئے

حضرت پیر نسیم گل تھاکھی شریف

عرفان رضوی صاحب کی کتاب اصحاب فیضان سے ماخوذ نظم

ہو تری تھاکھی کی خیر اے نسیم باصفا — ہے جہان عشق میں ضو فشاں رتبہ تیرا

میری جانب بھی سخی خود کا قطرہ کوئی — تیرے لطفِ وجود کا شور ہے ہر سو بپا

دھوم ہے تیری مچی ہر طرف حق کے ولی — میں ثنا خواں ہوں تیرا مجھ کو ہو کچھ تو عطا

تجھ کو الفت فقر سے تجھ کو دنیا سے نفور — تیرے دل میں جلوہ گر ہیں خدا[ج] و مصطفےٰ[ص]

ہے کشادہ تیرا در ہر گدا و شاہ پر — عام ہر ایک پر فیض تیرے لُطف کا

یاد کرتی ہے تجھے شوق سے تھاکھی تیری — چوٹیاں بلیانہ کی ذکر کرتی ہیں تیرا

میر و سلطان بانکپن گرچہ رکھتے ہیں بہت — مرتبہ تیرا سخی ہے مگر سب سے جُدا

ہو کوئی چشم کرم آئے امیر محتشم — مجھ پہ رحمت کی نظر اے شہ جو دوسخا

لطف کی کوئی نظر اے نسیمِ چارہ گر — ہے جہانِ جور میں تیرا عرفانِ بے نوا

تہنکا شریف

یہ پیر باصفا اب تک زندہ ہیں تاج محمد خان جمالی وزیر اعلیٰ بلوچستان نے سب سے پہلے اُن کے پاس پہنچ کر حاضری دی اور دعا خیر میں شرکت کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف آئے انہوں نے باباجی سے کہا کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کچھ مانگیں یہ بات انہوں نے اپنے طور پر عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے احترام میں کہی تھی۔ باباجی نے کہا تم مجھے کیا دے سکتے ہو تم خود محتاج ہو۔ اس کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق کے بیٹے اعجاز الحق تہنکا شریف گئے اور باباجی کے حضور میں حاضر ہو کر دعا خیر میں شرکت فرمائی۔ ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کھاتے پیتے کچھ بھی نہیں ہیں صرف چائے پی کر تھوک دیتے ہیں۔ ہوا اور پانی پر گزارا ہے۔ یہاں بیٹھے تھے اب تک وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے اُوپر چھتری بنادی ہے اور چھت بننے سے پانی وغیرہ سے محفوظ جگہ بن گئی ہے چند ماہ میں یہ مقام اتنا مشہور ہوا ہے کہ سندھ اور بلوچستان سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ یہ مقام ایبٹ آباد میں لساں نواب سے تھوڑا ہی دور ہے

حضرت باباجی دھنکا شریف

عرفان رضوی کی کتاب سحاب فیضاں سے ماخوذ نظم

اے دھنکا کے سلطان عظمتِ نشان — تو ہے شوکت کے افلاک پر ضو فشاں

تیری رفعت کا ثانی نہیں ہے کوئی — اے ولایت کی اقلیم کے آسماں

رہزنوں کا مجھے خوف ہو کس لئے — تو مرے کارواں کا ہے جب پاسباں

لاڈلے مصطفےٰ[ص] کے، خدا[ج] کے ولی — تو ہے گلزار الطاف کا باغباں

تو ہے مہرِ درخشانِ بزم ولا — تو ہے ماہِ مبین حسین جہاں

تیرا فیضان شہا قریہ قریہ رہے — بستی بستی پہ بادل ہے تو مہرباں

تو ہے ستار کے مہر دل کا مہر مبیں
تو ہے عرفان کی آنکھوں کی اک کہکشاں!

زیارت سلطان مُغل صاحب ۔ علاقہ تناول کی ایک مشہور زیارت ہے۔ ان کے متعلق مشہور ہے ان کو خرقہ حضرت میاں صاحب مانگل شریف سے حاصل تھا۔

زیارت تکیہ والی یہ زیارت علاقہ اگرور بمقام تراوڑہ میں واقع ہے یہاں اخوند سعد الدین کا مزار ہے۔ اخوند سعد الدین نے زبردست خان بلال المعروف صوبہ خان کی مدد سے اگرور فتح کیا تھا۔

زیارت میاں سلطان غازی شیروان ہری پور کے درمیان توئٹر تناول کنہیاں ستھانہ میں برلب راستہ واقع ہے۔ ٹھنڈے پانی کے چشمے میں بہت سے امراض کی شفاء کے لئے مشہور ہے۔

زیارت بابا جی صاحب علاقہ توئٹر تناول موضع مائی گوجری میں یہ زیارت ہے بابا جی نے موضع چندور تحصیل ہری پور سے یہاں آکر قیام کیا ہر مرض کے بیمار اُن کی زیارت پر آتے ہیں۔

حضرت بابا جی بھنگڑہ، مانسہرہ عرفان رضوی صاحب کی کتاب سحاب فیضاں سے ماخوذ نظم

بھینگڑہ والے بابا جی ۔۔۔ تو ہے خدا کا ایک وُلی
کوہ گراں کی چوٹی پر ۔۔۔ کیسی تیری دھوم مچی
مسکن جتنا اونچا ہے ۔۔۔ اس سے تیری شان اُونچی
اونچے پیڑ تجھے جھانکیں ۔۔۔ تو جھانکے نیچوں کو سُکھی
اونچے ٹھکانے کے سلطان ۔۔۔ ہر دل پہ ہے تیری شہی
تو نے دیکھا جو مسکین ۔۔۔ تیری نظر اُس پر پڑی
تجھ سے الفت سب کو ہے ۔۔۔ تیری اُلفت سب میں بسی
میں محتاج رہوں کیسے ۔۔۔ بابا جی! جب تو ہے غنی

عرفان پہ ہو چشم کرم
آندھی اس پہ غموں کی چلی

تاجدار تناول کے مزار کی عالیشان عمارت اب زمین بوس ہو چکی ہے

تاجدار تناول زبردست خان المعروف صوبہ خان کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہوا۔ ان کے شایانِ شان مزار بنایا گیا اور مزار کی عمارت پر ایک سال تک معماروں کی ایک باقاعدہ جماعت کام کرتی رہی۔ اس کے بعد یہ عالیشان عمارت عدم توجہی کا شکار رہی کسی نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا یہ عمارت بغیر دیکھ بھال، مرمت و نگہداشت اپنی عمر پوری کر کے زمین بوس ہو چکی ہے۔ دیواروں کی اینٹیں پیوند خاک ہیں البتہ کچھ بڑے ستون زمین میں دھنستے ہوئے ہیں جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں کسی وقت کوئی عمارت کھڑی تھی جواب گر چکی ہے جو اپنے عہد رفتہ کی شان و شوکت کی مظہر ہے۔

تاجدار تناول کا مزار بھوہار میں دریائے سرن کے کنارے واقع ہے۔ ہری پور سے بیٹر ۳۱ کلومیٹر کے فاصلے پر شاہراہ تناول پر واقع ایک مشہور گاؤں ہے جسے تاجدار تناول زبردست خان المعروف صوبہ خان نے آباد کیا تھا۔ بیٹر سے بوہار تقریباً ۵ کلومیٹر کا فاصلہ ہے سڑک زیر تعمیر ہے۔ لیکن ہل تک ویگنیں جاتی ہیں تھوڑا راستہ پیدل چلنا پڑتا ہے کیونکہ سڑک زیر تعمیر ہے مزار لب سڑک ایک کھلے میدان میں قبرستان کے ساتھ ملحق ہے۔ تاجدار تناول کے مزار کو اُن کے شایان شان بنانے کے لئے لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر ضروری ہو گیا ہے جو آئندہ کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرے گی

زبردست خان المعروف صوبہ خان کے مزار کی عمارت دریائے سرن اور مانگل کے سنگم پر واقع کبھی پر شکوہ عمارت تھی جس کا ذکر کرنل چارلس میسن نے اپنی کتاب "روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب" میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ کہ یہ مزار دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اس علاقے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا یہاں دو دریاؤں کا آپس میں سنگم ہے دریائے سرن اور ندی مانگل ہری تمیر شاہ کے مقام پر زبردست خان ابدی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ آج مزار کی پر شکوہ عمارت زمین بوس ہو چکی ہے اس عمارت کے بلند و بالا مینار گر کر زمین میں دھنس گئے ہیں۔ مزار کا کل رقبہ ۴۰ کنال یعنی ۵ ایکڑ پر مشتمل ہے جس کے ارد گرد چار دیواری تھی چار دیواری کی دیواریں گر بیست و نابود ہو چکی ہیں اور ان پر گنجان درختوں کی جھاڑیوں نے دور تک اپنا سایہ و سلسلہ پھیلا رکھا ہے جس سے یہ گمان جاتا رہتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی مزار تھا۔



تاجدار تناول کے مزار کا شکستہ ستون

ہزارہ میں زبردست خان المعروف صوبہ خان کا دور سنہری دور تھا جس کی مثال ہزارہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کا دور عدل و انصاف کا دور تھا ہر جگہ امن اور آشتی تھی شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے تھے وہ سخی اور رحم دل ہونے کے ساتھ انصاف پسند تھے ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ احمد شاہ ابدالی نے ان کی شجاعت و بہادری فہم و فراست سے متأثر ہو کر زبردست خان کو صوبہ دار مقرر کیا آج اُن کی اولاد صوبہ خانی کہلاتی ہے۔ زبردست خان کے دور میں رعایا خوشحال اور پر اُمن تھی اور رعیت خان موصوف پر جان نثار کرتی تھی۔ تناول میں اُن کا مزار تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ مزار کو تعمیر ہوئے دو صدیوں سے کچھ تھوڑا ہی زیادہ عرصہ بیت چکا ہے۔ روایت ہے جب تک مزار کی عمارت ٹھیک ٹھاک اور صحیح سلامت ایستادہ بہ ستون تھی تو لوگ فاتحہ خوانی کے لئے دور افتادہ علاقوں سے آتے رہتے تھے جیسے ایک میلے کا گماں ہوتا تھا۔ عمارت کی شکستہ حالی اور بربادی میں بڑا ہاتھ ناگہانی آفات کا ہے عمارت آہستہ آہستہ روبہ زوال ہوتی گئی۔ اور ایک وقت ایسا آیا یہ بالکل گر گئی۔ اور اس کا ملبہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بالکل پیوند زمین ہو گیا مشہور انگریز سیاح جان فوسٹر نے بھی اس مزار پر حاضری دی اور صوبہ خان کے بیٹے گل شیر خان سے ملاقات کی تھی۔ زبردست خان کا نام اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود لوگ بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کا سنہری دور ضرور یاد کرتے ہیں جن کے قصے اب پارینہ داستان بن چکے ہیں۔ اپنے اچھے کاموں کی وجہ سے زبردست خان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا یہاں مزار کی عمارت کے گرنے ہوئے ستونوں کی جو زمین کے اندر دھنسے ہوئے ہیں اور مزار کی ناگفتہ بہ حالت کی چند تصویری جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر حالت زار کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

تاجدار تناول زبردست خان المعروف صوبہ خان

کے مزار کی زمین بوس عمارت کی چند تصاویر۔

(۱) مزار کی عمارت کا ایک ستون جو ابھی تک گرا نہیں اس ہی ستون کا آدھا حصّہ جو خم کھا کر جھکا ہوا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی درخت کی شاخیں ستون سے بھی اونچی چلی گئی ہیں۔

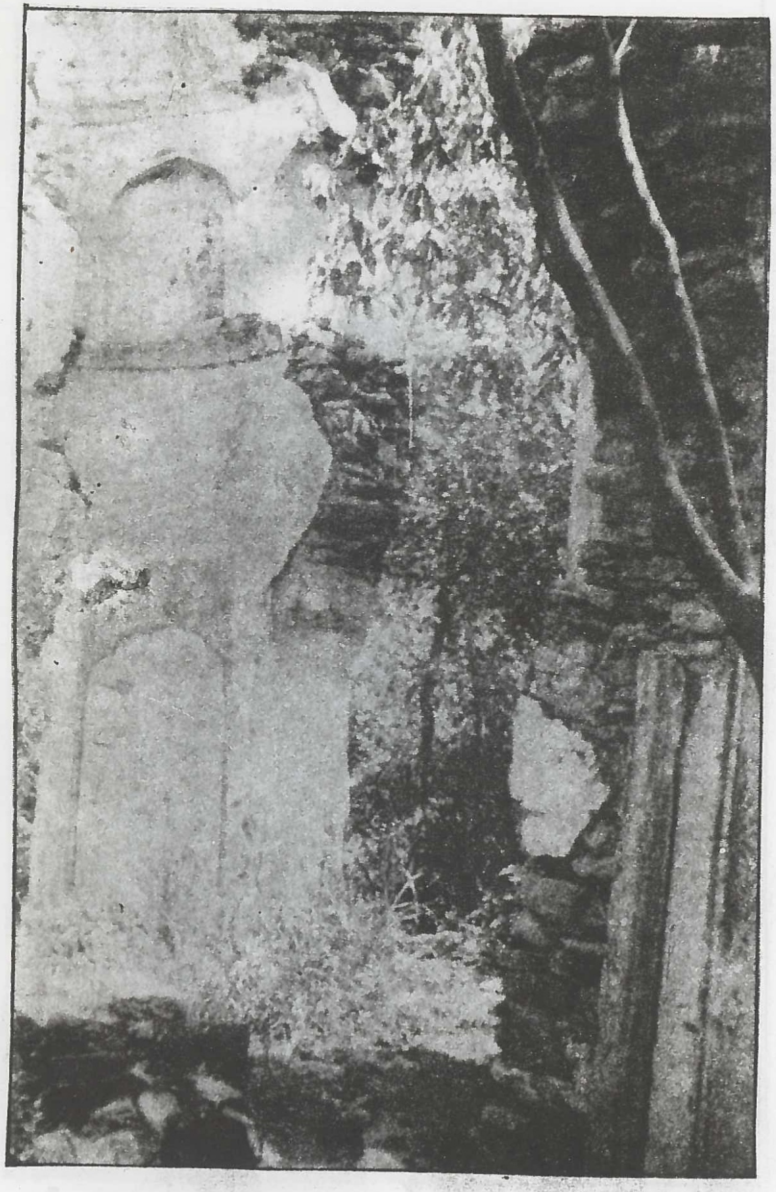
(۲) مزار میں داخل ہونے کا گیٹ جس کا چند گز حصّہ ابھی تک باقی ہے گرا نہیں دیوار کے اوپر کے حصّہ میں سوراخ نظر آرہے ہیں۔

(۳) مزار کی عمارت کے گرے ہوئے ستون کا نچلا حصّہ جو جھاڑیوں میں زمین کے اندر دھنسا ہوا ہے ستون کا اوپر کا حصّہ پوری طرح گرا نہیں ہے۔

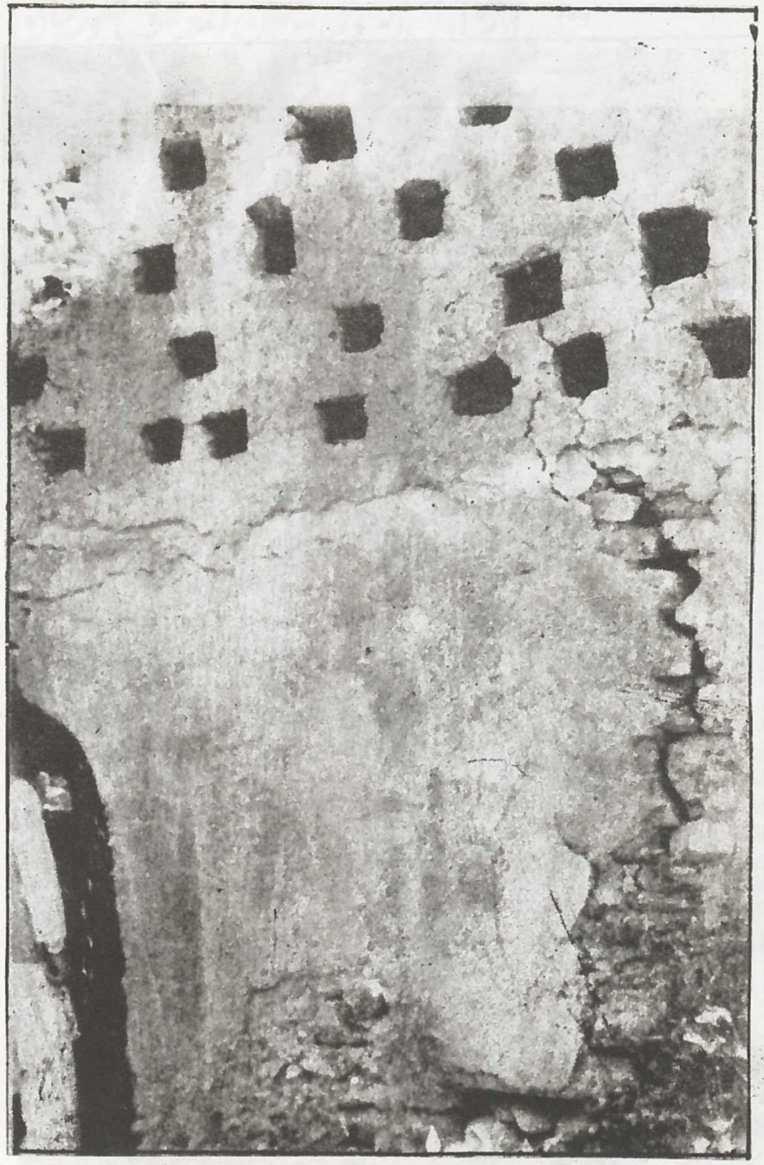
(۴) مزار کی چار دیواری جو گر چکی ہے۔ درختوں کی جھاڑیوں کی وجہ سے اس کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا۔

(۵) قبور کی اندرونی حالت جہاں انسان کا گذر محال ہے فاتحہ خوانی نہیں ہو سکتی۔

(۶) مزار کے اندر گرا ہوا ملبہ اور ستون نظر آرہے ہیں۔



تصویر نمبر ۱:۔ یہ ستون کا آدھا حصّہ جو ابھی تک گرا نہیں۔



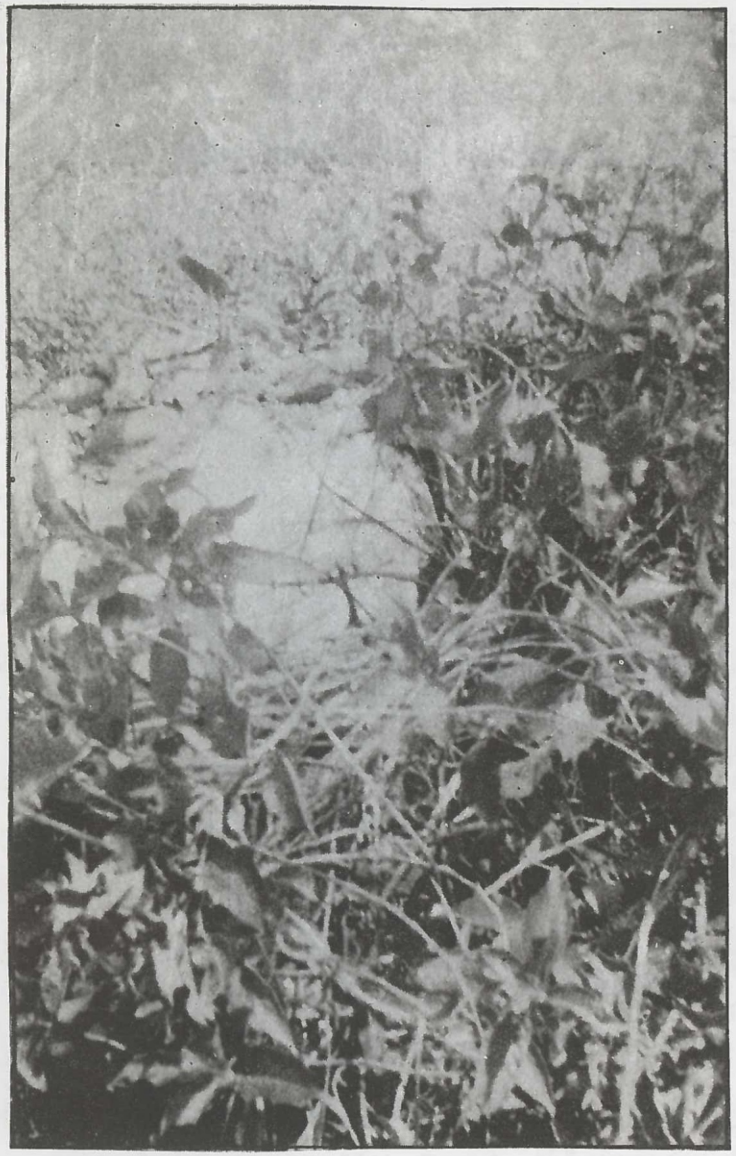
تصویر نمبر ۲ :- گیٹ کا بقیہ حصّہ اوپر کی دیوار جس میں سوراخ نظر آرہے ہیں۔



تصویر نمبر ۳ :- مزار کی عمارت کے گرے ہوئے ستون کا نچلہ حصّہ -



تصویر نمبر ۱۴ :- مزار کی چار دیواری ٹوٹ پھوٹ چکی ہے ۔



تصویر نمبر ۱۵ :- قبور کا اندرونی حصّہ ۔



تصویر نمبر ۶:- مزار کا گرا ہوا ملبہ

کرنل سر تھامس ہولڈیچ کی کتاب "دی گیٹ آف انڈیا" سے ماخوذ دو نقشے پیش ہیں ایک میں افغانستان کے تمام چھوٹے بڑے درّے دکھائے گئے ہیں یہ درّے ہندوکش کے نام سے پکارے جاتے ہیں ہندوکش پہاڑوں کا وسیع و عریض طویل سلسلہ چلا گیا ہے۔ تانال کے محل وقوع کو ایک چوکور میں دکھا گیا ہے جو اب توا کے نام سے موسوم ہے اس کے پاس ہی توری کا درہ ہے۔ نقشہ کو انلارج کر کے دکھانے سے نقشہ لمبا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کا حصہ کاٹنا پڑا ساتھ ہی نقشہ چھوٹے سائز میں دکھایا گیا ہے تاکہ پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی پیدا ہو۔

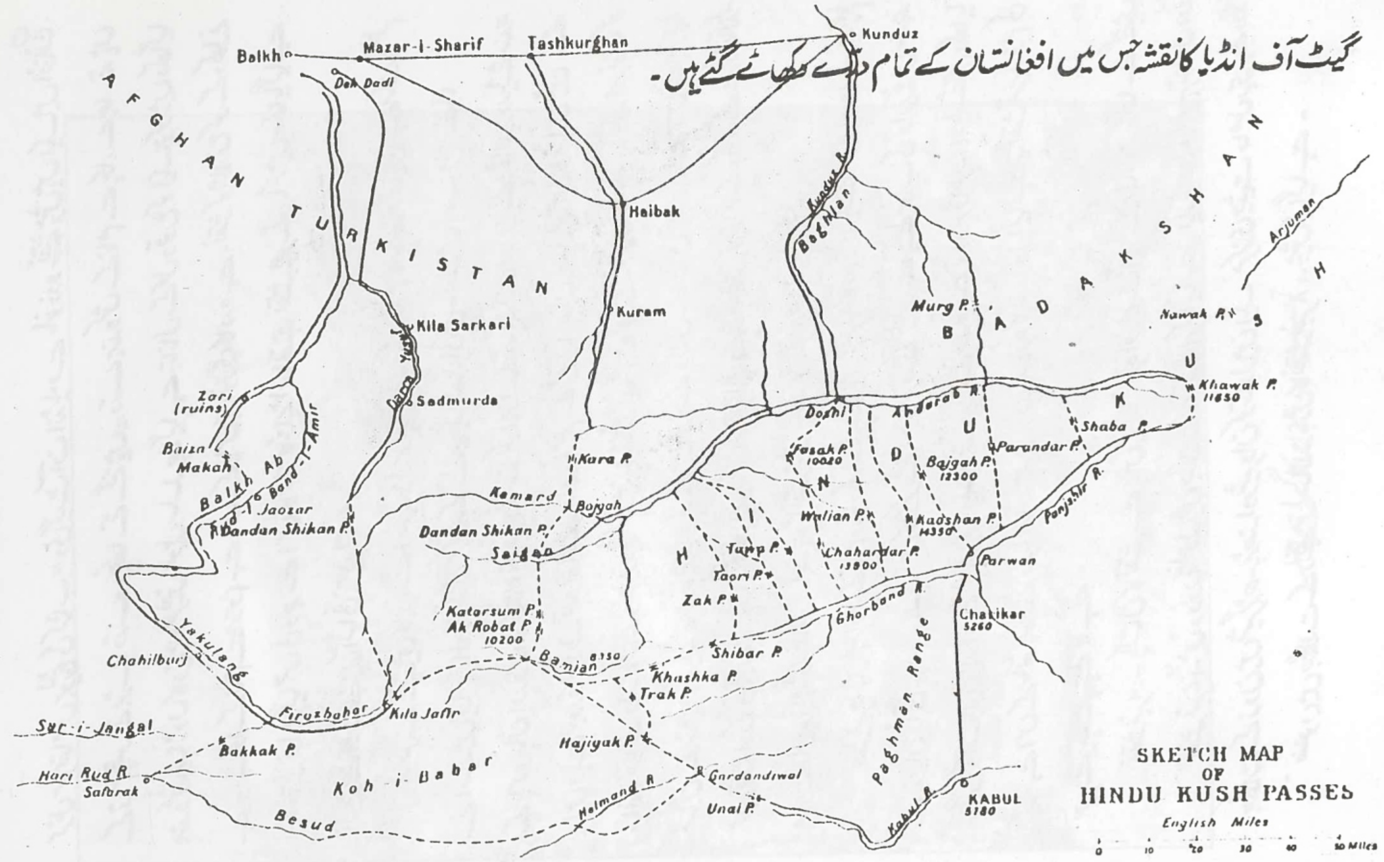
دوسرے نقشے میں کابل سے امب (امبولنیا) تک سکندر اعظم کا راستہ دکھایا گیا ہے سکندر اعظم نے امب میں قیام کیا اور عسکری مرکز کے لئے یہ جگہ پسند فرمائی تھی۔ نقشہ میں امب (امبولینا) کے پاس یہاں اورنوس (AORNOS) کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ اورنوس مہابن کے مقام پر دریائے سندھ پر اس وقت مشہور و معروف قلعہ تھا جسے سکندر اعظم نے فتح کیا۔ یہاں یورپی مورخین کا سر ارل سٹین کے ساتھ اختلاف رائے ہے بیشتر یورپی مورخین ارل سٹین کی تحقیق کو صحیح تسلیم نہیں کرتے وہ قلعہ اورنوس کو مہابن کے مقام پر دریائے سندھ پر ظاہر کرتے ہیں ان کے دلائل کے مطابق قلعہ کے لئے اس سے بہترین محل وقوع اور کوئی نہیں ہو سکتا یہ قلعہ امب سے تھوڑا ہی دور تھا۔ نقشہ کو بڑا کر کے دکھانے سے اول الذکر صورت حال پیدا ہو گئی ہے الہٰذا لساتھ چھوٹا نقشہ پیش ہے۔

نقشہ نمبر ۵ میں ہزارہ کے تمام دریا دکھائے گئے ہیں۔ ہزارہ کا علاقہ دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے درمیان واقع ہے اس لئے اس کا ذکر نئے صوبہ سرحد کی تشکیل سے پہلے پنجاب کی تواریخ میں سندھ ساگر دوآب میں ہوتا رہا ہے۔ نقشہ میں ایک طرف دریائے سندھ ہے تو دوسری طرف دریائے جہلم دکھایا گیا ہے اس کے ساتھ چھوٹے دریا کنہار۔ سرن۔ دوڑ۔ ہارو کا گذر دکھایا گیا ہے یہ نقشہ تربیلا ڈیم کی تعمیر سے بہت پہلے کا ہے۔

نقشہ نمبر ۶:- پاکستان کا نقشہ ہے جس میں مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے مقامات دکھائے گئے ہیں

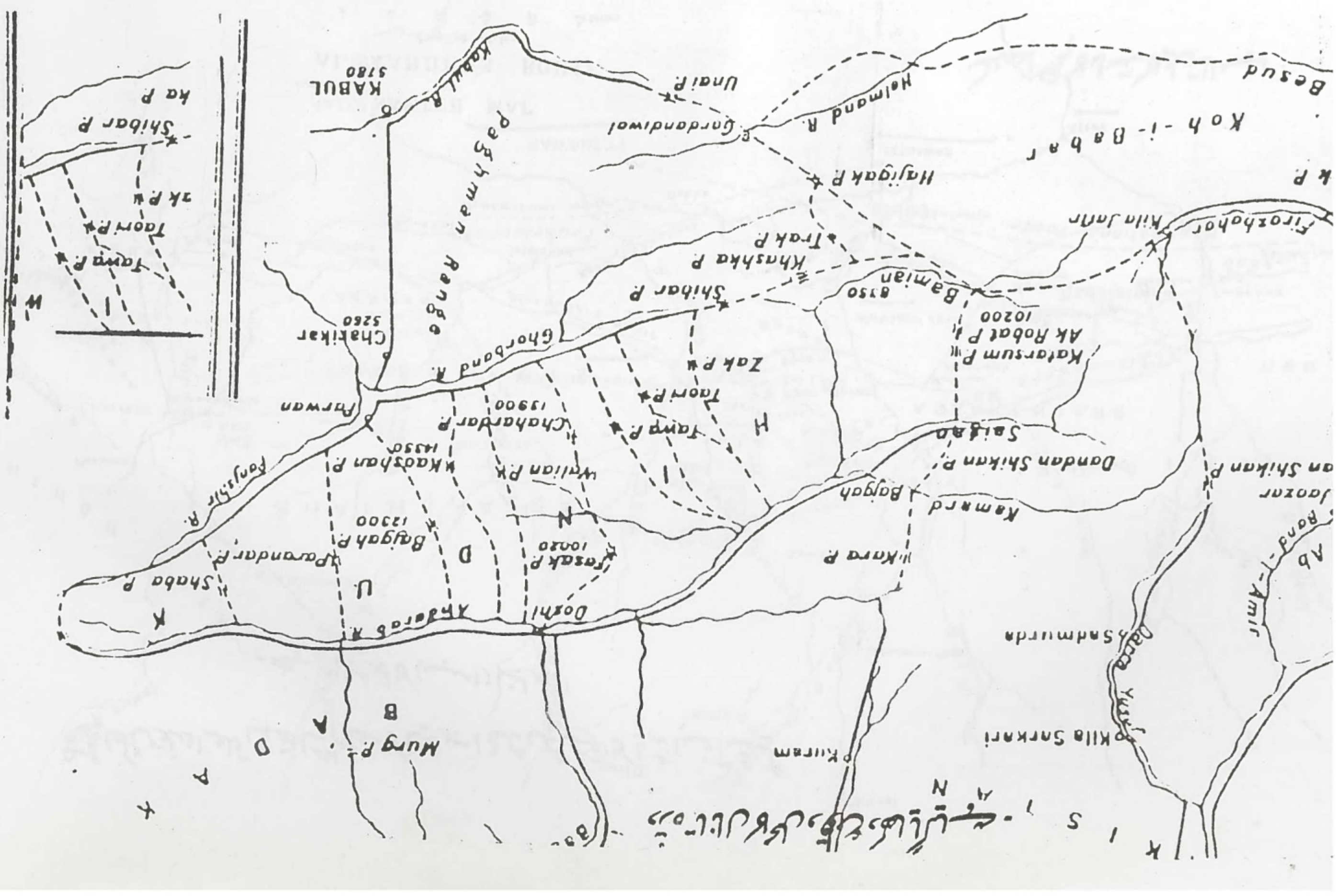
نقشہ نمبر ۷:- میں دونوں ضلعوں میں جنگلات کا رقبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ ابر تناول اور لوہر تناول دونوں جنگلات کے زون میں شیر گڑھ۔ پڑھنہ اور شیروان کو تناول میں ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے دونوں ضلعوں میں جنگلات کے رقبے میں سالانہ بارش کا نقشہ نمبر ۸ :- پیش کیا گیا ہے۔

گیٹ آف انڈیا کا نقشہ جس میں افغانستان کے تمام درّے دکھائے گئے ہیں۔



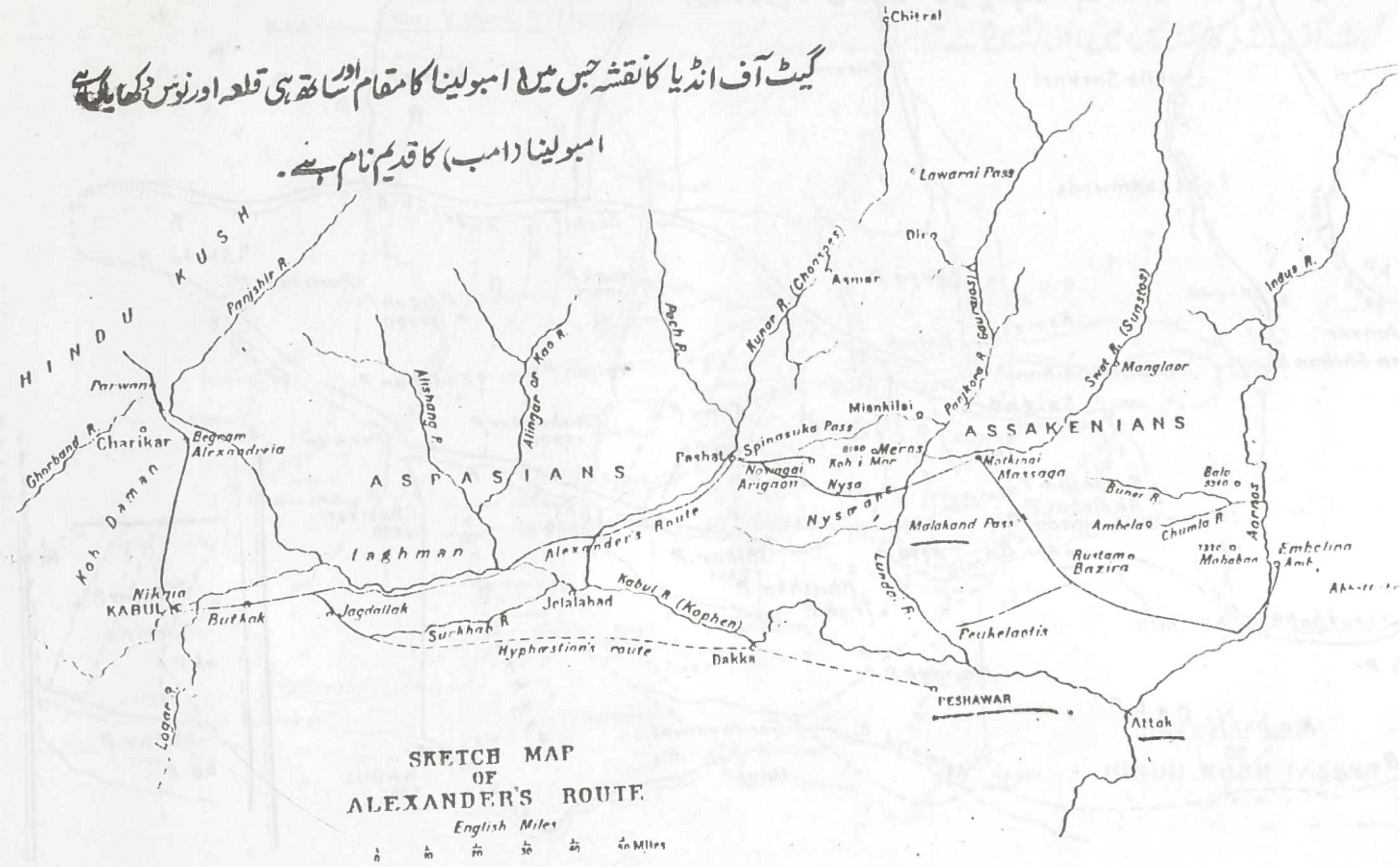
SKETCH MAP
OF
HINDU KUSH PASSES

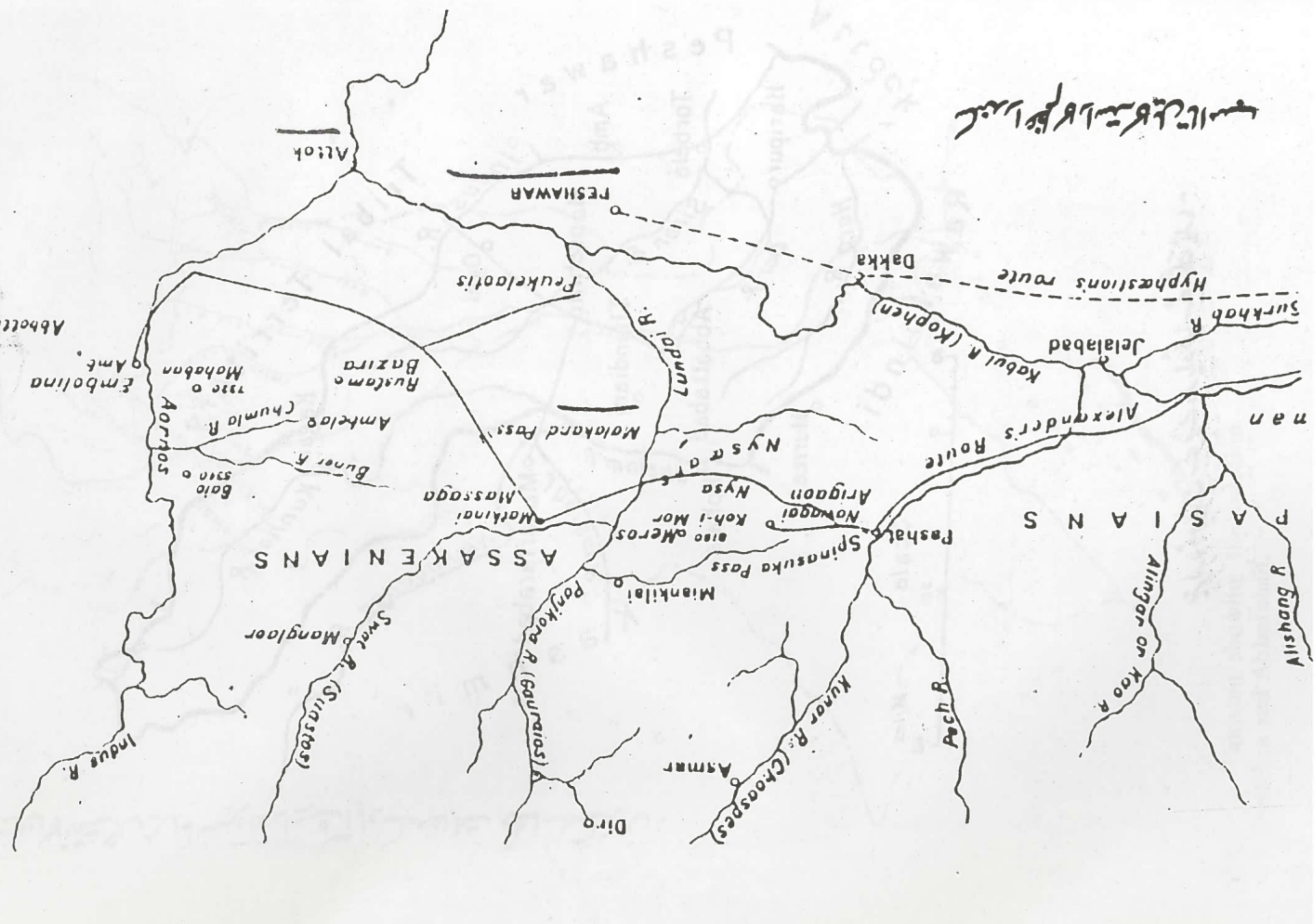
English Miles
0 10 20 30 40 50 Miles



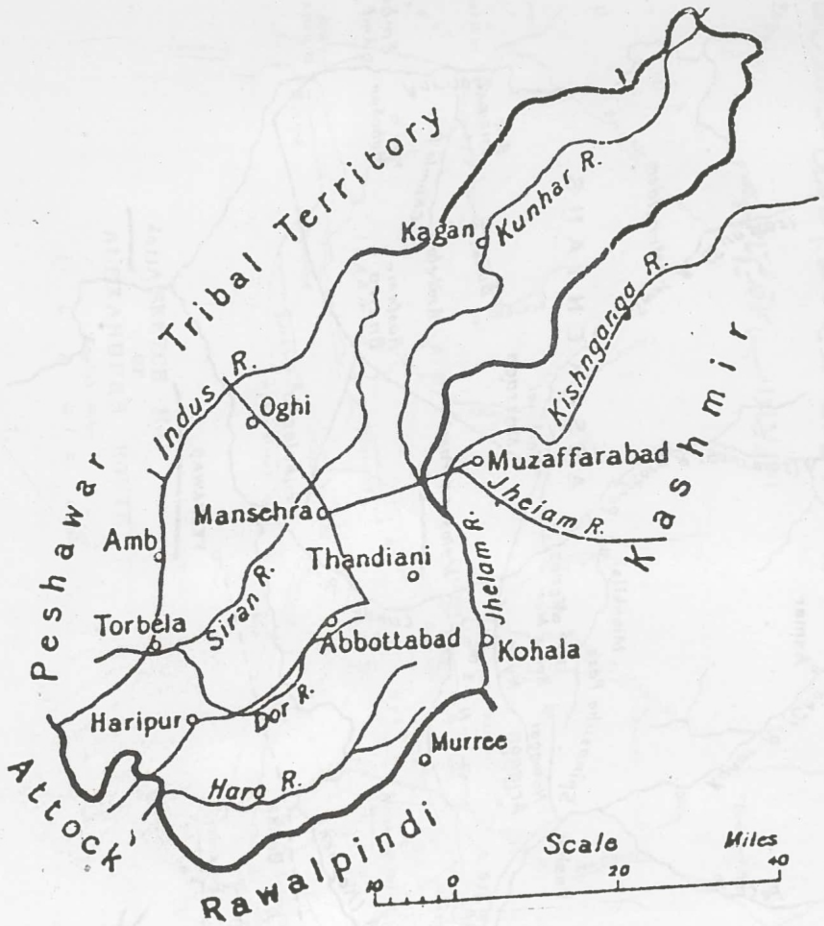
درّہ تاتال کا محل وقوع دکھایا گیا ہے۔

گیٹ آف انڈیا کا نقشہ جس میں امبولینا کا مقام اور ساتھ ہی قلعہ اورنوس دکھایا ہے
امبولینا (امب) کا قدیم نام ہے۔



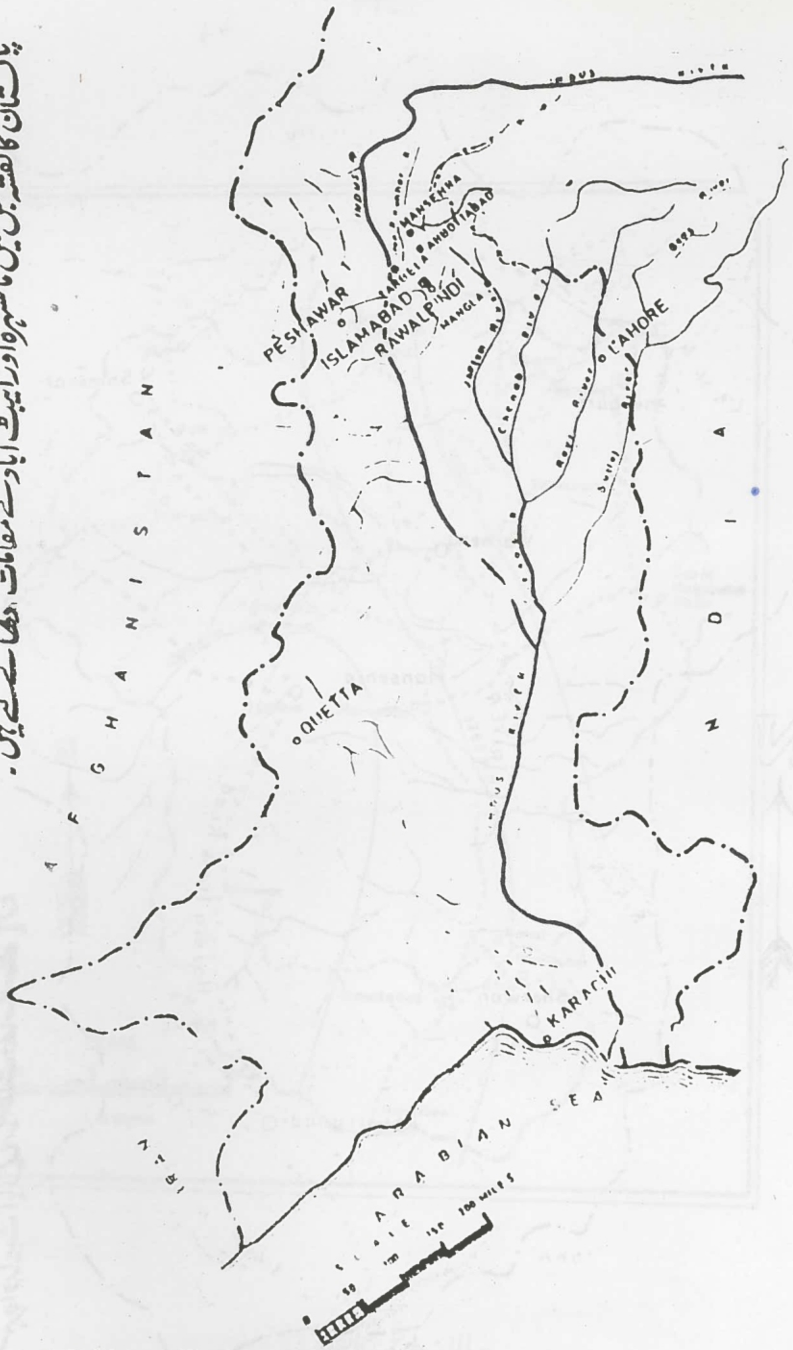


سکندر اعظم کا راستہ کابل تا اٹک

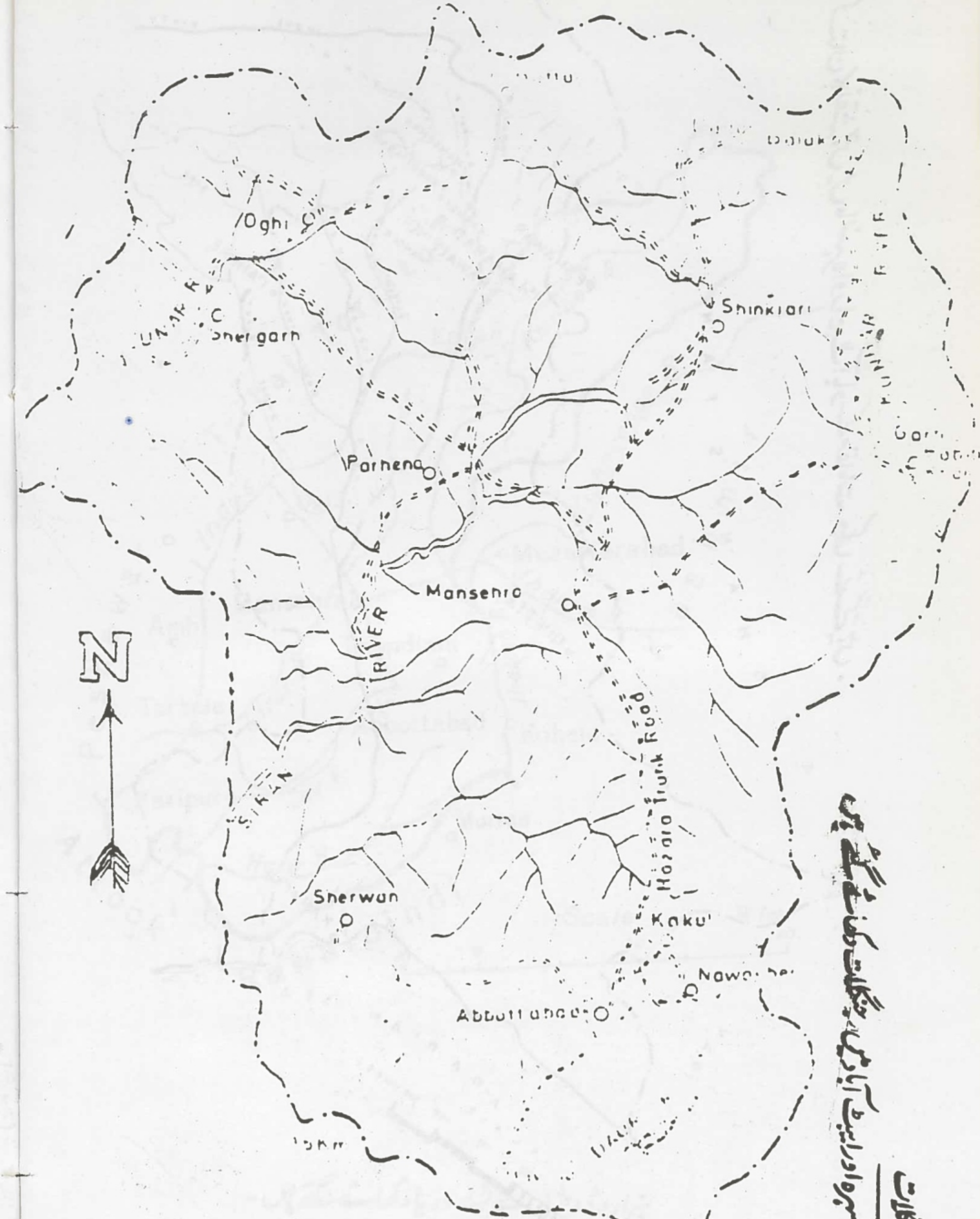


ہزارہ ڈویژن کے بڑے بڑے دریا دکھائے گئے ہیں۔

پاکستان کا نقشہ جس میں مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے مقامات دکھائے گئے ہیں۔

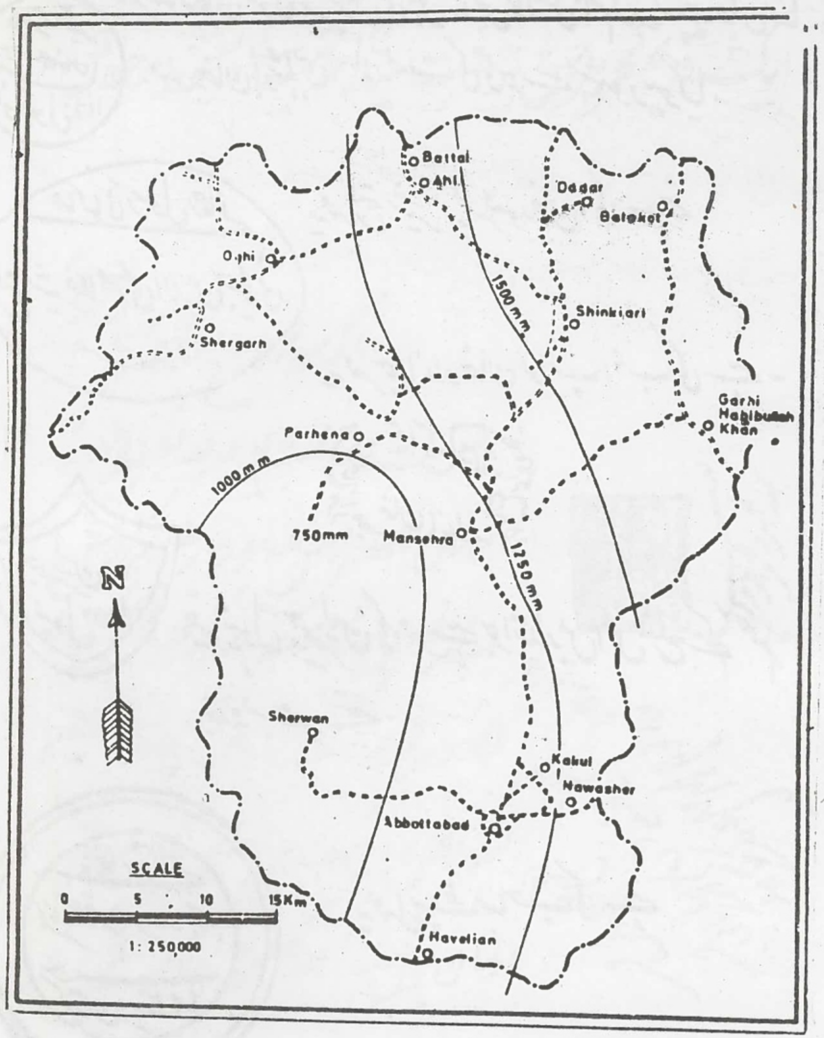


Map of Pakistan showing the location of Mansehra and Abbotabad.



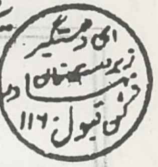
ضلع مانسہرہ اور ایبٹ آباد [illegible] گئے ہیں

[illegible]

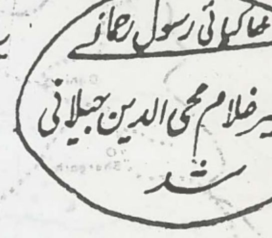


سالانہ بارش کا نقشہ۔

یہ مواہیر بعض کاغذات پر لگی ہوئی پائی گئیں۔

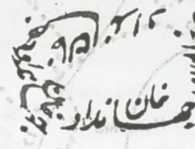


یہ مہر صوبہ خان تنولی پتہ پلال کی ہیں۔ اس کا اصلی نام زبردست خان تھا۔ صوبہ خان بادشاہی ملازمت کی وجہ سے مشہور ہوگیا۔



یہ مہر فتح شیر پسر صوبہ خان کی ہے

یہ مہر جہانداد خان نواب انب کی ہے۔





یہ نیعل چیمبرلین کی مہر ہے جو ابتدا میں اس ضلع کے مہتمم بندوبست تھے۔

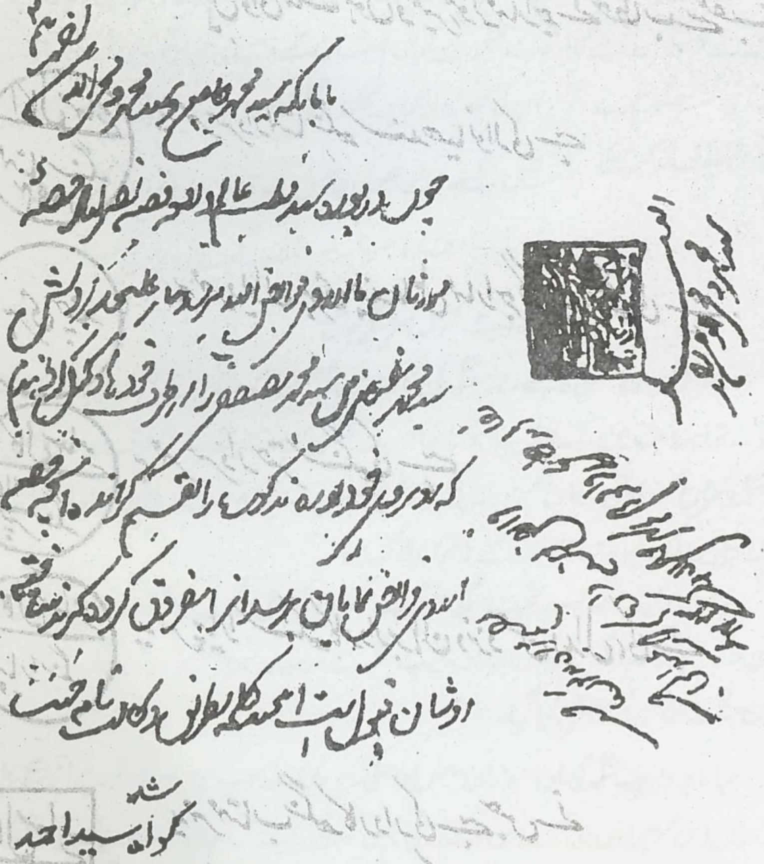


یہ مہر ایبٹ صاحب کی ہے

دستخط میجر ایبٹ۔ ہزارہ کا پہلا ڈپٹی کمشنر

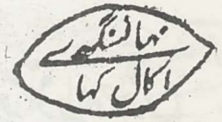
J Abbott
AK
J. ABBOT
AK

ایک قدیم تحریر جس پر حضرت سید احمد شہید کے دستخط موجود ہیں

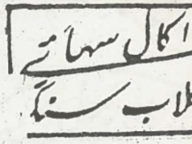




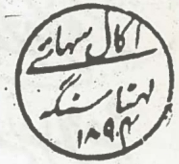
یہ ہری سنگھ نلوہ حاکم ہزارہ کی مہر ہے



یہ مہر سردار نہال سنگھ کی ہے



یہ مہر مہاراجہ گلاب سنگھ کی ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد سلطنت میں چند روز اس ضلع کا حاکم رہا اور بعد میں والی ملک جموں و کشمیر ہو کر مہاراجہ کے خطاب سے ملقب ہوا۔



یہ مہر سردار لہنا سنگھ سندھیانوالہ کی ہے



یہ مہر دیوان ہری چند عامل مہاراجہ گلاب سنگھ کی ہے۔



یہ مہر سردار چتر سنگھ کی ہے



یہ مہر پیارا سنگھ کاردار برہان (نزد حسن ابدال) کی ہے



یہ مہر مہتاب سنگھ کاردار کی ہے جس نے
میدانِ ہزارہ میں اچھا کام کیا

میجر جیمس ایبٹ کی ایک نایاب تصویر

جان نکلسن ——— اور مہاراجہ رنجیت سنگھ خاندان کی چند تصاویر

زیر نظر کتاب میں میجر جیمس ایبٹ کا ایک نہایت ہی نادر و نایاب فوٹو دیا گیا ہے جو اور کہیں دستیاب نہیں ہے یہ اُن کے عالم شباب کا فوٹو ہے۔ جب وہ داڑھی مونچھیں چٹ تھے اور بالکل منڈوا تے تھے یہ ان کی ابتدائی عسکری زندگی میں داخل ہونے کا زمانہ تھا۔ سرزمین ہزارہ پر میجر جیمس ایبٹ نے خوشگوار وقت گذارہ ہے جس کی یادیں ہمیشہ ان کے ذہن پر چھائی رہیں۔ وہ ہزارہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔ گو ان کی تبدیلی ایشیا پور کلکتہ ہوگئی لیکن وہ اپنے ذہن سے سرزمین ہزارہ کی یادیں ماؤف نہ کر سکے

میں کیسے اسے بھول جاؤں دیو قامت چناروں کی سرزمین
میری یادوں کا سرمایہ سر بفلک کہساروں کی سرزمین

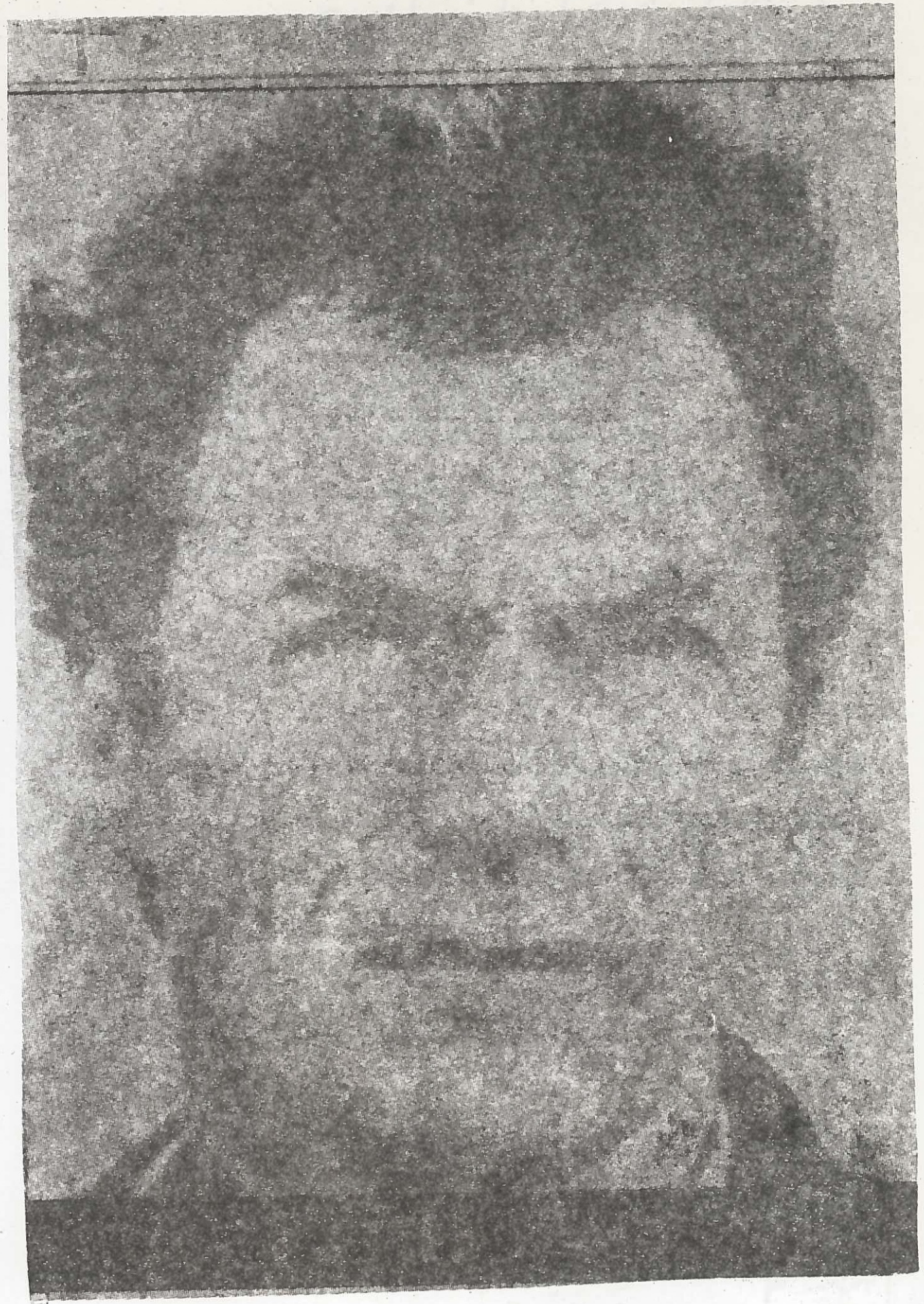
جے ایبٹ ترجمہ امر سنگھ جانی

دوسرا فوٹو جان نکلسن کا ہے۔ چتر سنگھ کی بغاوت میں ڈھمتوڑ کے مقام پر میجر جیمس ایبٹ کے ساتھ شریک تھا ہندؤوں میں ایک فرقہ پیدا ہوگیا تھا جو جان نکلسن کا پرستار تھا۔ اس فرقہ نے جان نکلسن کی پرستش شروع کر دی تھی۔ جان نکلسن راولپنڈی کا ڈپٹی کمشنر رہا ۱۸۵۷ء کے اعلان آزادی میں کشمیری گیٹ دہلی میں ایک مجاہدین کالا خان کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ پسر رنجیت سنگھ کا فوٹو ہے سکھوں کی پہلی جنگ کی شکست کے بعد جو معاہدہ تاوانِ جنگ کا ہوا وہ انگریزوں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے درمیان ہوا اس میں ڈیڑھ کروڑ روپے تاوان جنگ ادا کرنے کا اقرار کیا گیا۔

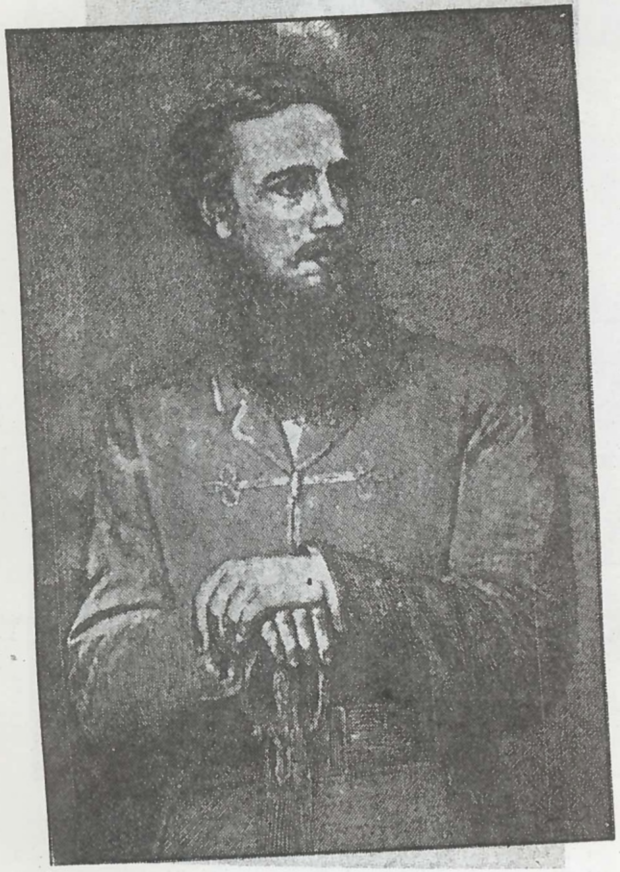
مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ماں "جنداں" جس کا اصلی نام دلوی تھا جب بیع نامہ امرتسر ہوا تو سب سے زیادہ دکھ و ملال اس کو ہوا دو دن تک اس نے روٹی نہیں کھائی۔ رنجیت سنگھ کی اس کے ساتھ باقاعدہ شادی نہیں ہوئی بلکہ بعد میں محل میں داخل ہوئی

موراں سرکار۔ رنجیت سنگھ کا تعلق سب سے پہلے اس عورت سے ہوا یہ رنجیت سنگھ کی منظور نظر تھی



میجر جیمس ایبٹ کا ایک نایاب فوٹو

مہارانی مہتاب کور۔ یہ رنجیت سنگھ کی باقاعدہ خاندانی عورت تھی جس سے اس کی شادی ہوئی یہ عورت نہایت اعلیٰ ذوق کی مالک تھی رنجیت سنگھ کی ساس سدا کور مسائل حل کرنے کی ماہر تھی جب ہزارہ میں سکھوں کے قدم اکھڑتے نظر آتے تو خود وہاں پہنچ گئی اور سب کو رام کر آئی۔



ہندو فرقہ نکل سینوں کا پرستار جان نکلسن جس کی ہندو پرستش کرتے تھے ۱۸۵۷ء میں کشمیری گیٹ دہلی میں ایک مجاہد کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔



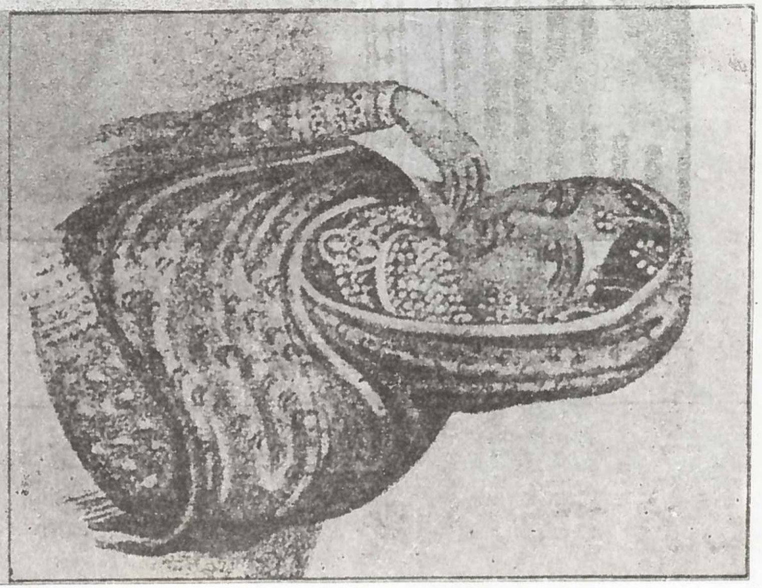
مہاراجہ دلیپ سنگھ ۱۸۳۷ء - ۱۸۹۲ء



مہارانی مہتاب کور



مہارانی جنداں کور



مہارانی جنداں کور (۱۸۱۷ء - ۱۸۶۳ء)



عید مبارک

بخدمت فیض درجات عالیشان جناب نواب محمد فرید خان صاحب بہادر خلد اللہ تعالیٰ

والئی ریاست امب

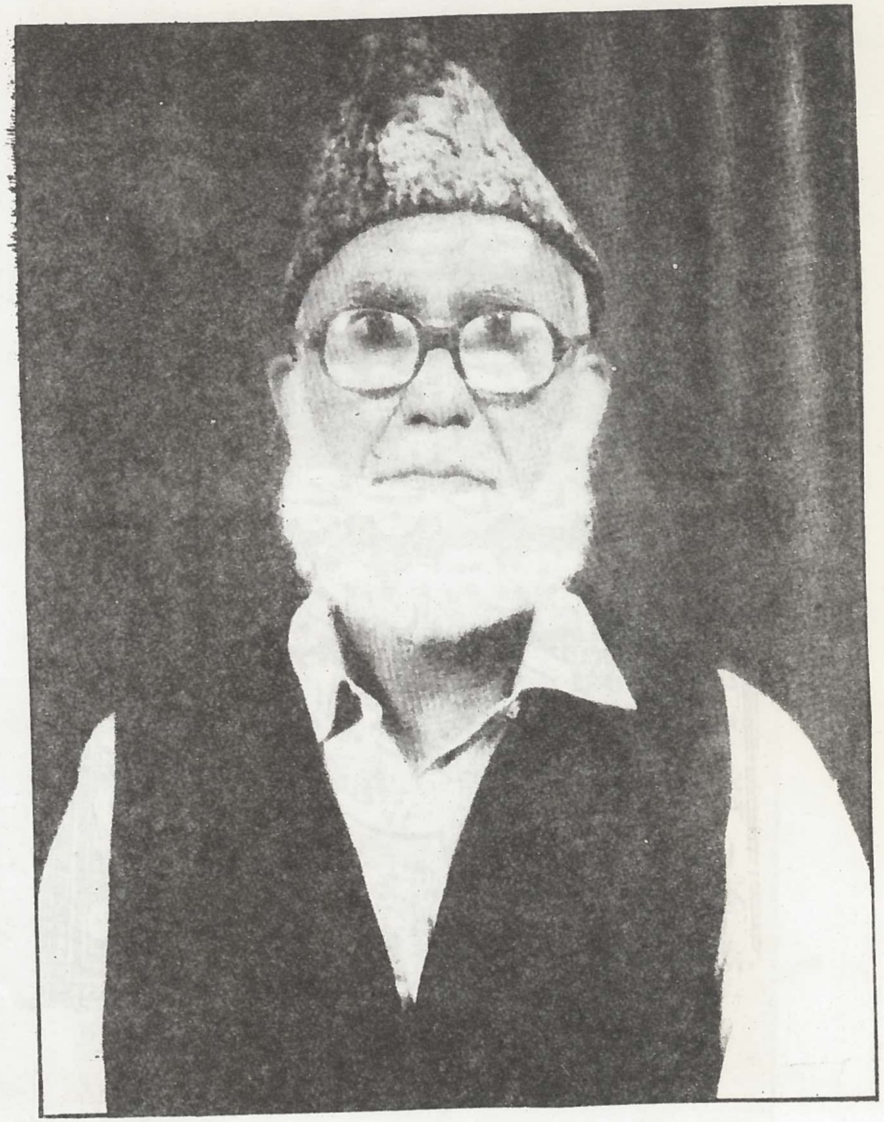
عید کا دن ہے سب اہل زمن شاد رہیں

ہم بھی اس بزم میں ہر وقت ذرا یاد رہیں

عید یہ آپ کو ایسی ہو مبارک صاحب

عمر بھر شاد رہیں خوش رہیں آباد رہیں

ڈاکٹر نذیر احمد لاہور کا ہدیہ عید مبارک والئی امب نوابزادہ محمد فرید خان کی خدمت میں



محمد عرفان رضوی (مضمون صفحہ ۳۱۰ پر)



خانیبزمان خان پانامہ سٹی امریکہ (مضمون ۲۹۴ پر)



محمد معروف خان آف کوٹھیالہ جنہوں نے مؤلف کے ساتھ پورے تناول کا دورہ کیا در حقیقت زیر نظر کتاب اُن کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

اخوند صاحب بہکڑی والے کا کتب خانہ

جو کوڑیوں کے بھاؤ کباڑیوں نے خریدا

اس کتب خانہ کی بعض کتب پورے برصغیر میں نہیں تھیں

ایک نادر و نایاب نسخہ جو ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا وہ اس کتب خانہ سے لاہور کے ایک کباڑی نے ردّی میں خریدا تھا جسے ایک جرمن سیاح نے پانچ سو روپے میں خریدا اور اس نادر و نایاب نسخے کو دیگر نوادرات کے ساتھ جرمنی لے گیا۔ زیادہ تر اس کتب خانہ کی کتابیں ایران کی زیر سرپرستی میں چلنے والے مرکز تحقیقات فارسی نے خریدی ہیں اور یہ کتب ان کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ یہ کتب خانہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ تین صد نادر و نایاب نسخے جو برصغیر میں ناپید تھے اس کتب خانہ میں موجود تھے۔ حکیم خواجہ عبدالرحیم مرحوم خواجہ بلڈنگ ایبٹ آباد والے جو ۱۹۷۱ء میں خواجہ بلڈنگ سے اپنا حصہ فروخت کر کے مستقل راولپنڈی آباد ہو گئے تھے چند سال پہلے اُن کا ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا ہے۔ میری اُن سے مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی مجھے انہوں نے بتایا اخوند صاحب کا پورا نام تو معلوم نہیں ہو سکا صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اُن کا تعلق ہزارہ دھمتوڑ سے تھا۔ آپ نے چکوال سے تین چار میل کے فاصلے پر بہکڑی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا آپ بہت بلند پایہ عالم تھے علوم شرعیہ کے ماہر تھے۔ آپ نے ساری عمر تصنیف و تالیف اور مطالعے میں گزار دی۔ آپ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک تو یہ کتب خانہ قائم رہا لیکن اس کے بعد ابتری کا شکار ہو گیا کباڑیوں کے ذریعے جو کتابیں لوگوں تک پہنچیں ان میں زیادہ تر تواریخ اور مذہب کی کتب ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ کسی طرح مجھے ان کا نام معلوم ہو جائے لیکن میں اس کوشش میں ناکام رہا اگر ان کا تعلق دھمتوڑ سے ہے تو ہو سکتا ہے وہ خوشحال خان کے خاندان سے ہوں اس خاندان میں مولانا پت آدرشی ہو گزرے ہیں۔ جو شہرت سے دور بھاگتے تھے۔ شہرت سے

آستاد ور بھاگنے کے باوجود شاہ قتیل دہلوی نے اُن کا تذکرہ اپنی فارسی کی کتاب تذکرہ اولیائے ہند میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ در ہند دو قلندر گذشتہ اند یک شاہ چراغ دہلوی دو دیگر سے، پت آدرشی کہ عالم بے عدیل مدفونُ در قریہ دھتور مرقدس مرجع خلائق. ترجمہ ہندوستان میں دو قلندر ہو گزرے ہیں ایک شاہ چراغ دہلوی اور دوسرے مولوی پت آدرشی جو قبضہ دھتوڑ میں دفن ہیں ۔ یہاں دھتور کے لئے فارسی کا لفظ دُمتور استعمال ہوا ہے دھتوڑ کا پرانا قدیم نام دھنتور ہے دھتوڑ کے مقام پر ۱۹ شوال ۹۹۷ھ بمطابق ۳۱ اگست ۱۵۸۹ کو حکیم عبدالفتح گیلانی نے داعی اجل لبیک کہا۔ اکبر بادشاہ کو اُن کی موت سے بہت رنج و ملال ہوا ابو الفتح گیلانی کو حسن ابدال میں دفنایا گیا جس دن سے اکبر بادشاہ کے نورتن اور معالج خاص کی اس مقام پر موت واقع ہوئی عوام میں یہ جگہ دم توڑ کے نام سے موسوم چلی آرہی ہے اسی مقام پر جواب تکیہ کہلاتا ہے۔ ملکہ نورجہاں نے چنار کے درخت اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے۔ یہ جگہ نورجہاں کے چنار کے نام سے مشہور ہوئی۔ بہرکیف مقصد انوند صاحب بہیکڑی والے کتب خانے کا زیر کتاب میں اس لئے بیان کیا گیا ہے ان کے کتب خانے کی بہت سی کتب جو پوٹھوہار اور ہزارہ سے تعلق رکھتی تھیں کباڑیوں کے ذریعے بک کر نیست و نابود ہوئیں۔ ان سے ہم استفادہ نہ کر سکے. صرف چند کتب دیکھنے کا اتفاق ہوا جو بوسیدہ حال تھیں اور خواجہ امیرالدین اور خواجہ یعقوب پکھل وال کی تحریر کردہ ہیں ان کتابوں میں پکھلی ہزارہ اور تناول کے حالات پر بڑے اچھے طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہے لیکن ان تمام کتب کے دو تہائی صفحات غائب ہیں۔ لوک ورثہ کی کتاب " دھن ملوگی" جو انور بیگ اعوان کی تصنیف و تالیف ہے دھن ملو کی علاقے کا نام ہے دھن سے مراد دھنی یعنی چکوال کا علاقہ ہے. کتاب لوک ورثہ اسلام آباد نے شائع کی ہے کتاب کے صفحہ ۲۶۱ میں مزارت بہیکڑی کا ذکر موجود ہے. لیکن انور بیگ اعوان نے بھی ان کا نام نہیں لکھا صرف اتنا لکھا ہے کہ انوند صاحب کا تعلق دھتوڑ یا پکھلی ہزارہ سے تھا۔ یہ دونوں مختلف جگہ میں ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے بہت دور ہے میں حکیم خواجہ عبدالرحیم صاحب مرحوم کی بتائی ہوئی روائیت کو بالکل درست اور صحیح تسلیم کرتا ہوں کہ انوند صاحب کا تعلق دھتوڑ سے تھا۔ لیکن ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

شجرہ نسب انور خان بن سلطان برہان الدین

قطب الدین ـــــ عبدالرسول

سلطان برہان الدین

انور خان منوّر خان بہادر خان بھیکا خان

بھنگار خان

بھینک خان

لکھن خان

سلطان چند خان لال خان دریا خان تومان خان مدو خان

سلطان برائس خان یا بالا خان

سلطان امیر خان (بیرویو) ـــــ جمشید خان

پال خان ہند خان گل خان ارکن خان ٹھکر خان بھوزح خان

یہاں سے پال خان اور ہند خان دونوں کے شجرہ نسب اولاد کی ابتدا ہوتی ہے جو آگے چل کر پال سے پلال اور ہند سے ہندوال کہلاتی ہے تنولیوں کی یہ دو بڑی شاخیں ہیں جن سے آجکل آبادی کے اضافے کے ساتھ بتدریج دیگر کئی شاخیں پیدا ہو چکی ہیں جن کا بیان گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے

شجرہ اولاد پال خان شاخ پلال

پال خان

دفرخان ۔ بینکرخان ۔ موتی خان ۔ جوکھا خان ۔ بدھی خان ۔ بہش خان ۔ سدا خان ۔ جودہ خان ۔ باس خان ۔ ہولی خان ۔ بساہن خان

الیاس خان ۔ شیخ پوجو ۔ بودلہ خان ۔ زین خان

زرین خان ۔ سسرگو خان

لابی خان ۔ خان فروش ۔ مرزا خان ۔ مرید خان

ممارا خان ۔ سید خان ۔ بھیس خان ۔ میر خان

قبول خان ۔ سلام خان ۔ اگر خان

بہادر خان ۔ صاحب خان ۔ میر خان ۔ دیندار خان ۔ نامدار خان

زبردست خان[1] المعروف صوبہ خان ۔ ہمت خان[2] ۔ مغل خان[3] ۔ حاکم خان[4] ۔ مرزا خان[5] ۔ فتح خان[6]

اصالت خان[7] ۔ محمد یار خان[8] ۔ شاہنواز خان[9] ۔ ذوالفقار خان[10] ۔ زوم داد خان[11] ۔ حافظ ضابطہ[12]

گل شیر خان[1] ۔ فتیح شیر خان[2] ۔ سرفراز خان[3] ۔ محمود خان[4] ۔ اشرف خان[5] ۔ محمد خان[6] ۔ احمد خان[7] ۔ ناصر خان[8] ۔ بلند خان[9] ۔ سمندر خان[10] ۔ رحمت خان[11] ۔ رحم خان[12]

احمد علی خان

شیر محمد خان ۔ محمد خان

عبداللہ خان ۔ عطا محمد خان

خان بہادر سلطان محمد خان والئی بٹر

محمد فرید خان ۔ عزیز خان ۔ خواجہ محمد خان ۔ محمد یوسف خان ۔ محمد سرور خان ۔ محمد یونس خان ۔ محمد ارشاد خان

شجرہ اولاد ہند خان شاخ ہندوال

ہند خان

ہاسو خان خان ۔ زمان خان ۔ جلو خان ۔ بھوترہ خان

جموں خان ۔ پیرو خان ۔ رحم خان ۔ سحری خان

گجی خان ۔ عید خان ۔ لدھی خان ۔ قاسم خان ۔ بلو خان

متی خان ۔ کھلہر خان ۔ سنرک خان ۔ دریا خان ۔ درویزہ خان ۔ چارٹا خان

نطو خان ۔ اسمٰعیل خان ۔ لشکر خان ۔ فروشا خان ۔ جانو خان

گوجر خان ۔ سوہال خان ۔ رحمت خان ۔ خیرو خان ۔ میرو خان ۔ رسول خان

غیرت خان

گل محمد خان ۔ جلال خان ۔ فتح خان ۔ صالح خان ۔ زین خان

ہیبت خان ۔ بہرام خان ۔ مست خان

نواب خان ۔ ہاشم خان ۔ علی خان ۔ ناصر علی خان ۔ نادر علی خان ۔ نجم خان ۔ نصر اللہ خان ۔ قاسم خان

پائندہ خان ۔ مدد خان ۔ امیر خان ۔ آزاد خان ۔ اکبر علی خان ۔ متوتی خان ۔ مظفر علی خان

جہان داد خان ۔ شاہ پسند خان ۔ ارسلا خان ۔ فتح خان ۔ بہادر خان

محمد اکرم خان ۔ صفدر علی خان

نواب خان زمان خان ۔ لطیف خان ۔ میر افضل خان ۔ سلطان محمد خان ۔ غلام حیدر خان ۔ عمر خان ۔ اکبر خان

نواب محمد فرید خان اورنگ زیب خان

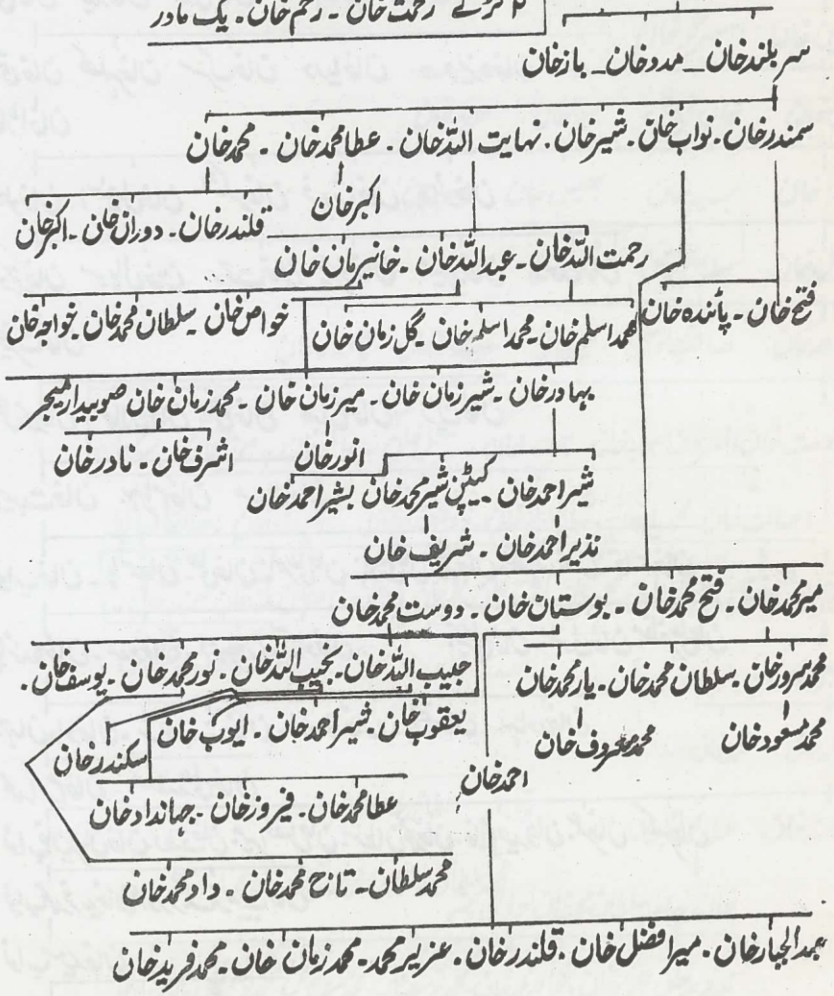
نواب سعید خان

صلاح الدین سعید ، جہانگیر سعد

زبردست خان المعروف صوبہ خان

۵ لڑکے ۔ گل شیر خان ۔ فتح شیر خان ۔ سرفراز خان ۔ محمود خان ۔ اشرف خان یک مادر
۲ لڑکے ۔ محمد خان ۔ احمد خان ۔ یک مادر
۳ لڑکے ۔ ناصر خان ۔ بلند خان ۔ سمندر خان ۔ یک مادر
۲ لڑکے رحمت خان ۔ رحم خان ۔ یک مادر

سرفراز خان

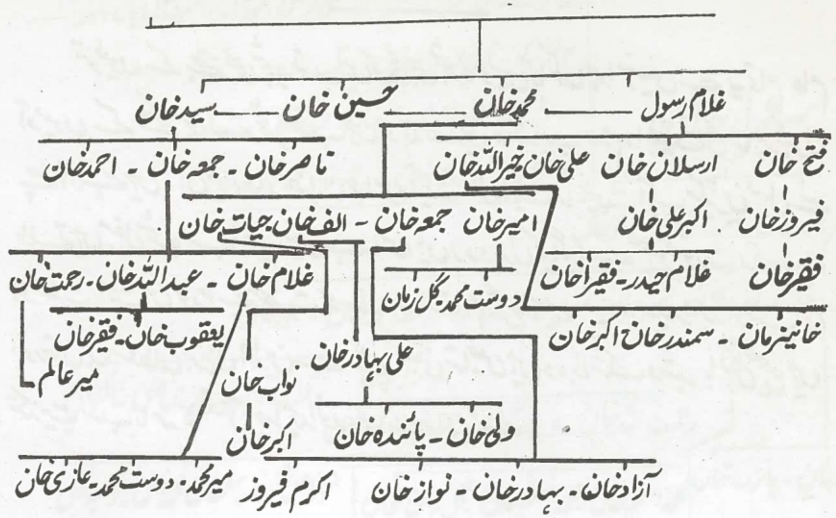


انساب

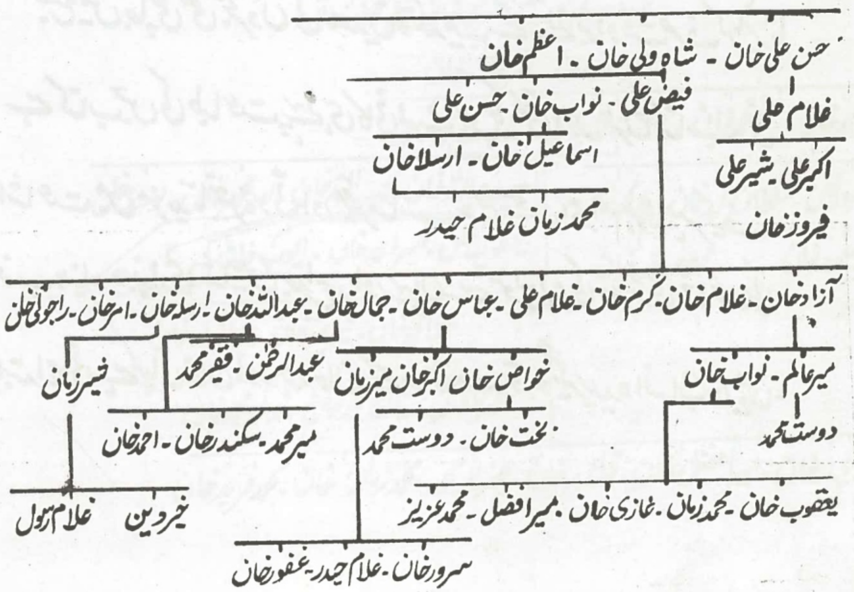
تنولیوں کے جتنے بھی شجرہ نسب ہیں کوئی بھی شجرہ نویس کا لکھا ہوا نہیں ہے یہ تمام عام آدمیوں کے لکھے ہوئے شجرہ نسب ہیں جو بلا تصدیق و تکذیب عدم واقفیت کی بنا پر قبول چلے آرہے ہیں ۔ ان میں چار حضرات عباس ایک مغل ایک راجپوت ایک بیکڑین نسل سے ملاتے ہیں مغل شجرہ نسب صحیح نہیں ہے اس میں ردوبدل کیا گیا ہے صحیح صورت ردّ ہے جو حضرت یافت بن نوح ہے حضرت یوسف علیہ السلام صحیح نہیں ہے ۔ جدامجد تنولیاں انور خان بن سلطان برہان الدین سے نیچے جتنی شاخیں ہیں وہ بلاشک وشبہ بالکل صحیح ہیں تکذیب نسب نامہ کا تعلق جدامجد انور خان سے اوپر ہے ۔

خاندانی شجرے اتنی دیر سے دستیاب ہوئے ہیں کہ کتاب طباعت کیلئے مطبع میں جا چکی تھی شجروں کی تصدیق و تکذیب کے لئے بڑا وقت صرف کرنا پڑتا ہے کتاب جس کی طباعت پہلے ہی کافی لیٹ ہو چکی تھی اس طرح کتاب کی اشاعت میں مزید تاخیر ہوتی اور غیر مناسب و غیر مستحسن اقدام ہوتا بہرکیف نسب بنیاد و بنیادی شاخیں جدامجد اور یہاں سے تنولیوں کی دو بڑی شاخوں کی ابتدا ہوتی ہے پال خان اور ہند خان کے ساتھ مصدقہ دیگر چیدہ انساب درج ہیں۔

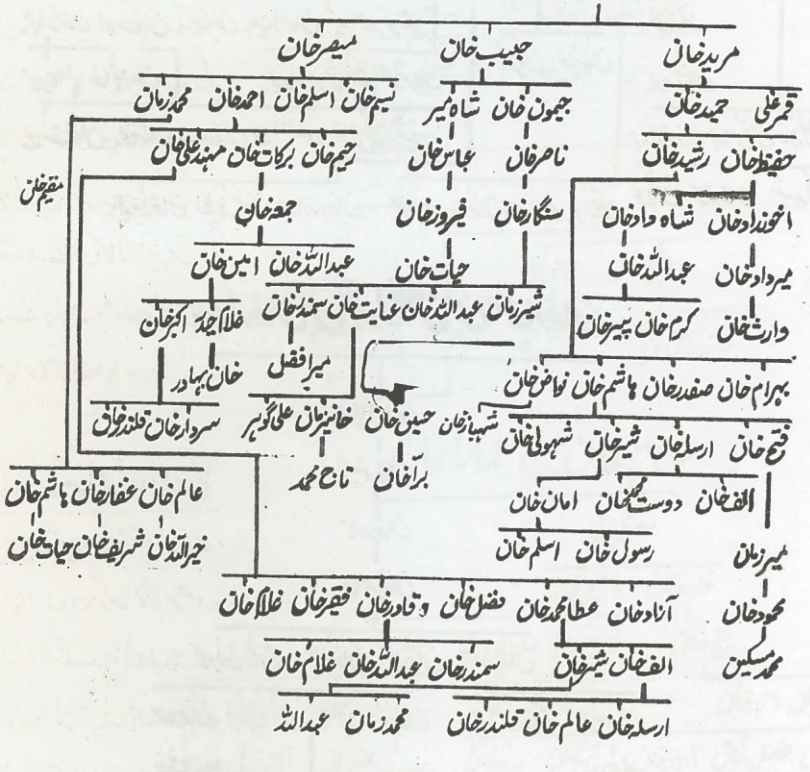
اشرف بن زبردست خان المعروف صوبہ خان



فتح شیر خان بن زبردست خان المعروف صوبہ خان



امیر خان بن قبول خان بن معمار اخان



صاحب خان بن قبول خان بن معمار خان

عبدالرسول غلام محمد مٹھا خان عزیز خان مہابت خان

اکبر خان محبوب خان حسین خان حافظ شمشیر خان

مرید خان امان خان نصراللہ خان جمعہ خان

امان اللہ خان

احمد خان سعادت خان کفایت خان

اکرم خان غلام خان عبداللہ خان

امیر خان فقیر خان آزا خان احمد خان شہباز خان جمال خان

جبار خان ارسلہ خان امیر خان پیندا خان شیر احمد نور محمد

عبدالرحمٰن

گلزمان خانیزمان

میر عالم خانیزمان عبدالجبار شیر احمد محمد شریف

یوسف خان

یوسف خان بوستان بہادر خان عبدالغفور غلام حیدر شیر زمان

عبداللہ خان عباس خان قلندر خان

فیروز خان لطیف خان جہانداد خان علی گوہر پیندا خان دوست محمد نواب خان

محمد خان رستم خان شیردل

دیدار خان بن قبول خان بن معمار خان

جلال خان

رستم خان

نادر خان

جامر خان

میر ولی خان علی خان محمد خان جعفر خان

جمعہ خان اکبر علی الیب خان شیر خان عباس خان فیض علی

فضل خان حسن خان تاج محمد

لطیف پسیر محمد

قلندر خان دوست محمد کرم خان

دین خان بن دفر خان بن پال خان

حبیب خان یاسین خان

یٰسین خان تمان سنگار گرگو خان

جوگی خان پٹھان مغل بیر بینس

میر بنس محبت خان کرڑھین کیٹن کل خان

خنجر خان

مستا خان سلام صاحب خان لعل خان

اکبر انور

ہاشم خان فیض علی

سمجہ خان نعمت خان

قلندر علی گوہر سمندر شیر گل

فقیر خان شیر علی

جیمو خان

سلام خان بن معمارا خان

معظم خان

قادر خان ماہنجی خان

فتح خان قمروی خان سلطان خان افضل خان

جانم خان احمد خان محمد خان قاسم خان ناصر خان رستم خان متولی خان ہاشم علی

فیروز خان فضل خان آزاد خان شیر خان مدد خان فیض علی آزاد خان راجولی

الف خان خانیزمان امیراللہ غلام خان حسن علی ارسلہ

میر عالم میر افضل علی عمر سمندر خان دوست محمد

علی بہادر غلام حیدر قلندر خان علی گوہر محمد سرور

فقیر خان عبداللطیف سکندر خان

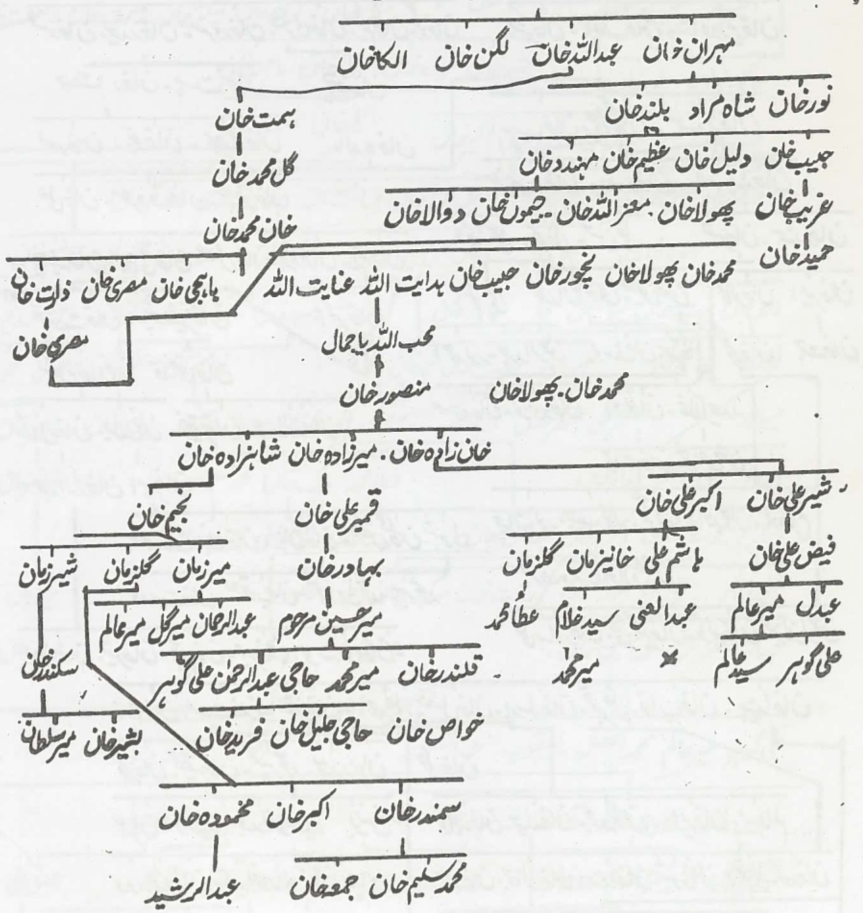
امیرخان بن لابی خان

کمال خان یار محمد خان رنگ خان بیگ خان
شیر محمد لال خان خضر خان رسول خان گل خان محبت خان رحمت خان
خیر محمد نواب خان سید خان شیر خان بزماد خان شاہ محمد خان
اکبر خان ۔ سہابت خان سہیٹی جیا خان مغل خان ترک خان گیکڑ خان رسمت خان وسمست خان
جنگ خان نور خان بشیر خان سپند خان مہندا خان ناصر خان
مست خان عزیز خان زبرو خان اکبر خان امیر خان غازی خان
منور خان مغل خان افضل خان عبداللہ خان عنایت اللہ ہدایت اللہ عازم خان
جلوہ خان شہولی خان منیم خان حسن علی احمد خان مغل خان میضد خان شیر علی قاسم خان
الف خان نیت خان میر افضل غازی خان برکات بیرو خان نواب خان پیندا خان احمد خان نجیمہ
نواب ہاشم علی میر ولی عصمت خان محمد خان غلام خان شیر خان احمد گل محمود
میر احمد قمر علی جعفر خان آزاد خان حسین خان سمندر خان میرزمان قلندر پیندا خان امیر خان
پیندا قمر علی جعفر آزاد خان عطا محمد ملک خان محمد حسین خانیزمان
ابراہیم یوسف خان اکرم خان عباس خان نیت خان فیض علی جمال خان
علی انبر علی مزد عبدالقیوم رحمت خان سکندر خان عبدالغفور میرزمان
عبداللہ گلزمان محمد آمین خان چمن خان خانیزمان
غلام قادر
علی گوہر میر عالم محمد افضل یعقوب عبدالغفور شیر خان حسن علی
حسن خان میر عبداللہ آزاد خان مہند علی ناصر خان امیر علی شہولی
امیر علی شیرزمان سمندر خان میرزمان امان اللہ جمال خان جیا خان متولی حسن علی
رحمت اللہ عبداللہ حیات خان ہاشم علی قاسم علی شیر خاق
کمال خاق راجولی حسن علی مہند علی محمد علی سمندر عبداللہ قلندر خاق

بنیکر خان بن پال خان سلطان امیرخان

آزاد خان ۔ یاستی خان — بحر خان یا پارسل خان
قسو خان ۔ حیدر خان ۔ سرور خان بشکری خان سلیم خان گجو خان — بشیر خان ۔ ناچک خان ۔ شاہ وزیر خان
جصتا رخان ۔ ہست خان — بشنغ خان — اسپ خان ۔ علی گل خان ۔ سمندر خان
لسو خان ۔ بجو خان ۔ بھیگا خان — مالدہ خان — غریب خان مدد خان سربلند خان
علی خان ۔ معروف خان ۔ بھیلڑ خان — فیض علی ۔ محمد علی ۔ حسن علی — شیر خان ۔ سمندر خان
چنبہ خان ۔ بلاقی خان بعقل خان ۔ برو خان ۔ امیر خان — ہاشم علی — عبداللہ خان جبین خان — کالو خان امیر خان
حشمت خان ۔ شمشیر خان — اکبر خان — احمد نور ۔ عبدالرحمن — یوسف خان ۔ بہزاد خان — محمد خان جمعہ خان
مغل خان قاضی خان — مسعود خان ۔ داؤد خان — احمد خان ۔ غلام حیدر
کمال خان ۔ جلال خان فقیر خان ۔ عبداللہ خان — قاسم خان ۔ خواص خان
عبداللہ خان امیر خان
حیات نور ۔ جبیب نور ۔ بیگم نور ۔ صاحب جان ۔ نادی بگم
صرف دختری اولاد تھیں
جمعہ خان ۔ بلند خان ۔ زمان خان ۔ فضل گل خان ۔ شہولی
دوست خان ۔ یعقوب خان ۔ محمد ولی محمد ۔ پیر محمد
علی بہادر خان ۔ علی اکبر خان ۔ دلبر خان ۔ عزیز الرحمن
حسین خان بشیر خان ۔ نجیم خان ۔ میر خان ۔ بوستان خان ۔
قاسم خان ۔ بست خان ۔ مظفر خان ۔ احمد علی ۔ فضل خان ۔ ارسلا خان ۔ قمر علی ۔ نواب خان ۔ پیندا خان
محمد خان ۔ فقیر خان ۔ میر محمد ۔ حیدر زمان — علی خان
عمران ۔ رشید ۔ عبدالرشید ۔ یونس خان — خواجہ خان ۔ حیدر خان ۔ جمعہ خان ۔ وزیر خان ۔ میر عالم
دوران خان ۔ محمد انور ۔ خان بہادر — جمعہ خان ۔ جمال خان ۔ سمندر خان ۔ شہولی علی ۔ ہاشم علی ۔ محمود خان
ولایت خان ۔ عبدالجبار — محمد عالم
خانیزمان خان ۔ عبدالرحمن ۔ یعقوب خان ۔ علی گوہر ۔ ابراہیم معروف خان ۔ محمد آمین

سیدخان بن پال خان



لکھن خان



بنسن خان بن لالی خان بن زرین خان

لالی خان کو انساب میں لادی خان بھی تحریر کیا ہوا ہے

زرین خان

مجید خان لالی خان مرزا خان امان خان

بنیس خان
چھٹا خان
رسول خان
خوشی خان
رحم خان
رحمت خان
سردار عالم خان

سردار عالم خان

حیات خان فیروز خان شریف خان

خیر اللہ خان امان اللہ خان علی بہادر خان

نواب خان محمد بخش خان جہان دار خان شیر بہادر خان عبد الغفار خان علی گوہر خان

زمرد خان غازی خان

کالا خان
وارث خان

سلطان محمد خان محمد اقبال خان محمد افضل خان

امیر محمد خان ولی خان خانیز مان خان

محمد ہارون خان ندیم خان

یار محمد خان محمد اسلم خان محمد سلیم خان
(امریکہ)

ممتاز خان

محمد اشفاق خان ذوالفقار خان

سلطان بخت سلطان مبارک سلطان بخت جاوید خان

ارشد خان راشد خان افلاک خان

جنید خان افتخار خان

شکیل خان سعید خان واحد خان

محمد عمر خان محمد انور خان فریدون خان

خالد خان

محمد سرور خان محمد بشیر خان

محمد ایوب خان محمد جمشید خان

محمد جمیل خان قیصر خان

(تقسیم ہند میں لاپتہ) محمد یوسف خان

تاج مبارک شوکت خان اشتیاق خان

فخر عالم خان مختار خان ظہیر خان وقار خان

جمعدار شیر محمد خان خان دلاور خان عبد القیوم خان پرویز خان یونس خان

سہیل خان محمد نعیم خان

سعد اشرف خان ظہور احمد خان

نور الہدیٰ عالم خان بابو گشتا سب خان

مہم افضل خان صفدر خان محمد مشتاق محمد اشرف خان

رسیل خان زبیر خان آصف خان

خیر اللہ خان

نواب خان

سردار خان آزاد خان زرداد خان تاج محمد خان

نیک محمد خان بہیر محمد خان

بنارس محمد خان جہانزیب خان

بابر خان

محمد صادق خان

فقیر محمد خان ایاز محمد خان مسعود خان

محمد خان محمد اکبر خان خان بہادر خان

حمید اللہ خان سرفراز خان
(سابق اسسٹنٹ کسٹوڈین)

حاجی فقیر خان فدا محمد خان سلطان محمد خان پرویز خان چنگیز خان

صابر خان

غلام حیدر خان محمد سرور خان کالا خان دوست محمد خان محمد اکرم خان غازی خان علی

اسسٹنٹ کمشنر

صالح محمد محمد نسیم

محمد یوسف خان

عطا محمد خان عبد اللطیف خان

محمد فردوس خان طارق خان خالد خان

اورنگزیب خان

امجد خان ارجمند خان

فلائٹ لیفٹیننٹ

ہمایوں خان محمد اسد خان پرویز قیصر جمشید خان جہانزیب خان

اسسٹنٹ (فوڈ کنٹرولر)

محمد ارشاد خان محمد معروف خان محمد یوسف خان محمد ریاض خان

حبیب اللہ خان بن چن خان یا چند خان بن لکھن خان

حبیب اللہ خان

دود اخان مومن خان باسی خان

شیر خان فتح جنگ خان

عبدالخالق خان شمشیر خان نوراللہ خان عبدالمالک خان بوالا خان مزے خان

اکبر خان منور خان متولی خان حیات خان فتح خان اللہ یار خان

سلابت خان شہباز خان شاہنواز خان سردار خان پیر داد خان سمت خان خیر محمد خان

سردار خان پیر علی بوستان خان شاہ زمان فیروز میر زمان شیر زمان خان نورمان مست خان نجم خان سلطان قلی خان

ناصر خان محمد علی امیر عالم سید الرحمان محمد زمان بہرام منیر خان

عبداللہ خان مغل خان شیر خان احمد علی محمد یوسف میر عبداللہ مولوی محمد عالم نور عالم مولوی خان ہیبت خان

میاں محمد علی محمد شریف محمد عالم عبدالمجید خان قمر علی

مولوی محمد جان غلام حسن میر حسین گل حسین غلام ربانی ناصر خان صلابت خان غلام علی

غلام رسول محبوب رسول فدا رسول محمد یونس غلام سرور محمد معروف ناصر خان پائندہ خان

محمد حسین نور عالم میر عبداللہ میر زمان نادلی میر ولی

عبدالخالق عبدالجبار غلام رسول سیف الملوک عبدالعزیز سید نجیب بہادر

عبدالقیوم جیا خان

علی خان امیر خان محمد زمان غلام خان

امان خان

گل زمان خان سید رخان علی خان

علی مردان

جبار خان شیر خان متولی خان صفدر خان

مجید خان بن زرین خان بن الیاس خان بن دفر خان بن پال خان

مجید خان

محمد بیگ خان محمد خان تاج محمد تہنگ خان

حیات خان ترک خان کریم خان

غلام خان نجم خان فضل خان بیگ خان رسول خان مقبول خان

انو خان اکبر خان رحم خان میر باز خان نعمت خان ہاشم خان

مرید خان دیدار خان سجی خان جلال خان کامل خان عصمت خان آدم بیگ

بجب خان خوشحالی خان امیر خان نور محمد شاہ جنگ خان منتخاب خان غازی خان

عزیز خان فضل خان بکھلی خان

عصمت خان دسمت خان بہادر خان جمال خان حسن علی

آگے صفحہ پر دیکھئے جیب خان

حمید خان عبداللہ خان سید خان عنایت خان شہولی نادر خان منیر شاہ داد اخان محمد علی

آگے صفحہ پر دیکھئے محمد علی خان میر ولی امیر ولی احمد گل امیر خان لعل خان

دجولی خان فیض علی خان سمندر سرور خان سمندر خان

حسین خان ہاسم خان خیر اللہ

عطا محمد نواب خان ناصر خان عطا محمد اسحاق شیر زمان الف خان

عبدالرحمان یعقوب سلیمان بہادر خان سمندر خان بوستان خان

عطا محمد شیر محمد امر خان بشیر خان بہادر خان

اشرف خان میر محمد گوہر خان صفدر فیض علی

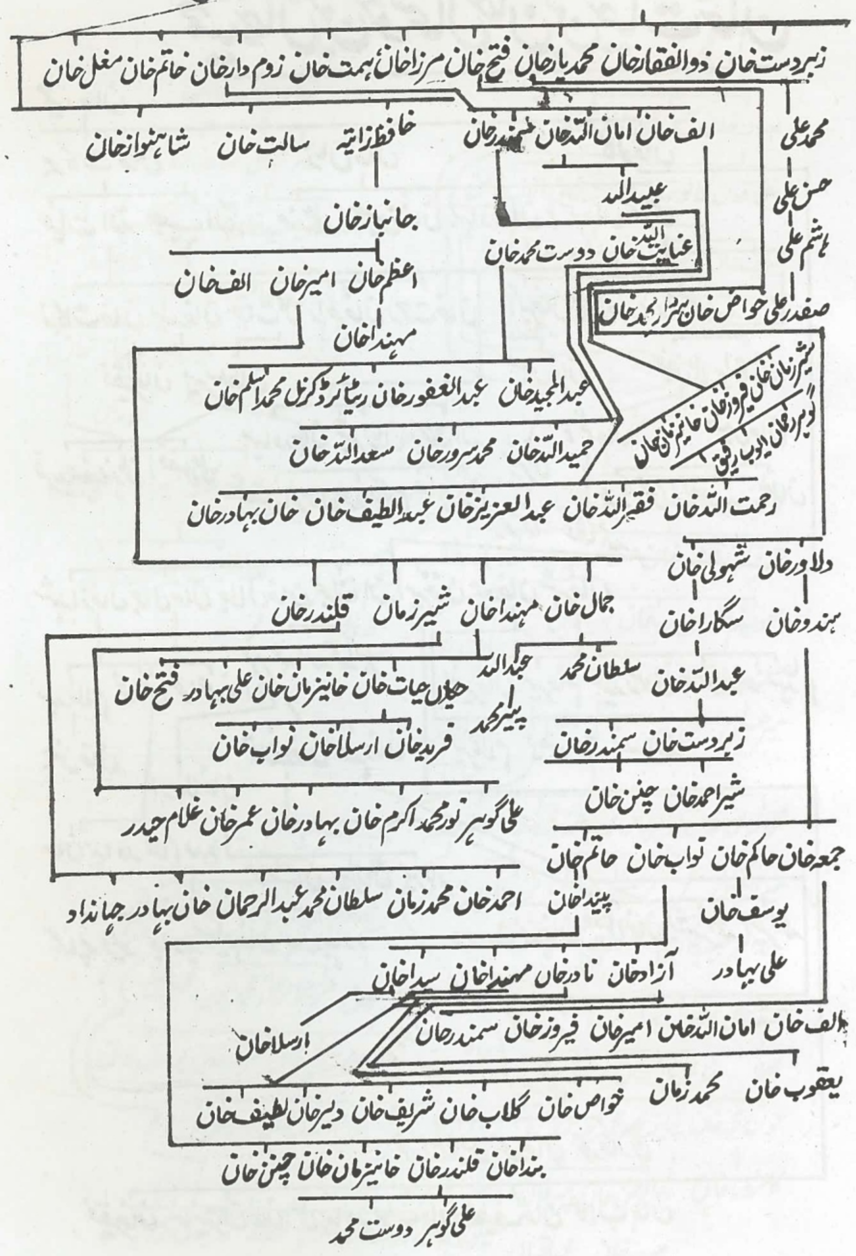
غنی نجیم ہدایت اللہ فقیر خان جلیل خان

حسین خان صبات خان نصر اللہ خان برکت اللہ فیصل خان

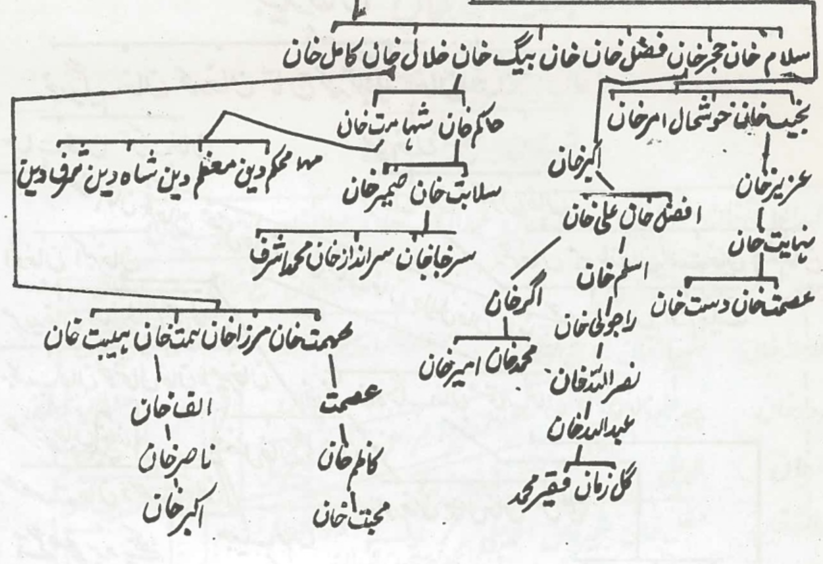
غلام صمد میر عالم فضل الرحمان میر افضل عبدالرحمن علی گوہر

محمد عرفان فضل الرحمان شاہ سلیمان پیر خان عزیز خان یوسف

بہادر خان بن قبول خان بن معمار خان



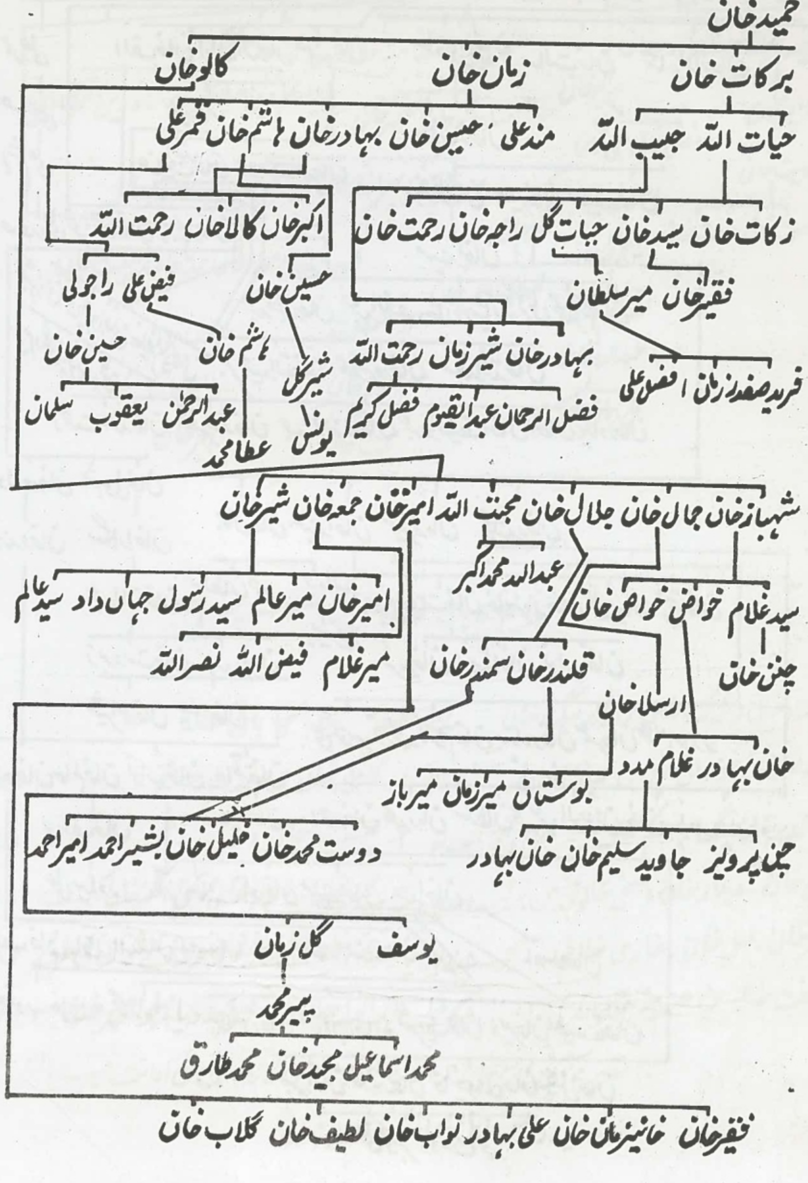
حیات خان ترک خان

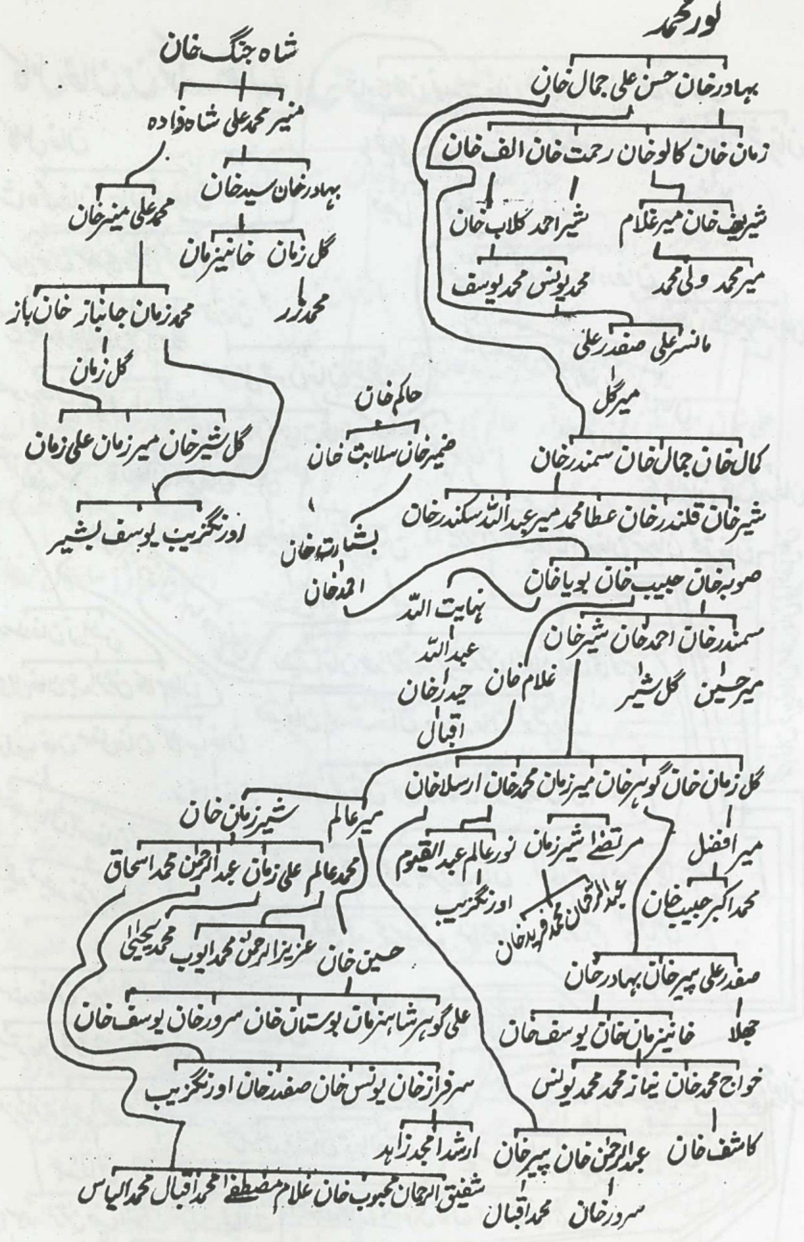


۳۶۹ کا باقی مندرجہ ذیل صفحات پر ہے

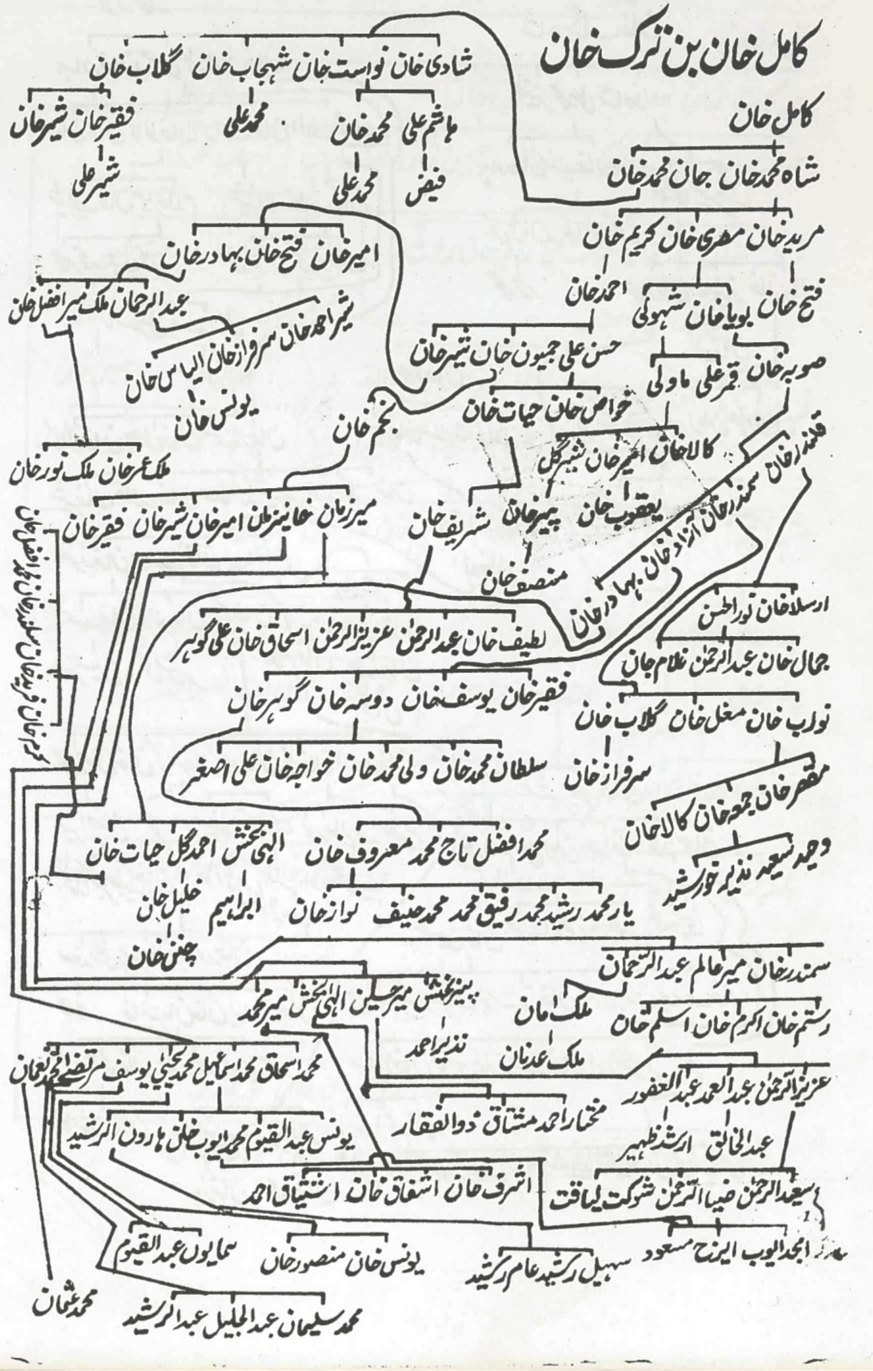
۱. حیات خان۔ ترک خان بن محمد بیگ خان	۳۷۰	صفحہ ۳۷۰ کا باقی حصہ	
۲. حمید خان بن خوشحال خان بن حیات خان	۳۷۲	۱۔ کامل خان بن ترک خان	۳۷۴
۳. نور محمد۔ شاہ جنگ۔ حاکم خان	۳۷۳	۲۔ ہیبت خان	۳۷۵
۴. مرید خان۔ دیدار خان۔ سخی خان	۳۷۶	۳۔ محمد خان۔ امیر خان بن اگر خان	۳۷۷
۵. امیر خان۔ لعل خان۔ غازی خان	۳۷۸	۴۔ ضابطہ خان بن شاہ دین	۳۸۱/ ۳۸۲
۶. نہافت خان بن عزیز خان	۳۷۹	۵۔ انور خان بن لعل خان بن خنجر خان	۳۸۲

حمید خان بن خوشحال خان بن حیات خان

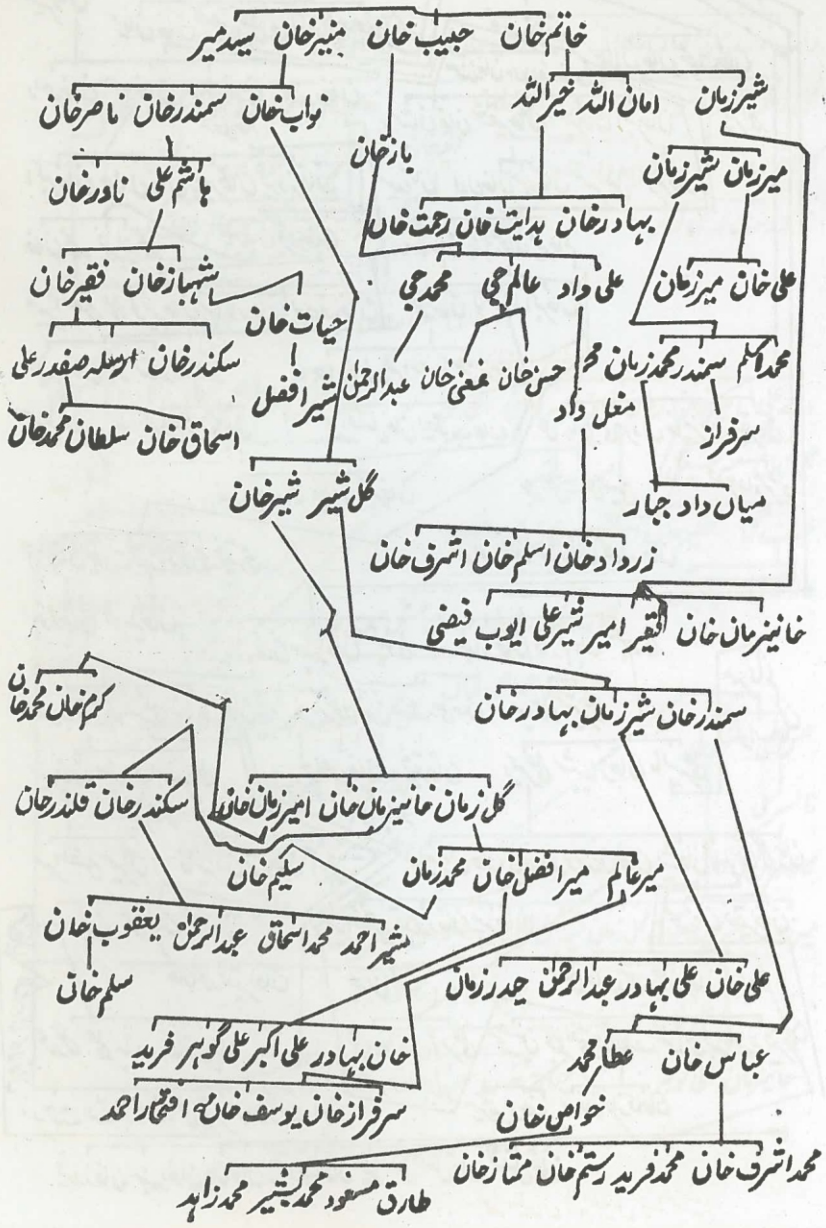




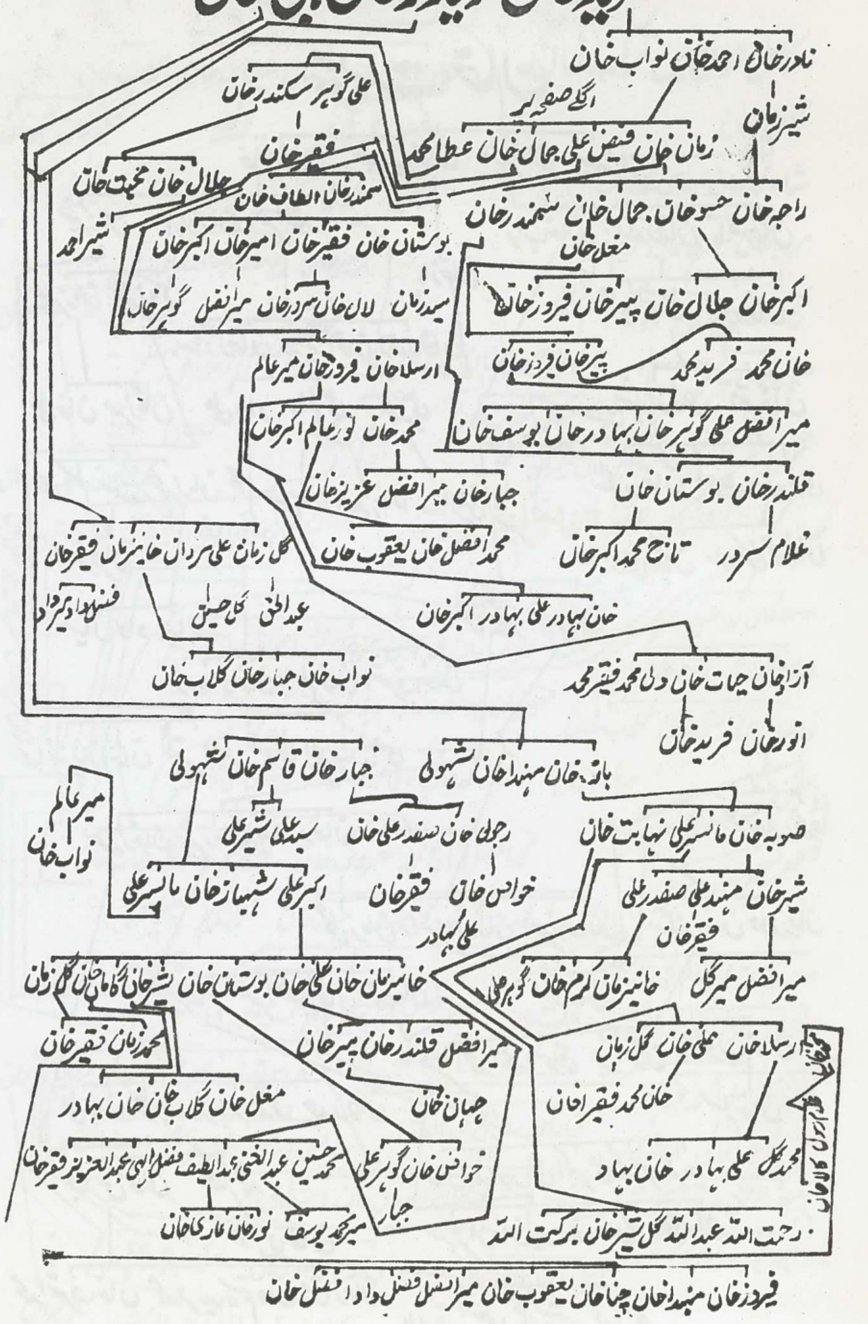
کامل خان بن ترک خان



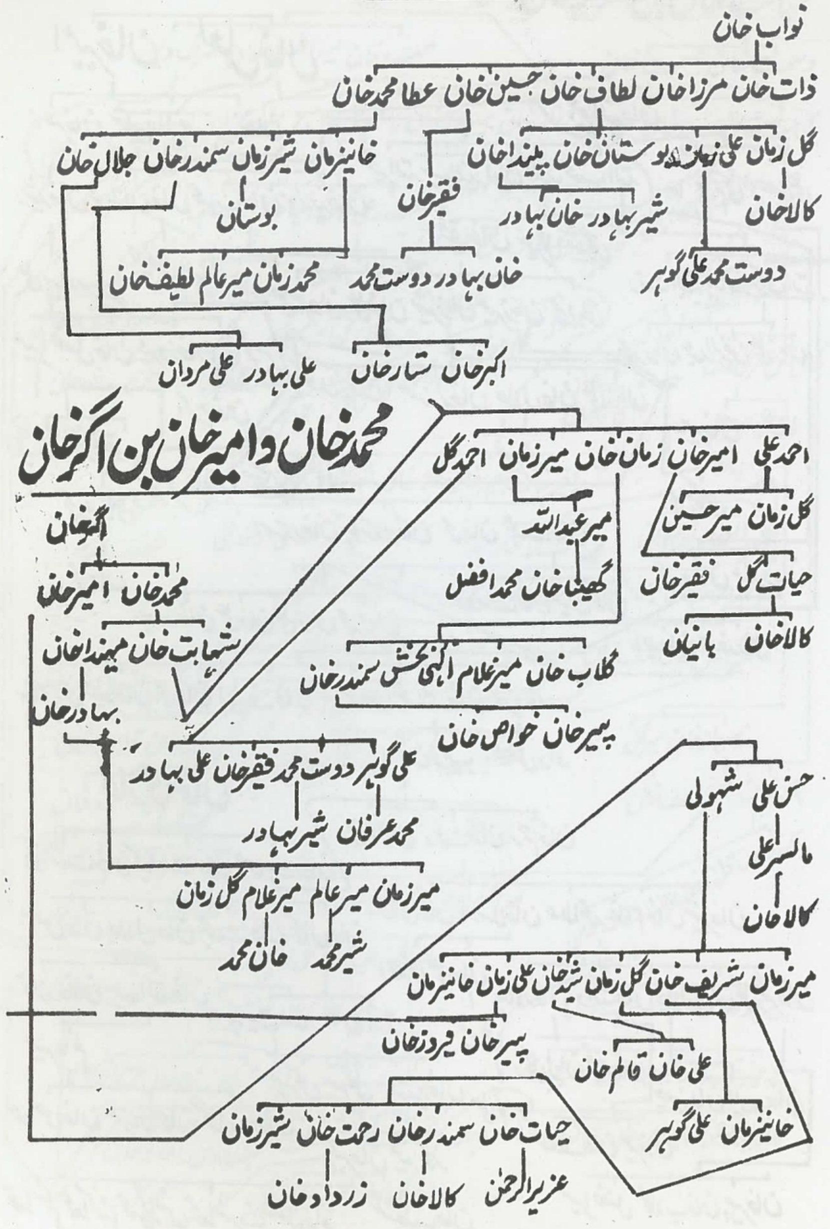
ہیبت خان

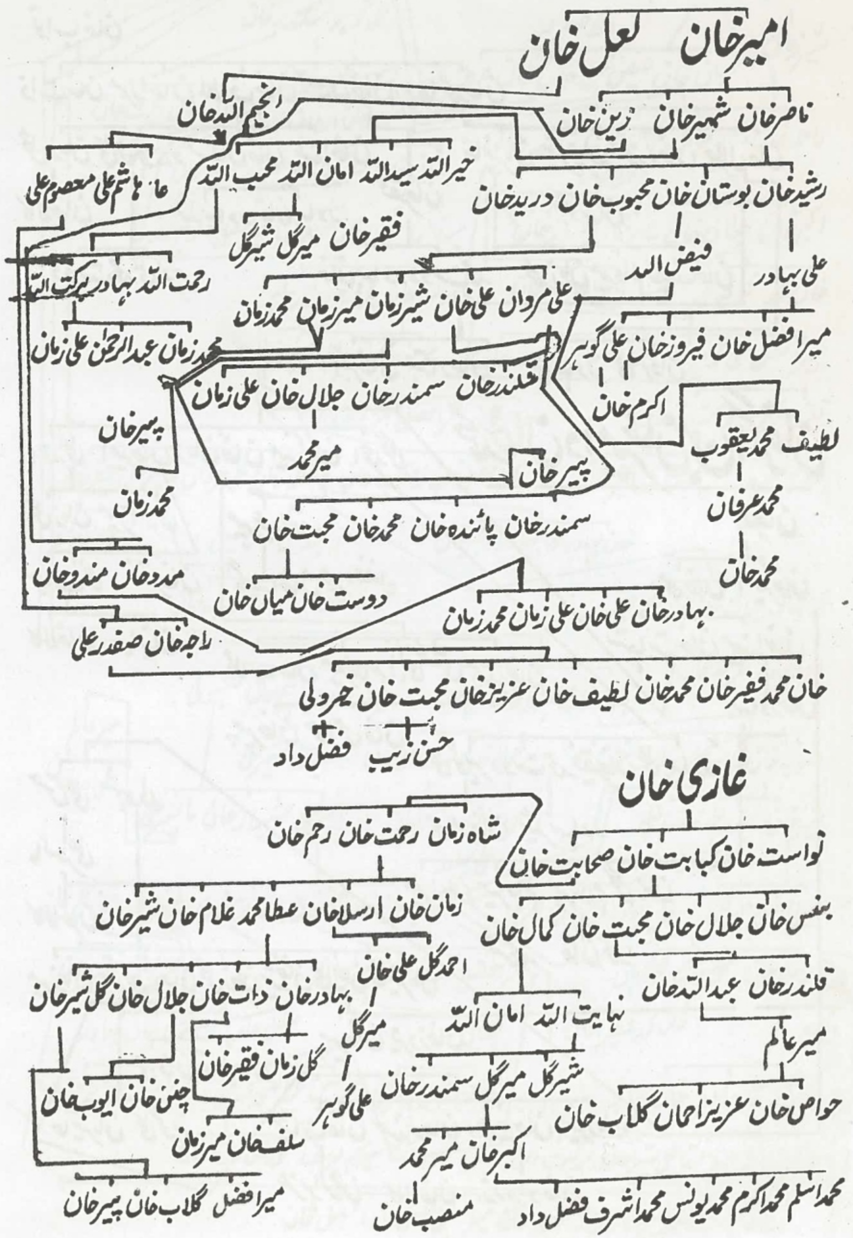


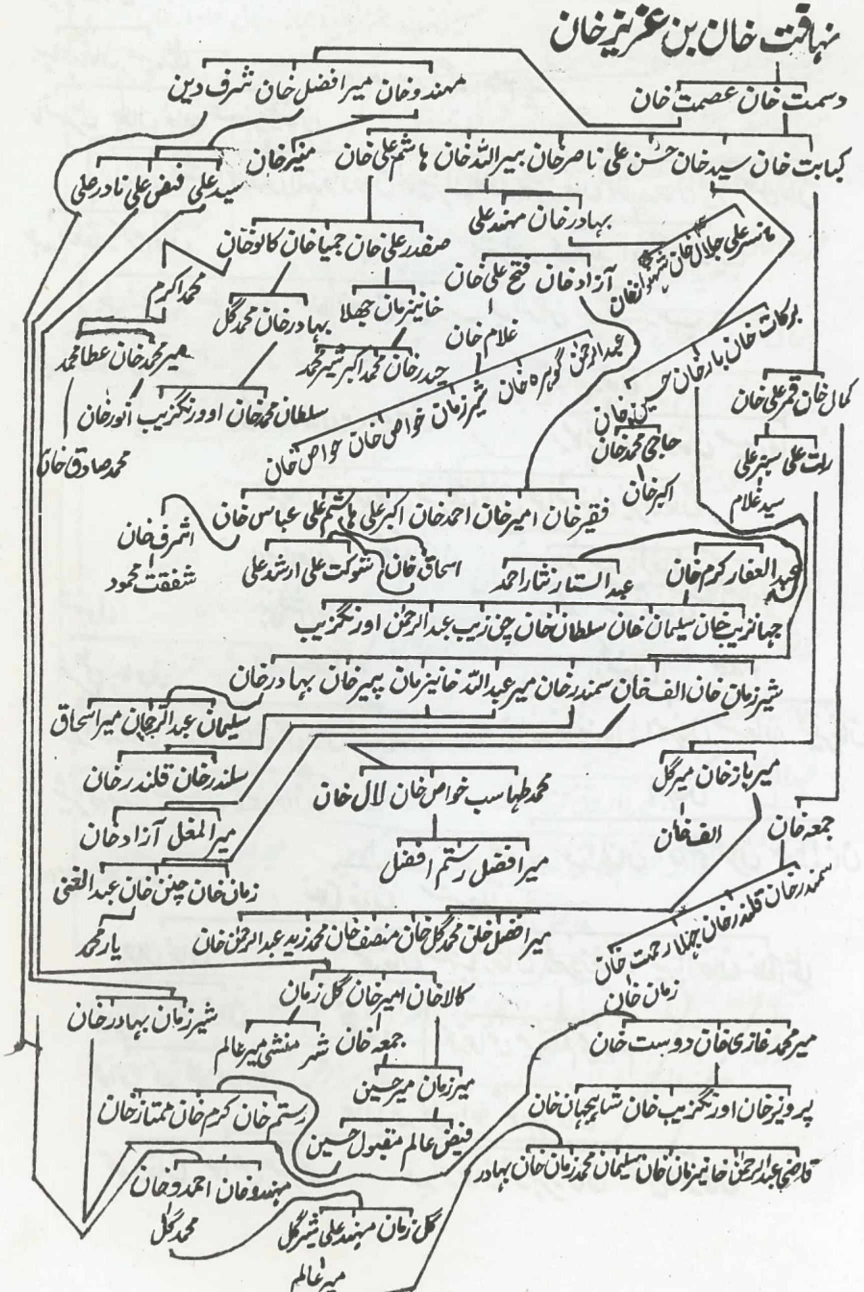
مرید خان دیدار خان منجی خان



نواب خان بن مرید خان بن انور خان




امیر خان لعل خان
ناصر خان شہیر خان زرین خان
انجم اللہ خان
خیر اللہ سید اللہ امان اللہ محبب اللہ
عا ہاشم علی معصوم علی
رشید خان بوستان خان محبوب خان درید خان
فقیر خان میر گل شیر گل
رحمت اللہ بہادر برکت اللہ
فیض اللہ
علی بہادر
علی مردان علی خان شیر زمان میر زمان محمد زمان
میر افضل خان فیروز خان علی گوہر
محمد زمان عبد الرحمن علی زمان
قلندر خان سمندر خان جلال خان علی زمان
اکرم خان
لطیف محمد یعقوب
پیر خان
میر محمد
پیر خان
محمد عرفان
محمد زمان
سمندر خان پائندہ خان محمد خان محبت خان
محمد خان
مدد خان مندد خان
دوست خان میاں خان
بہادر خان علی خان علی زمان محمد زمان
راجہ خان صفدر علی
خان محمد فقیر خان محمد خان لطیف خان عزیز خان محبت خان خیر ولی
حسن زیب فضل داد
غازی خان
شاہ زمان رحمت خان رحم خان
نواست خان کبابت خان صحابت خان
زمان خان ارسلا خان عطا محمد غلام خان شیر خان
بنفس خان جلال خان محبت خان کمال خان
احمد گل علی خان
بہادر خان ذات خان جلال خان گل شیر خان
قلندر خان عبد اللہ خان
نہایت اللہ امان اللہ
میر گل
گل زمان فقیر خان
میر عالم
شیر گل میر گل سمندر خان
چمن خان ایوب خان
علی گوہر
حواص خان عزیز احسان گلاب خان
اکبر خان میر محمد
سلف خان میر زمان
میر افضل گلاب خان پیر خان
منصب خان
محمد اسلم محمد اکرم محمد یونس محمد اشرف فضل داد


نہاقت خان بن عزیز خان
مہمند خان میر افضل خان شرف دین
دسمت خان عصمت خان
کبابت خان سید خان حسن علی ناصر خان بیر اللہ خان ہاشم علی خان منیر خان
سید علی فیض علی نادر علی
بہادر خان مہند علی
منسر علی جلال خان شہنواز خان
صفدر علی خان جمیا خان کالو خان
آزاد خان فتح علی خان
محمد اکرم
خانیز زمان جھلا
بہادر خان محمد گل
غلام خان
برکات خان بادر خان
میر محمد خان عطا محمد
عبد الرحمن گوہر خان
حیدر خان محمد اکبر شیر محمد
کمال خان قمر علی خان
حسن خان
سلطان محمد خان اورنگزیب انور خان
شیر زمان خواص خان خواص خان
حاجی محمد خان
محمد صادق خان
راحت علی سپہر علی
اکبر خان
سید غلام
فقیر خان امیر خان احمد خان اکبر علی ہاشم علی عباس خان
اشرف خان
شفقت محمود
اسحاق خان شوکت علی ارشد علی
عبد الستار نثار احمد
عبد الغفار کرم خان
جہانزیب خان سلیمان خان سلطان خان چن زیب عبد الرحمن اورنگزیب
شیر زمان خان الف خان سمندر خان میر عبد اللہ خانیز زمان پیر خان بہادر خان
سلیمان عبد الرحمن میر اسحاق
سلندر خان قلندر خان
میر باز خان میر گل
محمد طہماسب خواص خان لال خان
الف خان
میر المغل آزاد خان
جمعہ خان
میر افضل رستم افضل
زمان خان چمن خان عبد الغنی
سمندر خان قلندر خان جہلا رحمت خان
میر افضل خان محمد گل خان منصف خان محمد زبیر عبد الرحمن خان
یار محمد
زمان خان
کالا خان امیر خان گل زمان
شیر زمان بہادر خان
جمعہ خان شر منشی میر عالم
میر محمد غازی خان دوست خان
میر زمان میر حسین
رستم خان کرم خان ممتاز خان
پرویز خان اورنگزیب خان شاہجہان خان
فیض عالم مقبول حسین
قاضی عبد الرحمن خانیز زمان خان سلیمان محمد زمان خان بہادر
مہمند خان احمد خان
محمد گل
گل زمان مہمند علی شیر گل
میر عالم

بیراللہ خان

بہادر خان مہند علی

۳۷۹ سے آگے ۳۸۰ پر

مانسر علی جلال خان شہنواز خان

لال خان شیر احمد خان اللہ داد خان خانیزمان خان میر حسن خان قلندر خان میر افضل خان

عبد الغفار کرم خان

بشیر احمد محمد فرید اورنگ زیب

جہانزیب سلیمان خان سلطان خان چمن زیب عبد الرحمٰن اورنگ زیب

عبد الستار نثار احمد

سید خان

برکات خان بن سید خان

برکات خان بازخان حسین خان

شیر خان نصر اللہ خان شریف خان خواص خان خیر اللہ خان

ارسلا خان خلیل خان نور عالم سید عالم خان سید غلام محمد

الہٰی بخش شیر محمد سید محمد خان

شہولی

قمر علی ماولی

۳۷۴ سے آگے

نجم خان ۳۷۴

عبد اللہ خان شریف خان گل زمان فضل خان

میرزمان خانیزمان امیر خان شیر خان فقیر خان

شیر احمد خان عنبر خان چمن خان

اکبر خان

میر محمد عبد الحنان قاضی عمران عبد المنان

۳۷۸ سے آگے

غلام خان شیر خان

جمال خان

محمد خان شہباز خان فیروز خان میرباز خان غلام علی

میرزمان گل زمان

فتح خان

محمد خواص میر عالم محمد عالم

خواج محمد محمد صادق

جان محمد علی داد گوہر رحمان

محمود خان خواص میر محمد

عبد الرحمان گوہر رحمان فضل الرحمان

ضابطہ خان بن شاہ دین

شمبیر خان نادر خان امیر خان

حسین خان عزیز خان جہانداد خان خانباز خان

حبیب خان فقیر خان ماولی خان

خواص خان محمد زمان خان

امیر خان عطا محمد شیر زمان

اسحاق

رحمت اللہ خیر علی برکت اللہ

میر عبد اللہ میر اعجاب

میر مزمل داود خان

زمان خان عزیز خان میر افضل خان ممتاز علی

ابرار حسین امتیاز حسین

عزیز احسان

عید خان عجب خان

اختر خان ایوب خان ہارون خان جاوید اقبال سلیم

امجد حنیف مشتاق

سلیمان خان عمرا خان سرور خان

گوہر رحمان شیر محمد خان اکبر خان علی بہادر

علی محمد

میر گل محمد دین غلام مادر خان عبد الغنی عبد الرحمٰن میر محمد

خان بہادر خانیزمان

فیض عالم محمد اشرف محمد صادق علی داد زرداد خان

محمد افضل اکبر خان اسلم خان

خورشید

عباس خان ارشاد خان

نواب خان سید علی خان شہباز خان بہادر خان

محمد خان بیندا خان

جبا خان سمندر خان

نعیم سعید خورشید اختر وحید ندیم

سید عالم محمد زمان

خداداد خان

یعقوب خان میر عالم

شیر بہادر

عبد اللطیف عبد الجلیل

عبد المالک

فضل الرحمٰن

محمد فاروق محمد معروف

توقیر تنویر

حیفر احمد ظہور احمد جمیل اختر

طارق محمود عبد الرؤف عبد الرشید صالح مسعود عبد الوحید

عاصم ناظم

حسین خان محمد عالم

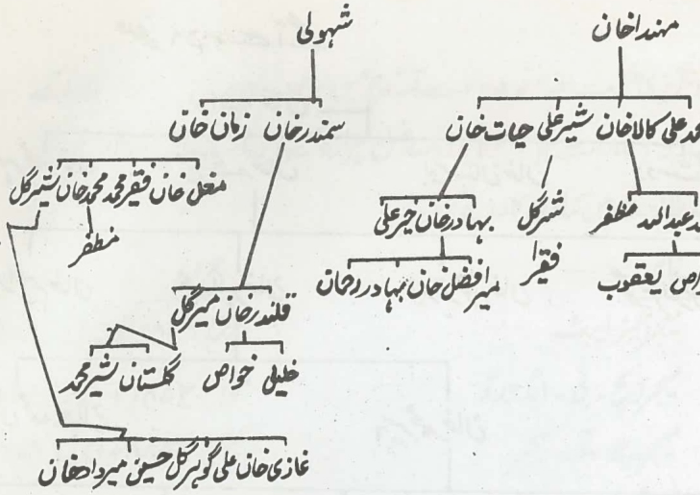
مولوی عبد الرحمٰن قاضی محمد یوسف مسعود الرحمٰن مقصود الرحمٰن فضل سبحانی

عبد ال

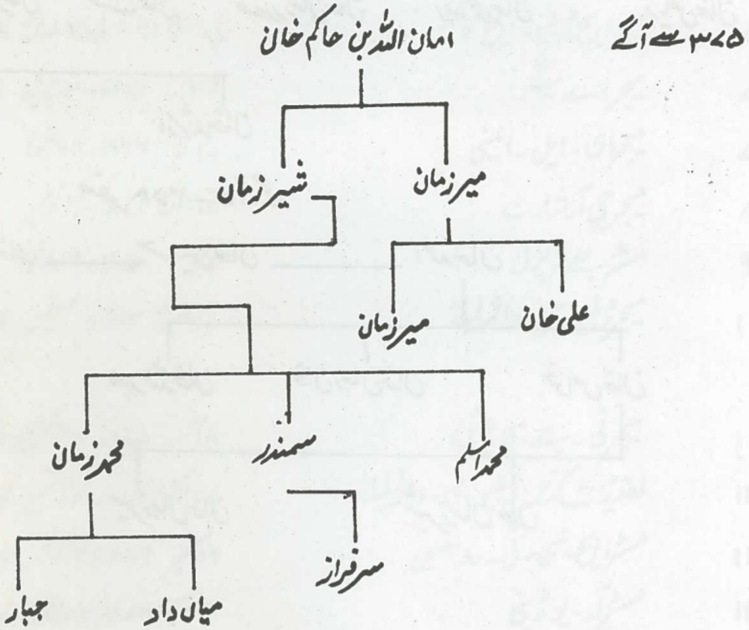
حفیظ الرحمٰن عبد السلام خالد

حبیب الرحمٰن سید الرحمٰن انیس الرحمٰن ضیاء الرحمٰن افتخار سجاد

طاہر مسعود

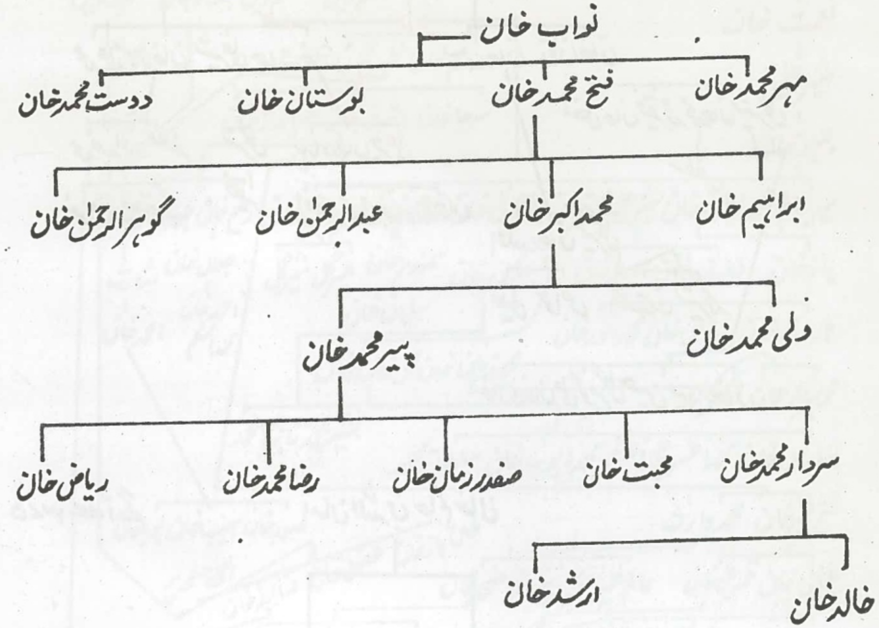

مہنداخان
شہولی
محمد علی کالاخان شیر علی حیات خان
سمندرخان زمان خان
مغل خان فقیر محمد محمد خان شیر گل
منظفر
محمد عبدالصمد مظفر
شیر گل
بہادرخان خیر علی
فقیر
خواص یعقوب
میرافضل خان بہادرخان
قلندرخان میرگل
خلیل خواص
گلستان شیر محمد
غازی خان علی گوہر گل حسین میراخان

۳۷۵ سے آگے

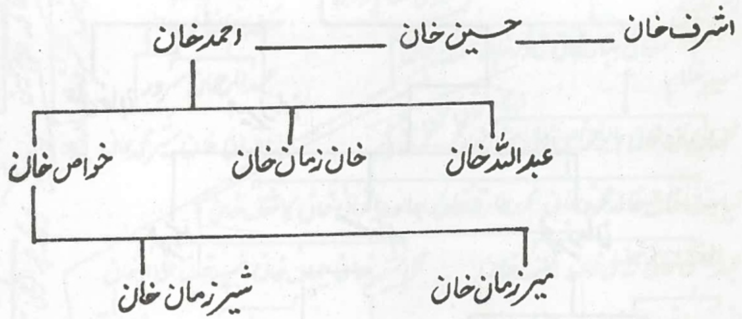

امان اللہ بن حاکم خان
میرزمان
شیر زمان
علی خان
میرزمان
محمد اسلم
سمندر
محمد زمان
سرفراز
میاں داد
جبار


انور
نعمت خان
بشیر علی
جہنو خان
حاکم خان شہامت خان
محکم دین معظم دین شاہ جان شرف دین
سلابت خان ظہیر خان
گل شیر
سرجاخان اشرف خان سرانداز خان
رشید خان
میرعالم محمد زمان خان سبز علی محمد خان راجولی خان غلام خان میرزمان خان رحیم خان عبداللہ خان
یازخان لطیف خان سرور خان سکندر خان سمندر خان میرگل شیر گل جلال خان بشارت
سلمان خان
احمد خان
محمد اسلم
احمد خان
ہارون خان ریاض خان محمد انور خان
محمد زمان خان گل زمان خان
گوہر الرحمان اکبر
بشیر محمد تاج محمد
بنارس خان محمد افسر علی اصغر محمد ایوب خان سلطان محمد
فتح شیر خان محمد وارث
صوبہ خان جبیب خان لوباخان
جمال خان قمر علی خان
عالم شیر محکم دین قاضی خان
خان باز خان فضل خان
اگلے صفحہ پر
جلال خان عالم شیر خان محمد شیر خان
نظام دین شیر خان کرم خان
مولوی غلام رسول
شیر زمان
سکندر خان نور عالم
خان بہادر خان نادر خان سمندر خان
سید غلام
عبدالرحمان سرور
محمد یوسف خان بابو خواص خان ممتاز خان
اقبال خان شیر محمد خان
لیاقت خان خالد محمود خان محمد طارق خان جاوید اقبال خان کاشف خان
عبدالغنی خان خلیل خان قلندر خان
گل شیر خان حیات خان سید خان غلام خان
انور خان فردوس خان
جلیل خان
محمد صادق
محمد پرویز
قاضی صاحب جبیب خان
محبت خان عطامحمد
شیر علی شہولی ہاشم خان
صفدر علی خان رفعت زمان خان
محمد حیات خان میر حسین
فقیر خان
سلطان خان خان محمد خالد خان سلمان خان
عبدالعزیز میر صدر خان خلیل الرحمان محمد فرید خان
میر محمد خان پیر خان
عبدالرحمٰن
عبدالرؤف عبدالمنان
اقبال ارشاد

صفحہ ۳۵۶ سے آگے



صفحہ ۳۵۸ سے آگے



انگریزی حکومت بقیہ صفحہ ۲۲۵ سے آگے چونتیس سالوں کے دوران ضلعی سربراہان کے اسمائے گرامی جو ۱۸۴۹ سے ۴ ستمبر ۱۸۸۳ تک ضلع ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر رہے ان میں سے اکثر نے اپنی عہد ملازمت میں تناول کا دورہ کیا۔

نمبر شمار	نام	عرصہ
۱	میجر جیمز ایبٹ	مارچ ۱۸۴۹ تا اپریل ۱۸۵۳
۲	میجر ایچ۔ بی۔ ایڈورڈ	مئی ۱۸۵۳ ، ستمبر ۱۸۵۳
۳	میجر جے۔ آر۔ بیچر	اکتوبر ۱۸۵۳ ، اپریل ۱۸۵۹
۴	میجر آر آدم	۲۰ اپریل ۱۸۵۹، ۲۸ فروری ۱۸۶۱
۵	میجر ایچ ڈبلیو۔ ایچ کاکس	یکم مارچ ۱۸۶۱، ۲۵ مارچ ۱۸۶۵
۷	میجر اے مینگو	۲۵ مارچ ۱۸۶۵، ۳۰ اپریل ۱۸۶۶
۷	میجر ای۔ ایل۔ ایمنی	یکم مئی ۱۸۶۶، ۱۱ مارچ ۱۸۷۱
۸	میجر جی آر شارٹ	۱۷ مارچ ۱۸۷۱، ۳۰ نومبر ۱۸۷۱
۹	مسٹر جے فریزل	دسمبر ۱۸۷۲، ۱۹ مارچ ۱۸۷۳
۱۰	میجر ڈبلیو۔ جی۔ واٹرفیلڈ	۱۷ مارچ ۱۸۷۳، ستمبر ۱۸۷۵
۱۱	میجر ٹی۔ جے۔ سی پلوٹن	۸ ستمبر ۱۸۷۵، ۲۶ اکتوبر ۱۸۷۵
۱۲	لفٹیننٹ کرنل ڈبلیو۔ جی۔ واٹرفیلڈ	۲۷ اکتوبر ۱۸۷۵، ۵ دسمبر ۱۸۷۶
۱۳	مسٹر ایچ۔ سی۔ ٹی۔ روبنسن	۶ دسمبر ۱۸۷۶، ۱۲ دسمبر ۱۸۷۶
۱۴	مسٹر آر۔ یوڈینی	۱۳ دسمبر ۱۸۷۶، ۵ مارچ ۱۸۷۷
۱۵	لفٹیننٹ کرنل۔ ڈبلیو۔ جی واٹرفیلڈ	۶ مارچ ۱۸۷۷، ۲۷ مئی ۱۸۷۷
۱۶	مسٹر آر۔ یوڈینی	۲۸ مئی ۱۸۷۷، ۳۰ اکتوبر ۱۸۷۷
۱۷	مسٹر ایچ۔ سی۔ ٹی روبنسن	۳۱ اکتوبر ۱۸۷۷، ۱۶ نومبر ۱۸۷۷

نمبر شمار	نام	عرصہ
۱۸	لفٹیننٹ کرنل ڈبلیو۔جی واٹرفیلڈ	۷ نومبر ۱۸۷۷ء، ۸ جنوری ۱۸۷۸
۱۹	مسٹر ایچ۔سی۔ٹی۔ روبنسن	۳۰ جنوری ۱۸۷۸ء، ۲۹ جنوری ۱۸۷۸
۲۰	مسٹر آر۔یوڈینی	۳۰ جنوری ۱۸۷۸ تا ۱۷ مارچ ۱۸۷۸
۲۱	کیپٹن سی ایف میسی	۱۸ جنوری ۱۸۷۸ء، ۸ اپریل ۱۸۷۸
۲۲	مسٹر۔ اے۔آربل مین	۹ اپریل ۱۸۷۸ء، ۱۲ دسمبر ۱۸۷۸
۲۳	میجر۔ ای۔ایل۔ ایمتی	۱۳ دسمبر ۱۸۷۸ء، ۷ اپریل ۱۸۸۰
۲۴	میجر سی میکنیل	۸ اپریل ۱۸۸۰ء، ۲۱ دسمبر ۱۸۸۲
۲۵	لفٹیننٹ کرنل ۔ای جی ہسٹنگ سی بی	۲۲ دسمبر ۱۸۸۲ء، ۵ اکتوبر ۱۸۸۳
۲۶	میجر ٹی جے۔ سی پلوٹن سی۔آئی۔ای	۶ اکتوبر ۱۸۸۳ء، ۱۳ دسمبر ۱۸۸۳
۲۷	لفٹیننٹ کرنل ای۔جی ہسٹنگ سی بی	۱۴ دسمبر ۱۸۸۳

تناول کا دوسرا نام راک لینڈ ہے یہ تمام علاقہ پہاڑی ہے مشہور پہاڑ بھینگڑہ کا عظیم الشان سلسلہ جنوب سے مشرق کی جانب پھیلا ہوا ہے اس پہاڑ کی چوٹی سری نام سطح سمندر سے ۸۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع دشوار گذار ہے۔ تناول میں بھینگڑہ سے اونچا کوئی دوسرا پہاڑ نہیں ہے۔ بھینگڑہ کا سلسلہ پھلڑہ سے ہوتا ہوا پڑھنہ اور گلی بدرال سے گھوم کر شیرگڑھ سے آملتا ہے۔ اس کے مشرق میں مشہور تاریخ ساز شہر امب تھا جو تربیلا ڈیم بننے کے سبب زیر آب ہے جب تک والئی امب پائندہ خان زندہ رہا بھینگڑہ پہاڑ اس کا مستقل آبزور پوسٹ بنا رہا اس پہاڑ سے وہ حملہ آور سکھوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا تھا۔

ہزارہ ڈویژن میں دوسرے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان کی سطح سمندر سے بلندی درج ہے

کوہ بلیاتہ کا سلسلہ لوئر تناول میں ہے یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۶۱۹۲ فٹ بلند ہے اس کا سلسلہ مغرب کی جانب ایبٹ آباد سے آملتا ہے۔

نمبر شمار	پہاڑوں کے نام	مقامات	سطح سمندر سے بلندی بحساب فٹ
۱	کاغان	وادی کاغان	۱۰،۰۰۰ سے ۱۶۷۰۰
۲	مکرا	بالاکوٹ سے اوپر بہ جانب مشرق	۱۲۷۶۳ فٹ
۳	موسیٰ کا مصلہ	درہ بھوگڑ منگ کے سرے پر	۱۳۳۷۸ فٹ
۴	سوتی		۱۳۰۱۳
۵	بھولیجا		۹۶۴۴
۶	کالاڈھاکہ	اگرور کی سرحد	۹۱۵۷
۷	بھینگڑہ	اپر تناول اس کے مشرق میں	
		امب کا تاریخی شہر تھا جوکہ ڈیم کی وجہ سے زیر آب ہے	۸۵۰۰
۸	میاں جانی	ایبٹ آباد کے جنوب مشرق میں	۹۷۹۵
۹	موشح پوری	〃 〃 〃 〃 〃 〃	۹۲۳۲
۱۰	ٹھنڈیانی	ایبٹ آباد کے شمال مشرق میں	۸۸۴۵
۱۱	چمبٹی	مری کے نزدیک	۸۷۵۱
۱۲	سرن	ایبٹ آباد کے بالمقابل مشرق میں	۶۲۴۳
۱۳	بلیانہ	لوئر تناول	۶۱۹۲
۱۴	بریڑی	مانسہرہ کے نزدیک	۴۶۰۱
۱۵	ڈھوڈا	تربیلا کے شمال مشرق میں	۴۵۱۶
۱۶	تنگیل	بغہ کے شمال دریائے سرن پر	۶۱۸۳
۱۷	بریکوٹ	گڑھی حبیب اللہ کے نزدیک کشمیر کی سرحد پر	۷۱۵۷
۱۸	سری بھنگ	خان پور کے نزدیک	۵۶۵۱
۱۹	بیہر تھان	علاقہ گندگر	۴۲۱۹

دریائے سرن

دریائے سرن ہزارہ کے شمال میں درہ بھوگڑ منگ کی تنگ گھاٹیوں سے نکلتا ہے اس کا زیادہ تر حصہ تناول میں بہتا ہے۔ دریائے سرن میں دو نالے مزید آملتے ہیں ایک نالہ اچھڑ جوکہ ترنوائی کے مقام ٹھنڈیانی سے نکلتا ہے۔ دوسرا انجاس یا بحنہ جوکہ کونش کی گھاٹیوں سے نکلتا ہے یہ دونوں بہ جانب شمال بھرکنڈ کے مقام پر دریائے سرن میں آملتے ہیں دریائے سرن کے مشرق اور جنوب میں علاقہ شنکیاری کے دیہات آباد ہیں نوکوٹ خاکی اور پکھلی میں شنکیاری اور بھرکنڈ کو سیراب کرتا ہے اس کی سیرابی سے ہزارہ میں چاول پیدا ہوتا ہے دریائے سرن شنکیاری سے گزر کر ڈھوڈیال میں آجاتا ہے پھر موضع خاکی سے ہوتا ہوا تناول میں اردکوٹ، ہندوال، کہرکہ، موضع پرنیاں سے ہوتا ہوا بیرٹے اور پھوہار آجاتا ہے یہاں اس میں ایک اور نالہ مانگل سیری شیر شاہ کے مقام پر آملتا ہے۔ دریائے سرن درہ بھوگڑ منگ سے نکل کر شمال سے جنوب کی طرف بہتا ہے جب شنکیاری سے گزر کر ڈھوڈیال کے پاس آتا ہے تو اس کا رُخ مغرب کی طرف ہوجاتا ہے دو تین کوس مغرب کی طرف بہہ کر موضع خاکی کے نزدیک اس کا رُخ پھر شمال سے مغرب کی طرف ہوجاتا ہے موضع لساں اور موڑ بغہ سے تھوڑا نیچے شمال سے جنوب کی طرف رواں ہوکر موضع بہار وکوٹ کے بعد یہ اپنا رُخ مغرب کی طرف کرتے ہوئے تربیلا کے مقام پر جواب جھیل ہے دریا سندھ میں آملتا ہے اس کا کوئی حصہ کشتی رانی کے قابل نہیں ہے اکثر مقامات پر آمد و رفت کے لئے گزر ہوتا ہے۔

ندی دوڑ

بیرن گلی علاقہ کڑرال سے نکل کر نواں شہر، دھمتوڑ، رجوعیہ، جنیہ، نوشہرہ سے گزرتا ہے ایک زنگیلا نامی کھتری نے جو قصبہ درویش نزد ہری پور کا رہنے والا تھا سرائے صالح کے مقام سے تھوڑا ہی نیچے ندی دوڑ سے ایک نہر نکالی تھی جو ہری پور کو سیراب کرتی تھی اور آج تک زنگیلا کے نام سے مشہور ہے ندی دوڑ تناول اور ہزارہ کے حد فاصل کا کام بھی دیتی ہے

یاد رہے مندرجہ بالا نوشہرہ صوبہ سرحد کا صنعتی شہر نہیں ہے یہ نوشہر چنیہ کے نزدیک ہزارہ کا قصبہ ہے۔

دریائے کہنار

زیرین کاغان کے شمال سے نکل کر بالاکوٹ سے ہوتا ہوا پتن کے مقام پر دریائے جہلم میں آملتا ہے اس کا دوسرا نام "سکھ نین" ہے جب مغل بادشاہ جہانگیر کی ملکہ نور جہاں کشمیر جاتے ہوئے سفر کے دوران یہاں رکیں تو انہوں نے اپنا منہ دریائے کہنار میں دھویا پانی کی ٹھنڈک سے ان کی آنکھوں کو سکون ملا تو انہوں نے بے ساختہ سکھ نین کہا اس دن سے دریائے کہنار کا نام سکھ نین پڑھ گیا۔ یاد رہے جہانگیر بادشاہ اپنی کتاب تزک جہانگیری میں لکھتے ہیں موسم بہار میں صحیح لطف اٹھانے کے لئے کشمیر کا سفر بجائے پیر پنجال کے پکھلی کے راستے سے کیا جائے انہوں نے بمعہ اہل و عیال و فوج چار مرتبہ اسی راستے سے سفر کیا۔

دریائے کہنار دریائے جہلم کا معاون دریا ہے جو پتن کے مقام پر اس میں آملتا ہے اس کا بڑا منبع کاغان کی گھاٹیاں ہیں دریائے جہلم کے ساتھ اس کا اتحاد تقریباً ایک سو میل لمبا ہے اس کی سطح پتھریلی اور تنگ ہے جو کہ بالاکوٹ کے مقام پر بہت خطرناک ہو جاتی ہے اس کے دونوں جانب پہاڑ ہیں جن کی سطح سمندر سے بلندری ۸۰۰۰ سے لے کر ۱۶۰۰۰ فٹ ہے۔

نالہ انہار

اگرور سے گزرتا ہوا وادی تناول میں داخل ہوتا ہے اس کا بڑا حصہ نالہ کی شکل میں ہے۔ تقریباً چالیس میل تنگ پہاڑوں سے گزرتا ہے۔ سوائے بارشوں کے باقی تمام وقت اس پر گذر ہو سکتا ہے۔ تربیلا ڈیم بننے سے قبل امب سے تھوڑے فاصلے پر دریائے سندھ میں آملتا تھا اب اس کا پانی ڈیم میں جاتا ہے

نالہ مانگل

علاقہ جدون سے گزر کر تناول میں داخل ہوتا ہے دونوں اطراف تنولیوں کے گاؤں ہیں۔ راجہ رسالو کے بیٹے مانگل کے نام پر مشہور ہے جس نے ۱۸۰۰ سو سال قبل مانگل شہر بسایا تھا۔

سپری شیر شاہ کے مقام پر دریائے سرن میں جا ملتا ہے۔

دریائے جہلم

ہزارہ کی مشرقی سرحد ضلع ایبٹ آباد میں پتن گاؤں سے ۲۰ میل کہوتک اس کا گزر ہے۔ کوہالہ کے مقام پر اس پر پل ہے یہاں سے ایک سڑک کشمیر کو جاتی ہے مہاراجہ کشمیر کے عہد میں ۲۳۱ فٹ لمبا پل ۸۱۸۳۶ روپیوں کی لاگت سے تعمیر ہوا تھا جو ۹۲-۱۹۹۱ کے سیلاب میں بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ دریا میں کشتی کا گزر خطرناک ہے ۱۸۶۸ میں ایک ہفتہ کے دوران دو کشتیاں ڈوب گئیں جن میں ۶۴ آدمی سوار تھے ۶۴ میں سے کسی ایک کی لاش تک نہ مل سکی۔ دریائے کہنار دریائے جہلم کا معاون دریا ہے جو پتن کے مقام پر اس میں آملتا ہے۔

دریائے سندھ

ڈیم بننے سے پہلے ضلع کی مغربی سرحد کرپلیاں سے شیخ چبار تک اس کی لمبائی ۲۰۰ میل تھی۔ کشتی رانی کے قابل نہیں تھا تین جنگوں سے آمد و رفت کیلئے فیری بوٹ چھوٹی کشتی استعمال ہوتی تھی، امب، کھبل، ڈھلموٹ جو اب زیر آب ہیں۔ ۱۹۴۰ میں دریائے سندھ میں سیلاب آیا جس کی وجہ سے کافی نقصان ہوا دوسری دفعہ ۲ جون ۱۸۴۱ کو سیلاب آیا جس کی وجہ سے گرد و نواح کے تمام قصبات غرقاب ہو گئے تیسری بار اعلان آزادی کے سال ۲۶ اگست ۱۸۵۷ کو سیلاب آیا لیکن ۱۸۴۱ کی نسبت نقصان کم ہوا۔

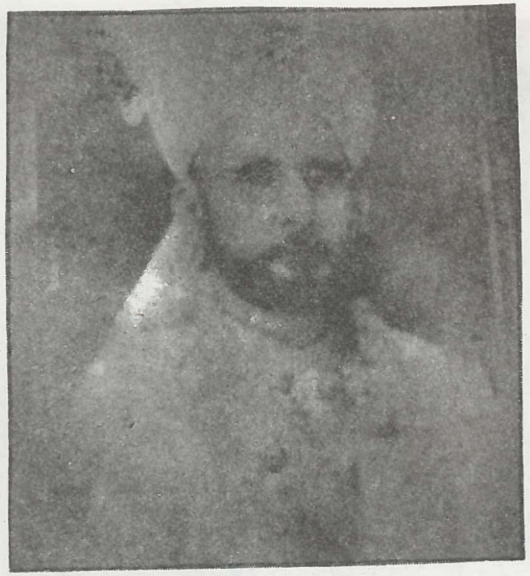
دریائے ہارو

دریائے سندھ کا معاون دریا ہے جو اٹک سے ۹ میل نیچے دریائے سندھ میں جا ملتا ہے اسکے بالائی حصہ کی لمبائی ۹۰ میل ہے جس میں ۵۰ میل ہزارہ سے گزرتی ہے باقی ماندہ گوند ضلع راولپنڈی میں ہے ہزارہ میں اس کا گزر سطح سمندر سے ۶۰۰۰ سے ۹۰۰۰ فٹ بہ جانب مغرب تنگ ہے۔ موشح پوری پہاڑیوں کے درمیان اس کے دو بڑے ذرائع ہیں ان میں ایک ذریعہ مری کے نزدیک جبیٹی کی چوٹیاں ہیں یہاں سے پانی نکلتا ہے اور

ڈنہ کے علاقہ میں بہتا ہے جوکہ ڈھونڈ ہارو کہلاتا ہے۔ دوسرا بڑا ذریعہ موشح پوری چوٹیاں ہیں یہاں سے پانی نکلتا ہے اس کے ساتھ دو نالے ہیں سمندر ادرسجا کوٹ دور تک علاقہ ناڑا کے بڑے حصہ میں بہتے ہیں جوکہ کرڑال ہارو کے نام سے پکارا جاتا ہے دونوں نہریں خان پور سے ۱۶ میل اوپر دوتارا کے مقام پر آپس میں ملتی ہیں پھر یہ جان پور کی جانب بہتی ہیں جوکہ میدانی علاقہ ہے اس لئے زمینوں کو سیراب کرنے کا کام لیا گیا ہے خان پور ڈیم میں بارشوں کا پانی ذخیرہ رہتا ہے جس سے آبپاشی ہوتی ہے۔

اسلام آباد دارالخلافہ بنتے ہی ۱۹۶۱ میں خان پور ڈیم کا آغاز ہوا۔ بنیادی مقصد یہ تھا۔ کہ خان پور ڈیم سے اسلام آباد کو ۱۳ کروڑ گیلن پانی روزانہ مہیا کیا جائے۔ بعدازاں یہ ڈیم نہروں کی تک محدود رہا۔ خان پور ڈیم سے صوبہ سرحد کی ۔۱۸۷۹ ر ایکڑ اراضی اور صوبہ پنجاب کی ۱۷۶۸. ایکڑ اراضی سیراب ہوتی ہے۔ اتنا عرصہ خان پور ڈیم بنیادی مقصد کے لئے فنڈ مہیا نہیں کئے گئے بلکہ زبانی جمع خرچ ہوتا رہا۔ اب جبکہ اسلام آباد میں پانی کی شدید قلت پیدا ہو گئی ہے۔ تو یہ منصوبہ ہنگامی طور پر ۲۸ مئی ۱۹۹۴ کو منظور ہوا ہے اس منصوبہ کی تکمیل پر آنے والے اخراجات کی ۶۶ فی صد رقم وفاقی حکومت ادا کرے گی ۳۳ فیصد رقم کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی برداشت کرے گی۔ خان پور ڈیم سے راولپنڈی پہنچانے والی پائپ لائن کے اخراجات صوبائی حکومت ادا کرے گی۔ خان پور ڈیم کا ۱۹۷۹ تک ۷۵ فی صد کام مکمل ہوا۔ ۱۹۸۴ تک یہ ڈیم بالکل تیار ہو گیا تھا۔ ڈیم بننے کے سبب قوم گکھڑ کے تاریخی قصبے خان پور، ڈھیری، باغ پور و دیگر کئی مقامات کا نام صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ یہاں ماضی میں مشہور مغل بادشاہوں نے گکھڑ راجوں کی دستار بندی کی تھی۔

گکھڑ راجے مغلوں کے طرف دار تھے۔ جنہوں نے ہمایوں بادشاہ کا ساتھ دیا اور شیر شاہ سوری سے مخالفت مول لی ناموافق حالات میں بھی آخر تک وہ مغلوں کے حامی رہے۔



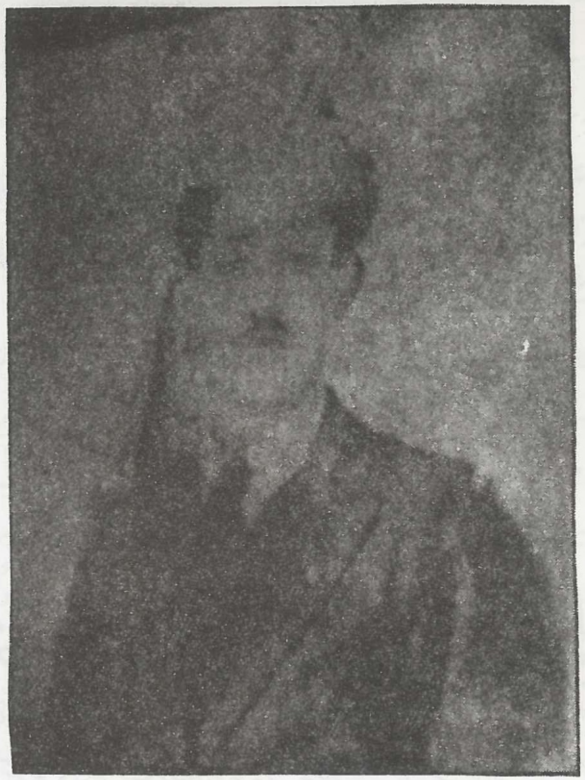
خان بہادر سلطان محمد خان رئیس بیٹر

آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل ممبر لیجسلیٹو اسمبلی صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کی پہلی لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس ۲۸ / اپریل ۱۹۳۲ء کو وکٹوریہ میموریل ہال (موجودہ عجائب گھر) پشاور میں منعقد ہوا۔

خان بہادر سلطان محمد خان رئیس بیٹر

سنہ تاریخ پیدائش ۱۸۸۲ تاریخ وفات ۲۳ ستمبر ۱۹۳۵



محمد فرید خان رئیس بیٹر

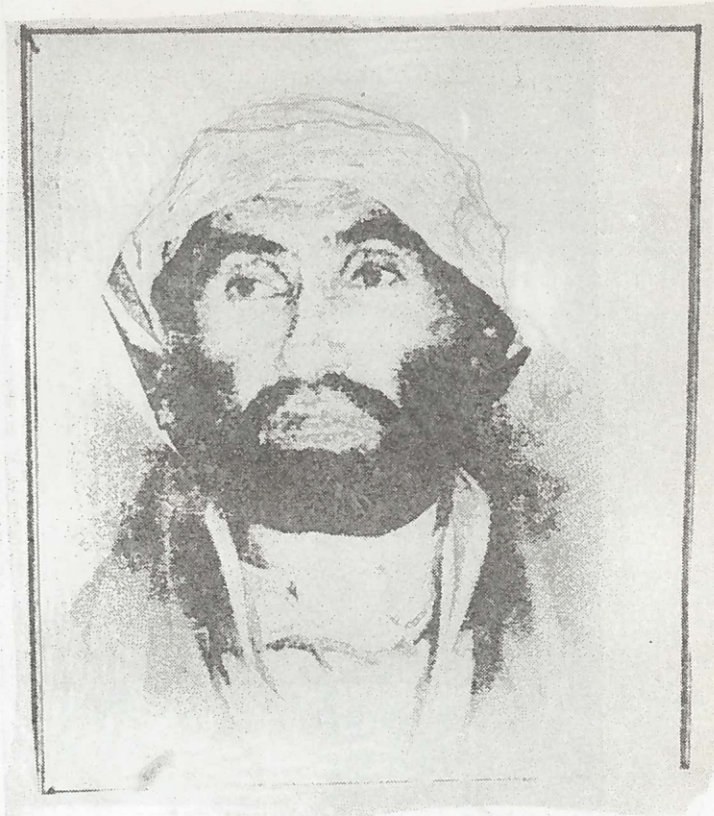
سابق وزیر صحت صوبہ سرحد

ان کے عہد شباب کی ایک نادر تصویر۔ وفات ۸ جولائی ۱۹۵۸ء

سنہ پیدائش ۱۹۰۴ تاریخ وفات ۱۹۵۸



پروفیسر ڈاکٹر رام پال ۴۱۶ پر دیکھیئے



شیخ القرآن مولانا ضیاء الرحمٰن مبلغ اسلام لاس اینجلس (امریکہ)

تاریخ پیدائش ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء

وفات ۲۹ مئی ۱۹۴۳ء



احمد شاہ ابدالی

مرہٹوں کے مسلمانوں پر بڑھتے ہوئے مظالم اور ملک ہوس گیری کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے حضرت شاہ ولی اللہ کے حکم کی تکمیل کی۔ اس طرح پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکستِ فاش دی جس سے اُن کی ہندوستان پر اقتدار کی ہوس ہمیشہ کے لیے مٹی میں مل گی۔

فہرست تصاویر

جنگلات، نباتات، معدنیات، سیر و سیاحت اور پیشے

علاقہ تناول پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا بالکل سمندری اثرات سے منقطع و محفوظ علاقہ ہے۔ تناول کے بعض مقامات کی سطح سمندر سے بلندی ۵۴۰۰ فٹ ہے۔ سب سے بلند مقام بھینگڑہ پہاڑ کی چوٹی ۸۵۰۰ فٹ ہے بلیانہ پہاڑ لوٹر تناول کی چوٹی ۶۱۹۲ فٹ ہے۔ تناول میں بسنے والی تمام اقوام کے لوگ توانا جفاکش جذبوں سے معمور بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ صحیح اعداد و شمار تو مردم شماری کے بعد ہی منظر عام پہ آئیں گے۔ لیکن اندازہ یہ ہے کہ تناول میں اعوان برادری تعداد کے لحاظ سے سرفہرست ہے۔ تناول میں بڑا پیشہ زراعت ہے ۴۸ فیصد لوگ زراعت کے پیشے سے منسلک ہیں۔ ۲۰ فیصد لوگ محنت و مزدوری کرتے ہیں۔ ۹ فیصد لوگ اپنے آبائی پیشے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ۸۰ فیصد لوگ کلریکل، منشی درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہیں۔ ۶ فیصد لوگ افواج پاکستان میں ہیں۔ ہزارہ اور تناول کی آب و ہوا پہاڑوں پر درخت اگانے کیلئے بہت موزوں اور سازگار ہے۔ اسی لیے دو صدیاں پہلے ہزارہ کے تمام پہاڑوں پر گھنے جنگلات تھے کوئی بھی خالی جگہ نہیں تھی یہ بات قابل ذکر ہے فاتح عالم سکندر اعظم ۳۲۷ ق م نے کشتیاں بنانے کا حکم اسی خطہ سرزمین پر دیا تھا۔ ماضی میں زندگی محدود تھی اور جنگلات زیادہ۔ یہ صورتحال اٹھارویں صدی کے اوائل میں یکسر بدل گئی۔ سکھوں نے جنگلات کو نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ شہتوت کے درخت کاٹ کر ریشم کی صنعت کو بالکل ختم کر ڈالا۔ جو زمانہ قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ انگریز آئے انہوں نے فوج رکھنے کے لیے چھاؤنیوں کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور نقل و حرکت کے لیے ریلوے نظام کو سرفہرست رکھا۔ انہوں نے فوری تعمیرات کا سلسلہ شروع کر دیا اس طرح جنگلات کی کٹائی کی ابتدا ہوئی اور کاٹی ہوئی لکڑی تمام ہندوستان میں بھیجی جانے لگی۔

ملک میں طوائف الملوکی ختم ہو کر امن بحال ہو چکا تھا لوگوں نے بھی اپنی زمینوں کی وسعت اور نئے مکانات کی تعمیر کے لیے جنگلات کاٹنا شروع کر دیئے۔ انگریزوں نے

اپنی ضرورت تو پوری کر لیکن لوگوں کے بے دریغ جنگلات کاٹنے کی بے اعتمالی کو بُری طرح محسوس کیا۔ انہوں نے اس طرح ایک قانون بنادیا جو ہزارہ ڈسٹرکٹ فارسٹ کنسرویٹسی ایکٹ ۱۸۵۷ء کہلایا اس کے اطلاق سے تمام درختوں پر مشتمل اراضی یعنی جنگلات ڈپٹی کمشنر کے کنٹرول میں آگئے۔ حکومت کی طرف سے وہ تمام اختیارات کے مجاز تھے جس طرح جنگلات کے تحفظ کے لیے انتظام کریں۔

اس ایکٹ کو ۱۶ سال بعد ہزارہ فارسٹ ریگولیشن ایکٹ ۱۸۷۳ میں تبدیل کردیا گیا۔ اس ایکٹ کی رو سے پہلی بار باقاعدہ جنگلات کیلئے مقررہ رقبہ متعین کیا گیا ریزرو جنگلات حکومت کی ملکیت قرار دیئے گئے۔ اور گزارہ جنگلات مالکانہ حقوق کے ساتھ مالکان کی جائیداد قرار دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی جنگلات اور لکڑی کی اقسام کی درجہ بندی کی گئی یہ ایکٹ پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۹۵۰ تک نافذ العمل رہا بعد ازاں صوبہ سرحد میں جنگلات کی ترقی کے لیے فارسٹ ڈویلپمنٹ کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔ ہزارہ ڈویژن میں مانسہرہ، اور ایبٹ آباد کے اضلاع میں ترقیاتی کارپوریشن نے ایک منصوبہ شروع کیا ہوا ہے اس منصوبے میں بکھلی، کونش، اگرور، تناول رش شامل ہیں۔ یہ پراجیکٹ ایریا درخت اگانے کے لیے اچھی آب وہوا اور زمین رکھتا ہے۔

زمین ۱/۲ سے ۲ تک گہری ہے۔ منصوبے کا ۱۵ فی صد کاشت رقبہ دریائے سرن دریائے کنہار، ندی دوڑ اور نالہ انہار سے سیراب ہوتا ہے آب وہوا نمدار سب ٹراپیکل ہے سالانہ بارش کی شرح بہ جانب مغرب ۷۵۰ ملی میٹر ہے اور ۱۵۰۰ ملی میٹر بہ جانب مشرق ہے بارشوں سے ۱/۲ آدھا پانی جون سے ستمبر تک کے دوران میں حاصل ہوتا ہے۔ بارشوں سے ۱/۴ حصہ پانی فروری سے اپریل تک کے دنوں میں حاصل ہوتا ہے نومبر سال کا خشک ترین مہینہ ہوتا ہے اس مہینہ میں بارش کی شرح ۱۹ سے ۲۳ ملی میٹر ہوتی ہے نقشہ صفحہ ۳۲۷ پر سالانہ بارشوں کی شرح دی گئی ہے یہ جانب مغرب و مشرق دونوں طرف جنوری سال کا سرد ترین مہینہ اور نصف جون سے نصف جولائی گرم ترین مہینہ ہوتا ہے کسی ملک کی اقتصادی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کے ۲۰ سے لے کر ۲۵ فیصد رقبے پر جنگلات ہوں پاکستان

میں کل رقبہ کے ۴.۵ فیصد رقبے پر جنگلات ہیں۔ جنگلات آب وہوا پر اثر انداز ہوتے ہیں درختوں کے پتوں سے بخارات خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اسلئے جنگلاتی علاقوں میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔

حکومت کا بے دریغ جنگلات کاٹنے پر فوری ردِعمل

جنگلات ہزارہ کے درجن بھر مرکزوں میں دو مرکز تناول میں واقع ہیں شیر گڑھ اور شیروان گذشتہ سال اکتوبر ۱۹۹۳ء میں بے دریغ درخت کاٹنے پر حکومت کے فوری ردِعمل کے سلسلے میں جنگلات کی کٹائی پر پابندی عائد کردی گئی۔ ہزارہ ڈویژن میں ۱۵ لاکھ ایکڑ رقبے پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں جن میں ساڑھے تیرہ لاکھ ایکڑ رقبہ نجی شعبے کی ملکیت ہے۔

۱۹۲۷ فارسٹ ایکٹ کے تحت درختوں کا کنٹرول مالک کو حاصل ہے وہ حکومت کی اجازت سے ضرورت کے مطابق درخت کاٹ سکتا ہے کوئی مالک تجارتی مفاد کے لئے درخت نہیں کاٹ سکتا پہلے جنگلات کاٹنے کا کام فارسٹ ڈویلپمنٹ کارپوریشن کرتی تھی جو حکومت اور نجی مالکان کو ضروری رقم ادا کرتی تھی ۱۹۸۱ سے درخت کاٹنے کا کام نجی انجمنوں نے جو مالکوں کی بنائی ہوئی تھیں اور فارسٹ کوآپریٹو سوسائیٹز کہلاتی تھیں نے شروع کر دیا۔

کوآپریٹو سوسائٹی کے قواعد وضوابط کے مطابق۔ ۶۰ فیصد رقم گزارہ مالکان کو ملنی چاہئیے ۲۰ فیصد رقم کا حصہ جنگل میں لکڑی کاٹنے سے لے کر منڈی تک لانے کے اخراجات تک وقف تھا۔ باقی ۲۰ فیصد رقم جنگلات کی نشو ونما کے لئے مقرر تھی۔ لیکن سوسائٹز کے قواعد وضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے برعکس کام ہوا یہاں تک کہ چھوٹے نجی مالکان کی لکڑی جعلی کاغذات کے ذریعے بڑے لوگوں نے ہتھیالی۔ جب حکومت نے جنگلات کی بے دریغ کٹائی اور اس کے حسابات میں گھپلا دیکھا تو حکومت نے بدعنوان کوآپریٹو سوسائٹیز اور محکمہ جنگلات کے بدعنوان اہلکاروں کے خلاف ایک ٹربیونل تشکیل دے دیا گیا۔ اس طرح کوآپریٹو سوسائٹیز ختم کر دی گئیں ان کے بینک

اکاؤنٹ منجمند کر دیئے گئے اور دو سال کے لئے جنگلات کی کٹائی پر پابندی لگا دی گئی۔

۱۹۸۰ء احمد رپورٹ کے مطابق ہزارہ ڈویژن میں سواتی اور سیدوں کے ذرعی قطعات (TRACT) کے مقابلے میں دوسری اقوام کی شرح اس طرح ہے۔

	کاشت رقبہ کنال	غیر کاشت رقبہ کنال
سید	۸ ٪	۶۵ ٪
سواتی	۱۴ ٪	۵۱ ٪
تنولی	۵ ٪	۱۴ ٪
اعوان	۰.۷ ٪	۱۰ ٪
گوجر	۰.۷ ٪	۵ ٪

تناول میں بڑی فصل مکئی ہے جو فصل خریف کہلاتی ہے فصل ربیع گندم اوّل الذکر کے نصف ہوتی ہے۔ مکئی مغل بادشاہ اکبر کے عہد کے بعد دستاور سے ہندوستان میں آئی اور کاشت ہونے لگی ذراعت کی طرح کان کنی کا بھی انسان کا ایک بنیادی پیشہ ومشغلہ ہے۔ موجودہ تہذیب کا ارتقاء معدنیات کا مرہون منت ہے سوائے سونے کے کوئی دھات زمین سے خالص نہیں نکالی جاتی معدنیات جو زمین سے خام حالت میں نکالی جاتی ہے اس میں بہت سی کثافتیں شامل ہوتی ہیں۔ لوئر تناول شیروان روڈ پر کھنڈا کھوہ کی کان سے سوپ سٹون نکالا جاتا ہے۔ جو پاکستان کی چالیس صنعتوں میں استعمال ہوتا ہے یہ منقم ہندوستان سے پہلے کا نکالا جا رہا ہے۔ اسی روڈ پر پنڈ کرگو کے نزدیک تھوڑے فاصلے پر میگنا سائیٹ پاکستان صنعتی کارپوریشن کے زیر اہتمام نکالا جا رہا ہے۔ جو کراچی سٹیل کارپوریشن کی کچھ ضرورت پوری کرتا ہے چند سال قبل اسی روڈ پر فاسفیٹ کے ذخائر بھی دریافت ہوئے ہیں جو عمدہ قسم کا ہے۔ تناول میں معدنیات بہت کم نکالی جاتی ہے اب بیٹر کے مقام پر بھی سوپ سٹون نکالا جا رہا ہے۔

سیر و سیاحت کے نوے فیصد مقامات ہزارہ ڈویژن میں واقع ہیں سیر و سیاحت کے فروغ کیلئے ابھی تک آٹے میں نمک کے برابر کچھ نہیں ہوا میں جب پہلی بار ۱۹۷۷ میں ہندوستان گیا تو بمبئی میں لالہ ہربنس لال گوسوامی آنجہانی جن کا تعلق ایبٹ آباد سے تھا مجھ سے پوچھا سنا ہے ایبٹ آباد ریلوے سٹیشن بن گیا ہے اور ریلوے لائن مانسہرہ سے گھومتی ہوئی

وادی کاغان تک پہنچائی جا رہی ہے۔ ریلوے سٹیشن بن جانے سے ایبٹ آباد کی رونق میں بہت اضافہ ہوا ہوگا سننے میں آیا ہے چیئر لفٹ اور چڑیا گھر بھی بن گیا ہے تو میرے بھائی پھر کیوں نہ رونق ہوگی۔ میں خاموشی سے لالہ جی کی باتیں سنتا رہا لیکن دماغ غیر دانستہ ماضی کے دریچوں کی کڑیاں ملاتے میں محو رہا۔ مجھے فوراً یاد آیا ایبٹ آباد ۱۹۰۵ء میں ریلوے سٹیشن نہ بن سکا جبکہ وہ اس کا حقدار تھا اور ریلوے بورڈ آف انڈیا کی طرف سے ریلوے سٹیشن بننا منظور ہو چکا تھا دراصل ۱۹۰۰ سے قبل کشمیر کو ریلوے لائن کے ذریعے ہندوستان سے ملانے کے لیے ریلوے لائن بچھانے کے واسطے تین راستوں کا انتخاب ہوا کشمیر ریذیڈنٹ اور اس کے زیر اہتمام سٹیٹ کونسل نے غور و عوض کے بعد یہ فیصلہ کیا۔ بہترین راستہ جو کشمیر کو ہندوستان سے ملائے اس کا انحصار قدرتی ذرائع آمد و رفت پر ہونا چاہیئے جو سہل و آسان ہو۔ اس نظریہ کو بپیش نظر رکھتے ہوئے ایک راستہ منتخب ہوا۔ ۱۸۹۱ء میں مسٹر اندڑسن نے اس راستے پر لائن بچھانے کا سروے شروع کیا۔ مسٹر اندڑسن نے ۱۹۰۲ء میں ۳۹۲ ۹۶ د ۲۲ ۲ اور دپیوں کی لاگت سے میٹر گیج پیٹری کا تخمینہ سرائے کالا براستہ ایبٹ آباد تا دومیل اور دومیل سے سری نگر ۷۰ ۱ د ۹۷ د ۷۔ اردپیوں کا تخمینہ مسٹر میگنم کو پیش کیا یاد رہے اس وقت حویلیاں تک ریلوے لائن نہیں بچھائی گئی تھی۔ ریلوے بورڈ آف انڈیا نے قرضہ مہیا کرنے کے لیے کشمیر دربار کو ہدایت کی کہ وہ کھلی مارکیٹ میں قرضہ حاصل کرنے کا رسک لے گورنمنٹ انڈیا نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۵ء کو اس منصوبہ کی حتمی منظوری دے دی۔ اب بھی چھ ضخیم جلدوں میں دیمک سے محفوظ اس منصوبہ کی کارگزاری ریلوے سنٹر ریکارڈ آفس دہلی میں رکھی ہوئی ہے تفصیلات کے لیے سوشل اکنامک ہسٹری آف کشمیر ۱۹۲۵ د ۱۹۴۶ء دیکھئے۔ بہر کیف یہ بڑی خوش آئند بات ہے اتنے عرصے میں ریلوے لائن تو نہ بچھ سکی لیکن پاکستان ضرور بن گیا۔ انقلاب زمانہ دیکھئے کشمیر متنازعہ ہے اللہ کرے پاکستان کی طرح تحریک کشمیر بھی کامیابی سے ہمکنار ہو اور کشمیریوں کو ان کا حق ملے تاکہ کاغذی منصوبہ پایۂ تکمیل تک جا پہنچے۔ لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے حویلیاں

ریلوے اسٹیشن سے مانسہرہ تک ریلوے لائن بچھا کر وادی کاغان کی سیر وسیاحت کو فروغ دیا جائے اس کے لیے کاغان میں کیبل وے نظام تنصیب کیا جائے ۔

جب راجہ تری دیو سیر وسیاحت کے وزیر تھے ان کے عہد میں سیر وسیاحت کے فروغ کے لیے بالخصوص ہزارہ ایک جامع منصوبہ تیار ہوا اس منصوبے کو عملی جامعہ پہنانے کیلئے دو مشہور و معروف شہرت یافتہ جرمنی کمپنیوں سے بات چیت جاری تھی کہ راجہ تری دیو کے سیر وسیاحت سے چلے جانے کے بعد آج تک کسی نے سیر وسیاحت کے فروغ میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ کاغذی منصوبہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ دیمک ذدہ ہو کر تلف ہوا مجھے چند ترقی پذیر ممالک کے محکمہ سیر وسیاحت کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ۔

باوجود اپنے محدود وسائل اپنی کارکردگی کے لحاظ سے وہ ٹورازم بہت منظم اور فعال ہیں سیاحوں کی آمد سے سالانہ ایک خطیر رقم زرِ مبادلہ کماتے ہیں ۔ انگریزوں نے شملہ پہاڑی اور اس سے متعلق بہت سی آراضی کو چھاؤنی کی حدود میں شامل کرنے وہاں رہائشی بنگلے انگریز بچوں کے لئے ایک اعلیٰ تعلیمی درسگاہ ڈیفنس لائیبریری ، چرچ ، ہسپتال اور مونیٹری بٹالین ٹریننگ سنٹر کے لئے ایک جامع سکیم تیار کی ہوئی تھی تاکہ اس جگہ کو بالکل قابل دید بنایا جاسکے ۔

یہ منتخب جگہ موجودہ گورنر ہاؤس کے گردو نواح میں دور تک اور مغرب کی جانب توتنی گاؤں تک محدود تھی جس میں کچھ تبدیلی ہوئی ۔ گورکھا مونیٹری بٹالین ایریا کے لیے علیحدہ جگہ توتنی براستہ منگل تا مانسہرہ موزوں قرار پائی ۔ اس جگہ کا لینڈ سروے ہونا باقی تھا کہ جنگِ عظیم دوئم برطانیہ کے اعلان شیمولیت ستمبر ۱۹۳۹ کے بعد برطانیہ جنگ کے مہیب سائے تلے ڈوب گیا۔

۱۹۴۳ء میں جنگ کے شعلے اس تیزی سے بھڑک اٹھے کہ ہندوستانی افواج کو غیر ممالک میں ہر محاز پر برسر پیکار رہنا پڑا اور یہ منصوبہ پلاننگ کی حد تک محدود رہا۔ آج ۵۵ سال بعد ایک ہموار اور پائیدار سڑک جو تناول کے اندر سے ہو کر انگریزوں کے اس زیر تجویز منتخب مقام سے ہو کر گزرتی ہے نئی تعمیر کی گئی ہے جو دو ضلعوں ایبٹ آباد اور مانسہرہ کو آپس میں ملاتی ہے

بلکہ یوں اندرونِ تناول اس سڑک سے تینوں ضلعوں کا آپس میں رابطہ ہوتا ہے ۔

شاہرہ تناول جوہری پورہ سے براستہ بیٹر، چھپڑ کے مقام تک جاتی ہے ۔ یہ الگ آمد ورفت کے لیے ایک بڑی سڑک ہے ۔ اس سڑک کا رابطہ شیروان ایبٹ اباد سے ہوگا۔ جو کچھ عرصہ پہلے زیرتعمیر تھی

نباتات کے لحاظ سے تناول زرخیز ہے ۔ جڑی بوٹیوں سے بالکل مالا مال ہے ۔ گل بنفشہ، سنبل، مشک بالا، تارامیرا، جنگلی پودینہ، انار دانہ، کنوار کندل، بھنگ کی بہتات ہے

وائلڈ لائف کے لحاظ سے تناول سرفہرست ہے یہاں کے جنگلی جانور اور پرندے ہندوستان بھر میں مشہور تھے، بالخصوص خارپشت جس کو ہندکو زبان میں سیہہ کہتے ہیں ۔ جسامت اور خاردار کانٹوں کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتی ۔ جنگلات کے محدود ہونے اور شکاریوں کے بے دریغ شکار سے وائلڈ لائف کو بہت نقصان پہنچا ہے ۔ یہاں تک بہت سی پرندوں کی اقسام اور جنگلی جانور ناپید ہو چکے ہیں۔

کالا ریچھ جو جھاڑیوں میں خوراک کی تلاش میں کبھی کبھار بھٹک کر لوگوں کی نظروں میں آجاتا تھا ۔ کافی عرصہ سے ناپید ہو چکا ہے ۔ یہاں تک لومڑیاں اور گیدڑ جو سردی کی وجہ سے رات کو آوازیں نکالتے رہتے تھے عرصہ دو سال سے بالکل خاموش ہو گئے ہیں ۔

لوگوں میں ایک روایت مشہور ہے ۔ جب پھوہاڑی بولتی ہے یعنی بڑی عمر کی مادہ گیدڑ تو کوئی مصیبت ضرور آنے والی ہوتی ہے ۔

تناول کی آبادی کا بڑا حصہ سنی مسلمان ہے تمام لوگ ایسے مزارت کی تعظیم کرتے ہیں ۔ جو کسی بزرگ سے منسوب ہوں ۔

معاشرتی زندگی ۔ تنولیوں میں عام طور پر سماجی یا طبقاتی امتیازات روا نہیں رکھے جاتے تاہم بعض خاندان ایسے ہیں جو مختلف وجوہات کی بنا پر اپنے ساتھیوں سے اعلیٰ سماجی مرتبہ کا دعویٰ رکھتے ہیں ان میں سادات بھی شامل ہیں ۔ دیگر تناول میں بسنے والی اقوام میں امتیازات بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں

تناول کی تین نامور شخصیات کو کتاب میں شامل کرنیکا مشورہ

تاریخ تناول پڑھنے کے بعد ملک کے بہت سے صاحب علم و دانش حضرات جو تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں بالخصوص صوبہ سرحد اور کراچی نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ تین نامور شخصیات جن کا تعلق تناول سے ہے کتاب میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں ان کے بغیر تاریخ تناول نامکمل ہے اس کے ساتھ ہی مشورہ دیا گیا کہ ان شخصیات کو کتاب میں شامل کیا جائے میں نے ان کا مشورہ بسر چشم تسلیم کرتے ہوئے مرحومین کو شامل کتاب کیا ہے۔

دراصل تاریخ کا اصل مقصد حالات و واقعات کے ساتھ شخصیات جن سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور تاریخ بنتی ہے مکمل طور پر سچے اور صحیح طریقے سے نمایاں پیش کیا جائے تو قارئین کرام تین نامور شخصیات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد اسحاق خطیب ہزارہ

۲۔ شیخ القرآن مولانا ضیاء الرحمٰن مبلغ اسلام لاس انجلیس امریکہ

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر رام پال مشہور سائنس دان انڈیا

(جن کا انتقال ۲۴ فروری ۱۹۷۸ء کو دہلی میں ہوا)



مولانا محمد اسحاق (مرحوم)

خطیب ہزارہ

مولانا محمد اسحاق مرحوم لساں نواب صاحب اپر تناول میں مولانا رحیم گل کے گھر پیدا ہوئے۔ آپکے والد لساں میں نواب صاحب کی طرف سے قاضی مقرر تھے مولانا محمد اسحاق نے اپنے وقت کے مشہور و معروف شہرت یافتہ جدید علوم سے آراستہ علمائے عصر سے تعلیم حاصل کی آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن، محدث العصر مولانا سید انور شاہ کاشمیری شیخ العرب و العجم مولانا سید محمد حسن مدنی حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی مولانا رسول خان، مولانا عزیز الرحمان اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے اکابرین ملت کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

آپ تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں رہے اور معاون مدرس کی حیثیت سے تدریس شروع کی اس کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ گلاوٹھی بلند شہر تعلیم دیتے رہے بمبئی کے دارالعلوم اسلامیہ اور لاہور کے دارالعلوم غوثیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے علوم و فنون کی تمام کتب پڑھائیں۔

آپ ایک جید عالم تھے آپ کا علم بہت وسیع اور نگاہ عمیق تھی آپ کی شخصیت کا ایک پہلو صاف گوئی اور بیباکی تھی جو ہمیشہ آپ کا طرہ امتیاز رہی تدریس کے ساتھ ساتھ آپ فتویٰ نویسی کا شغل بھی رکھتے تھے بہت سے اہم فتاویٰ آپ کی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپنے چند کتب بھی تحریر فرمائیں جن سے آپکی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) سیف الفاروق (۲) مخزن العلوم شرف مسلم العلوم (۳) شرح میر قطبی
(۴) شرح تصیریع

ان چار کتب کے علاوہ پردہ پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے آپ امتحان مولوی فاصل کے ممتحن بھی رہے آپ کا ۱۹۲۱ میں تقرر بحیثیت خطیب مرکزی جامعہ مسجد ایبٹ آباد ہوا. پچاس سال تک امامت وخطابت کے فرائض بہ احسن طریقہ سرانجام دیئے آپ کی خطابت سرزمین ہزارہ کیلئے سیاسی بیداری کا باعث رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ریفرنڈم صوبہ سرحد کے موقع پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے خصوصی طور پر آپ کا انتخاب کیا آپ نے اپنی تقاریر سے نظریہ پاکستان کو صوبہ سرحد میں روح و جان بنادیا۔ جب روس نے دوسری جنگ عظیم ۱۹۴۵ء کے اختتام پر روسی ترکستان کی مسلم ریاستوں کو روس میں مدغم کیا تو وہاں کے مسلمان باشندوں نے سخت احتجاج کیا۔ جن پر سختی کی گئی اور نوبت یہاں ہجرت تک جا پہنچی کچھ لوگ براستہ کشمیر ہندوستان میں داخل ہونے لگے۔ مہاراجہ کشمیر نے ان کا مال واسباب چھین کر ان کو جیل خانوں میں بند کر دیا اور ان ستم زدہ انسانوں پر مزید ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیئے جب ہندوستان کے مسلمانوں تک اس ظلم وستم کی صدائے بازگشت پہنچی تو انہوں نے سخت احتجاج کیا۔

چنانچہ مولانا محمد اسحاق فوراً سری نگر تشریف لے گئے اور جامع مسجد سری نگر میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مہاراجہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا مہاجرین قیدیوں اور ان کے لوٹے ہوئے مال واسباب کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ کی تقریر سے ریاست میں باغیانہ فضا پیدا ہوگئی مہاراجہ کشمیر نے آپکی گرفتاری کا حکم دیا لیکن آپ ریاست میں مسلمان افسران کی وجہ سے گرفتار نہ ہوسکے بالآخر مہاراجہ کشمیر کو مجبور ہو کر قیدی مہاجرین کو آزاد اور ان کا چھینا ہوا مال واسباب واپس کرنا پڑا۔

آپ علمائے کرام کی بے حد عزت کرتے تھے علمائے اکرام کسی مسلہ میں الجھتے یا پریشاں ہوتے تو آپ فوراً اس الجھن اور پریشانی کو دور کر دیتے تھے آپ غریب وامیر کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے تھے آپ کی صاف گوئی اور بے باکی کی تعریف آپکے مخالفین بھی کرتے

تھے .آپ نے حق کے اظہار میں کبھی مصلحت یا لاپرواہی نہیں کی

ڈاکٹر خانصاحب ۱۹۳۵ میں وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد تھے۔ تو آپ سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو خانصاحب نے علمائے اکرام کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کئے تو آپ ڈاکٹر خانصاحب پر برہم ہوگئے آپ نے ڈاکٹر خانصاحب کو قائل کرتے ہوئے ان کو اپنے سخت الفاظ واپس لینے پر مجبور کر دیا ڈاکٹر خانصاحب آپکے علم، جرأت اور بیباکی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ سے معافی مانگ لی اس کے بعد تمام عمر ڈاکٹر خانصاحب آپ کی عزت کرتے رہے آپ کو ۱۹۴۵ء تحریک پاکستان کے سلسلے میں حکومت صوبہ سرحد نے گرفتار کیا تو ڈاکٹر خانصاحب نے آپکی رہائی کا حکم دے دیا لیکن آپ نے رہا ہو کر باہر جانے سے انکار کرتے ہوئے کہا اب انشاء اللہ پاکستان بن جانے کے بعد ہی باہر آؤں گا۔

سکندر مرزا سابق صدر پاکستان کا تعلق بنگال کے میر جعفر خاندان سے تھا جنہوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور جنگ پلاسی میں سراج الدولہ شہید ہوئے سکندر مرزا بہت اچھی پشتو بولتے تھے پشاور اور ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے۔ ۱۹۳۵ میں جب وہ ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ صوبہ سرحد سے علما کونسل کی تشکیل کے لیے مولانا محمد اسحاق (مرحوم) کا نام تجویز ہوا تو سکندر مرزا نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے گورنر سرحد کو لکھا میں مولانا محمد اسحاق کو اچھی طرح جانتا ہوں علما کونسل میں اُن کی شمولیت حکومت صوبہ سرحد کے لیے مشکلات کا باعث ہوگی۔

۱۹۴۷ تقسیم ہند کے بعد وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد خان عبدالقیوم خان نے کھلے دل سے آپکی ملی و تحریک پاکستان میں ناقابلِ فراموش خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ایک عالیشان متروکہ بلڈنگ الاٹ کرنا چاہی تو آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا جس طرح ہندو چھوڑ گئے ہیں مجھے بھی ایک دن چھوڑنا پڑے گا یہ کسی مہاجر کا حق ہے میں کسی کا حق لینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

آپکی بیباکی اور جرأت کی ایک ناقابلِ فراموش مثال جو اب تک دیکھنے میں نہیں آئی

ایک دفعہ گورنر جنرل غلام محمد ایبٹ آباد آئے اور نواں شہر میں قیام کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی مولانا محمد اسحاق یہاں آکر جمعہ پڑھائیں آپ نے اُن کے ملٹری سیکرٹری کو جواب دیا اگر گورنر جنرل کو میری اقتدا میں نماز پڑھنی ہے تو وہ ایبٹ آباد کی عیدگاہ میں تشریف لے آئیں یہ روکھا سا جواب سن کر اپنے عہد کے سیاہ و سفید کے مالک غلام محمد گورنر جنرل تلملا اُٹھے لیکن مولانا کی بیباکی اور جرأت کے آگے بے بس تھے اس لئے خاموشی سادھ لی۔

برِصغیر میں مولانا محمد اسحاق مرحوم کے کئی مشہور و معروف تلامذہ میں حضرت بدر عالم مدنی بھی تھے جنہوں نے آپ سے دیوبند میں استفادہ کیا تھا۔ آپ جب دوسری بار ۱۹۶۴ء میں حج پر تشریف لے گئے تو ان سے ملاقات کی بہت سے حضرات جو ان کی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے آپ بھی اُن لوگوں میں نیچے بیٹھ گئے آپ کی جب باری آئی تو سلام و دعا کے بعد آپ نے حضرت بدر عالم مدنی سے فرمایا آپ نے مجھے پہچانا ہے تو انہوں نے جواب دیا نہیں مولانا نے کہا میں وہی محمد اسحاق ہوں جو دارالعلوم دیوبند میں آپ کو فقہی کتب پڑھایا کرتا تھا۔

یہ بات کہنی تھی کہ حضرت بدر عالم مدنی فوراً اٹھے آپ سے بغلگیر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے عزت و احترام سے اپنے ساتھ بٹھایا اس طرح دو دن تک مولانا کو اپنا مہمان بنانے کی سعادت حاصل کی۔

مولانا محمد اسحاق مرحوم خطیب ہزارہ بلند شخصیت کے مالک تھے غریب پروری ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی بیسیوں مستحق افراد کو اپنے اثر سے روزگار دلائے جو پریشان نظر آتا اس کی پریشانی کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتے آپ دراز قد رنگ سرخ و سفید گھنی داڑھی آنکھوں پر عینک استعمال کرتے تھے بالکل سادہ خوراک استعمال کرتے تھے صحت اچھی تھی چھ ماہ بیمار رہنے کے بعد ۳۱ اگست ۱۹۷۱ بعمر اسی سال اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے آپ کی رحلت کی خبر سنکر صف ماتم بچھ گئی ایبٹ آباد کا مشہور جرنل خطیب ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا

آپ کی شخصیت فرقہ واریت سے بالاتر تھی یہی وجہ ہے ہر مکتب فکر کے لوگ آنکھوں میں آنسو لیے آپ کے جنازے میں شریک تھے۔ جناب نشتر رام پوری نے تاریخ وفات کہی جو مزار کی زینت بنی وفات بعمر ۸۰ سال بروز شنبہ (منگل) بوقت عصر ۹ رجب ۱۳۹۱ ہجری بمطابق ۱۹۷۱

زمانے کی ہر چیز ہے بے ثبات۔
ہے باقی قائم خدا ہی کی ذات
سرحادثہ چھوڑ کر لکھو نشتر
خطیب ہزارہ نے پائی وفات

شیخ القرآن مولانا ضیاالرحمٰن مبلغ اسلام لاس انجلس (امریکہ)

ولادت ۲۰ شوال ۱۲۹۲ بمطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۷۵ء

وفات ۲ صفر ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء

آپ ۱۸۷۵ء ڈیرہ لالوگلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ تھے اور ہری پور کے نزدیک شاہ محمد میں بچوں کو پڑھاتے تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپکے والد نے ملازمت کے سلسلے میں دہلی ہجرت کی اور محلہ بلیماراں میں سکونت اختیار کی مولانا ضیاالرحمٰن کی باقی تعلیم دہلی میں رہ کر ہوئی فراغت تعلیم کے بعد آپ کچھ عرصہ سرکاری مدارس میں سکول ٹیچر رہے بعدازاں دہلی کی قدیم مسلم یونیورسٹی جامع ملیہ میں پڑھایا آپ جامع ملیہ میں ہی تھے کہ حکومت حیدر آباد دکن نے آپ کی خدمات بحیثیت ناظم اعلیٰ محکمہ تعلیم کے لئے حاصل کرلیں۔ آپ تقریباً ۵ سال اپنے کام کو بہ احسن طریقہ سے انجام دے رہے تھے کہ یکے بعد دیگرے والدین کی وفات کے سبب آپ کو دکن میں ملازمت کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور آپ دہلی واپس آگئے آپکے خاندان کی قبور دہلی میں ہیں آپ نے حیدر آباد دکن سے واپس دہلی آنے کے بعد دوبارہ کہیں بھی ملازمت نہیں کی اور آپ امریکہ چلے گئے وہاں بھی ملازمت نہیں کی تبلیغ اسلام کا بیڑہ اٹھایا اور اسے خوب نبھایا۔

بقول مولانا کوثر نیازی (مرحوم) اگر کوئی بیرونِ دنیا تبلیغ اسلام کی تاریخ مرتب کرے تو اس کو وطن عزیز پاکستان سے صرف تنہا ایک شخصیت کا نام ملے گا جو ۱۹۱۰ء سے تبلیغ اسلام کے لئے نہایت مستعدی، سرگرمی اور جانفشانی سے بیرون ملک مشغول تھے۔ یہ وہ دور تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں یلغار کی ہوئی تھی ان مشنریوں کے بانی وسرپرست انگلستان اور امریکہ سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے مشن کے لیے بے دریغ سرمایہ پانی کی طرح بہا رہے تھے۔ اور لوگوں کو لالچ دے کر عیسائی بنا رہے تھے یورپ وامریکہ کی مشنریوں کے سرپرستوں کا مولانا سے صرف ایک ہی سوال تھا کہ مولانا آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں تو مولانا دھیمے لہجے میں فرماتے آپ سے

ملاقات کا بے حد شوق تھا بیٹھیئے کچھ مذہب کے متعلق باتیں کرلیں تو مولانا دلائل سے قائل کرکے ان کو دعوت اسلام دے دیتے تاریخ گواہ ہے مولانا نے امریکہ میں سینکڑوں غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔

امریکہ میں مستقل رہائش پذیر ایک معزز واعلیٰ مسلم خاندان جن کا تعلق تونس سے تھا مولانا کی شادی ہوئی آپ کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلامی ممالک کے تعاون سے اسلامک ریسرچ سنٹر قائم کیا اور اس میں بحیثیت ایک مسلمان سکالر کے کام کرتے رہے۔ والئی امب نواب صاحب خانیزمان خان کے وزیر رحمت اللہ خان وفات (۱۹۵۳) اور ان کے چھوٹے بھائی صفی اللہ خان وفات (۱۹۳۸) دونوں بھائی صاحب علم ودانش تھے ان دونوں بھائیوں کی مولانا ضیاالرحمٰن سے خط وکتابت تھی۔ مولانا ایک جید عالم بلند پایہ کے مقرر تھے۔ ان کا خطابت کا انداز بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ انگریزی زبان کے روح رواں تھے۔ مولانا کی صحت قابلِ رشک تھی۔ اچانک سینے میں درد اٹھا جو جان لیوا ثابت ہوا سہ پہر ۲۹ مئی ۱۹۳۳ کو اپنی جان حقیقی خالق کے سپرد کردی۔

اپنے بدن سے بے عملی کا اتار خول
اہل جہاں میں گوش بر آواز کچھ تو بول
تاریخ کر رہی ہے مقاصد کی ناپ تول
اے قوم اپنے نامۂ اعمال کو ٹٹول

پروفیسر ڈاکٹر رام پال

پروفیسر ڈاکٹر رام پال پھلڑہ ایر تناول کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد اور چچا اکھٹے تجارت کرتے تھے جن کا کاروبار دور دراز تک پھیلا ہوا تھا آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی بعد میٹرک آریہ ہائی سکول ایبٹ آباد سے کیا بی ایس سی گورڈون کالج راولپنڈی سے کیا۔ آپ کا خاندان تقسیم ہند کے بعد دہلی چلا گیا اور آپکی بقیہ تعلیم امریکہ اور کینیڈا میں ہوئی کیلے فورنیا یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا اور ٹورنٹو یونیورسٹی سے نیوکلیر فزکس میں ٹاپ کیا آپ نے متعدد سائنسی کتب بھی تحریر کیں جن میں ایٹم تھیوری آف میٹر اور الیکٹرانکس موشن کے علاوہ ایک تیسری کتاب الیکٹرانکس کنسپٹ آف اپلیکیشن کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ انڈیا نیوکلیئر پاور کارپوریشن کے ڈائریکٹر رہے راجھستان اور تامل ناڈو کے ری ایکٹر قائم کرنے میں آپکی کوششوں کا بڑا دخل ہے آپ ہندوستان کے مایہ ناز شہرت یافتہ ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر بھابھا جو انڈیا ٹامک انرجی کے چیئرمین تھے اور نیویارک جاتے ہوئے ہوائی جہاز حادثہ کا شکار ہو گئے تھے ان کی زیر قیادت کام کرتے رہے ہیں ڈاکٹر بھابھا زندہ ہوتے تو ہندوستان ۱۹۷۴ء سے پہلے ایٹمی دھماکہ کر چکا ہوتا۔ حکومت ہندوستان نے مزید مہارت کے لئے آپ کو ماسکو بھیجا آپ نے دو سال تک مشہور روسی سائنسدانوں کے ساتھ کام کیا اور اُن کے تجربات سے استفادہ حاصل کیا۔ آپ کو تین شہرت یافتہ بین الاقوامی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہونے کا اعزاز حاصل ہے بیرون ملک متعدد بار سائنس کانفرنسوں میں حکومت ہند کی نمائندگی کی جب اسلام آباد آئے تو مانسہرہ بھی گئے اور اپنے جنم بھومی کا طوائف کیا آپ ہندوستان کے کہنہ مشق ذہین سائنسدان تھے آپ کا انتقال ۲۴ فروری ۸۷ء بوجہ ہارٹ اٹیک دہلی میں ہوا۔

تناول کے تاریخی مقامات

امب :۔ بدھ عہد کا مشہور و معروف شہر تھا جسے انہوں نے اپنے جغرافیہ دمیون میں ظاہر کیا ہے۔ فاتح عالم سکندر اعظم نے یہاں قیام کیا اور عسکری مرکز کے لئے یہ جگہ پسند فرمائی۔ مشہور شہرت یافتہ عالمی جغرافیہ دان ٹالمی اسے دریائے سندھ کے دائیں جانب ظاہر کرتا ہے بدھوں کے زمانے میں یہ بستی بہت عروج پر تھی۔ انہوں نے اپنی ٹیکسٹ کتب میں اس کا ذکر ”امبولی ما“ کے نام سے ظاہر کیا ہے۔ جو اس زمانے میں عام بول چال میں زبان زد تھا۔ یونانیوں نے بھی بدھ عہد کے اس بارونق شہر کو امبولیما ہی لکھا جو کئی صدیاں گزرنے کے بعد یکجا نہ رہ سکا جس طرح دیگر لفظ اپنی ہیت کھو دیتے ہیں امبولیما نے اپنی ہیت نہیں کھوئی۔ بلکہ لفظ تقسیم ہو گیا اور مختصر ہو کر امبولیما سے امب ہو کر عام بول چال میں آگیا۔ تنولیوں کا یہ تاریخ ساز علاقہ تربیلا ڈیم بن جانے کے سبب زیر آب ہے۔

چھچھڑ :۔ البیرونی نے ہندوستان پر ایک کتاب لکھی تھی جو کتاب الہند“ کے نام سے مشہور رہی ہے اس کتاب میں جس راستے پر اس نے شہر کا ذکر کیا ہے اسے عرصہ دراز تک چھچھڑ سمجھا جاتا رہا۔ چھچھڑ کا پرانا نام بیرہان ہے جو ”باب ریحان“ سے بگڑ کر برہان ہو گیا۔ چھچھڑ کا نام ۸۴، ۱۸۸۳ ہزارہ گزیٹر میں باب ریحان ہی لکھا ہوا ہے۔ البیرونی کا بیان کردہ راستہ کابل سے کشمیر جاتے ہوئے اٹک سے دھمتوڑ، بیرن گلی، پتن، راڑہ، مظفر آباد جاتا تھا۔ اس راستہ پر مذکورہ شہر آب و تاب کے ساتھ آباد تھا۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے۔ البیرونی کا تعلق بیرون کوٹ (حیدر آباد سندھ) کا پرانا نام سے تھا۔ وہ تواریخی حوالہ جات سے ثابت نہیں کر سکے۔

البیرونی کا نام ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی تھا۔ وہ وسطی ایشیا کے شہر خوارزم کے نواحی گاؤں خیوا میں ۹۷۳ کو پیدا ہوئے یاد رہے کہ میجر جمیز ایبٹ اسی شہر میں گرفتار ہوتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر ۱۷ حملوں کے دوران البیرونی ان کے ساتھ تھے۔

وہ بہت بڑے عالم تھے ان کی شہرت دور تک پھیلی ہوئی تھی البیرونی نے دوسو کتابیں تحریر کیں جن میں سے تین بہت مشہور ہیں۔ قانون المعسودی، کتاب الجماہیر، کتاب الہند جس میں مذکورہ شہر کا ذکر ہے۔

سیس پال

ایبٹ آباد شیروان روڈ پر واقع صوبن گلی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر لبِ سڑک سیس پال کے مقام پر پہاڑ کی چوٹی پر شیر کا ایک تاریخی مجسمہ ہے جو بیٹھے ہوئے دور دیکھ رہا ہے۔ قدیم روایت کے مطابق نشیبی آبادی جو آج کل میال کے نام سے موسوم ہے مذکورہ شیر وہاں بھیڑ بکریوں کا شکار کرتا تھا جس سے کافی نقصان ہو چکا تھا لوگ بھیڑ بکریوں کے مار ڈالنے سے سخت نالاں و پریشان تھے۔ لوگوں نے اکٹھے ہو کر بزرگ سید غازی شاہ سے التجا کی جو کہ کافی عرصہ سے تارک الدنیا تھے اور عبادت میں مشغول تھے۔ انہوں نے کہا اچھا جب شیر آئے گا تو مجھے آگاہ کرنا کہتے ہیں شام کے وقت جب شیر بیٹھے ہوئے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے شکار کا جائزہ لے رہا تھا۔ بزرگ سید غازی شاہ اپنے مسکن سے باہر آئے انہوں نے شیر کی طرف ہاتھ کر کے با آواز بلند کہا میرے اللہ کے حکم سے ساکت و جامد ہو جا تاکہ عبرت رہے تیری عمر تمام۔ اس کے بعد شیر جس طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا ساکت و جامد ہو گیا۔ اس کا بال بال پتھر بن گیا اس جگہ کا نام سیس پال ہے یہ ہندکو کے الفاظ ہیں سیس ہندکو میں شیر کو کہتے ہیں اور پال کے معنی دیکھنے کے ہیں یعنی شیر کے دیکھنے کی جگہ آج بھی وہ شیر اسی طرح دیکھ رہا ہے جس طرح کئی صدیاں پہلے تھا۔ جن لوگوں کو اس عبرت ناک حقیقت کا علم ہے وہ اسے دیکھنے ضرور آتے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

یہ اللہ کا حکم ہے تیری کیا مجال رہے عبرت یہ ہے قدرت کا کمال
ساکت و جامد مجسمہ پتھر ہے اب تو رہے گی لوگوں میں تیری یہ مثال

انتقام کی آگ

زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے ۱۷۶۱ میں احمد شاہ ابدالی کے دست راست زبردست خان المعروف صوبہ خان سے متھرا اور بھرت پور میں یہاں باغیوں نے اودھم

مچا رکھا تھا اور غارت گری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کوئی گھر ایسا نہ تھا یہاں عزت و جان و مال محفوظ ہو زبردست خان المعروف صوبہ خان نے باغیوں کا صفایا کیا اور ان کے لوٹ مار کے اڈوں کو بالکل نیست و نابود کر کے امن بحال کیا تاکہ پر امن لوگ سکھ کا سانس لے سکیں لیکن مسلمانوں سے انتقام کی آگ نسل در نسل متعصب و تنگ نظر ہندوؤں میں منتقل ہوتی رہی جب کچھ نہ بن سکا تو متھرا کے ہندوؤں نے فتح پور سیکری میں مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے مقبرے کو کھود کر اس کی ہڈیاں تک جلا ڈالیں۔ قصور صرف اتنا تھا اس نے کئی ہندو عورتوں سے شادیاں کیں کیں تھیں

کوکلاں

لوہر تناول کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے یہ بہت قدیم اور تاریخی ہے ہزارہ کی افسانوی شخصیت راجہ رسالو جو سالبا ہن کا بیٹا تھا ہزارہ میں اس کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ اور بہت سے مقامات سے منسوب یہ چلا آ رہا ہے جن میں کوکلاں کا قصبہ بھی منسوب ہے۔ کوکلاں راجہ رسالو کی رانی تھی اس کے محلات وہاں تھے یہاں کوکلاں کا قصبہ آباد ہے پرفیسر پورن سنگھ (۱۸۸۱ تا ۱۹۳۱) کی تحقیق کے مطابق یہ وہی مقام ہے جہاں راجہ رسالو کی رانی کوکلاں رہتی تھی۔

پرفیسر پورن سنگھ اپنی کتاب "کھلے لیکھ" میں راجہ سالباہن اور رانی لوناں کا قصہ پنجابی زبان میں لکھ چکے ہیں راجہ رسالو بھی پنجابی زبان میں لکھ رہے تھے۔ پروفیسر صاحب کی شخصیت پر ایک الگ مضمون آخری صفحات میں دیکھئے، رانی کوکلاں کی طرح مانگل بھی راجہ رسالو کے بیٹے سے منسوب ہے جس نے مانگل شہر بسایا یہ دو سو سال بعد از مسیح زمانے کے واقعات ہیں۔ آر اسی ٹمپل جنہوں نے پنجاب کی لوک کہانیاں تین جلدوں میں مکمل کر کے ۱۹۰۰ میں پورٹ بلیئر انڈومان سے شائع کیں۔ انہوں نے راجہ رسالو کی کہانی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا۔ اُن مقامات کو خود دیکھا جن کا تعلق راجہ رسالو سے تھا ۱۸۹۶ میں انہوں نے عثمان کھٹڑ کے پاس راجہ رسالو کا ٹوپ دیکھا۔ اسی دوران گائیڈ کے ذریعہ ایبٹ آباد آئے اور سربن پہاڑ میں راجہ رسالو کی غار دیکھی تناول میں راجہ رسالو سے منسوب مقامات دیکھے غالباً یہ پہلا غیر ملکی تھا جس نے دور افتادہ علاقے میں سفر کر کے اپنی تحقیق مکمل کی۔

ہندو عہد کا قلعہ

دریائے سرن کے کنارے سوہال کے مقام پر ہندوؤں کا ایک قدیم قلعہ تھا یہ قلعہ مختلف ادوار میں زیر استعمال رہا۔ تربیلا ڈیم بننے کے سبب اب یہ پانی کی زد میں ہے اس کے ساتھ دوسرا ہندو دور کا قلعہ دریائے کنہار اور جہلم کے سنگم پر واقع پتن کے مقام پر ہے۔ روایت کے مطابق یہ دونوں قلعے ہندو عہد کے ہیں کس نے تعمیر کرائے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا سرداروں نے جو قلعے اپنی ضروریات کے پیش نظر تعمیر کرائے ہیں ان میں قلعہ بھوہار، شیر گڑھ، قادر آباد اور بہار وکوٹ ہیں۔ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے تناول میں قلعے تعمیر کرائے تھے لیکن کوئی قابل ذکر تاریخی قلعہ نہیں ہے۔

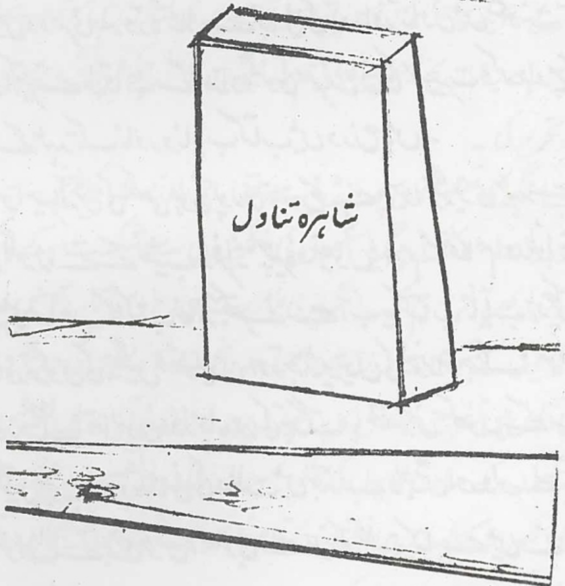
ماضی کا راست قدم تاریخ کا صحیح فیصلہ

مہاراجہ گلاب سنگھ جسے گلابو بھی کہا جاتا تھا۔ خفیہ طور پر انگریزوں سے ملا ہوا تھا سکھوں کے برخلاف انگریزوں کے مفادات کا محافظ تھا۔ اس کی جان نثاری کی بدولت انگریزوں نے اسے بام عروج تک پہنچایا بلکہ کشمیر کے ساتھ ہزارہ بشمول تناول بھی اس کے ہاتھ ہمیشہ کے لیے فروخت کر دیا تھا۔ اگر اہل ہزارہ بطور مزاحمت ہتھیار نہ اٹھاتے اور مورچے نہ سنبھالتے تو وہ آج غلامی کا طوق پہنے ہندوستان کے غلام ہوتے یہ ماضی کا راست قدم تھا جسے تاریخ نے صحیح ثابت کر دکھایا۔

میجر جیمز ایبٹ کے ابتدائی مستقر کے کھنڈرات پیوند خاک ہیں

میجر جیمز ایبٹ جب دوسری بار لاہور ریذیڈنسی کی طرف سے ۱۸۴۷ء میں ہزارہ آئے تو پندرہ دن خاکی میں قیام کرنے کے بعد شیروان آئے تناول کے اس قدیم قصبہ کو اپنی رہائش کے لیے پسند فرمایا۔ اس لیئے شیروان کے عقب میں ایک پہاڑی پر اپنا ایک بنگلہ دیگر لوازمات ساتھ تعمیر کرایا اور اس میں رہائش اختیار کی۔ میجر جیمز ایبٹ شیروان کو محفوظ ترین مقام سمجھتے تھے اگرچہ وہ مشیر کی حیثیت سے یہاں آئے لیکن عملاً وہی حکمران تھے۔ حکومت کی طرف سے مالیہ اور

واجبات کی وصولی خزانہ کا انتظام تنخواہوں کی ادائیگی فوج کی نقل و حرکت ان کے حکم سے ہوتی تھی۔ جب ان کی مصروفیات زیادہ بڑھ گئیں تو انہوں نے ایبٹ آباد کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور کام کرنے لگے نظام عدالت ہزارہ کے وہی سربراہ تھے۔ لوگ ایبٹ آباد سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایبٹ صاحب نے بھی اپنی تحریروں میں "میرے لوگ" سے اہل ہزارہ کو مخاطب کیا ہے ان کی محبت کا یہ کھلا ثبوت ہے۔ شیروان میں ان کے ابتدائی مسکن بنگلہ و ملحق دیگر کوارٹروں کے آثار ۱۹۵۳ء تک موجود تھے اس کے بعد یہ آثار بھی پیوند خاک ہو گئے



شاہراہ تناول

شاہراہ تناول ہری پور سے شروع ہو کر براستہ بیڑ ہوتی ہوئی چھپڑ تک جاتی ہے۔ چھپڑ سے ایک راستہ نیودربند ہوتا ہوا شیر گڑھ جاتا ہے۔ شیر گڑھ سے تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر اوگی کا شہر واقع ہے جو سڑک کے ذریعہ شاہراہ قراقرم سے ملا ہوا ہے۔

تنولیوں پر لکھی گئی کتب

اور حالات پر مشتمل ماخذ

تناول نامہ

تناول نامہ پہلی کتاب ہے جس میں تناول کے حالات اور واقعات لکھے گئے ہیں تناول نامہ میں تنولیوں کی جنگیں جو دوسری اقوام سے لڑی گئیں تنولیوں کے ابتدائی حالات اور ان کی ریاست پلال کا قیام، بانی ریاست سردار معمار اخان کی ظہیر الدین بابر سے ملاقات سردار قبول خان کے عہد ۱۵۹۴ء میں دوسری بار درہ تنال سے قبائل کی آمد اور تناول میں سکونت سردار قبول خان کی شہنشاہ اکبر سے ملاقات کے علاوہ تنولی سربراہان کی سیرت و کردار پر مبنی حالات پائندہ خان کے عہد تک نادر و نایاب کتاب میں درج ہیں۔

یہ خواجہ امیر الدین کی لکھی ہوئی پوری تاریخ ہے۔ جو انگریزی عہد سے پہلے انہوں نے لکھی تھی مگر زمانے کے نشیب و فراز، چیرہ دستیوں، عدم استحکام اور طوائف الملوکی کی نذر ہو گئی۔ بھیکڑی صاحب کا کتب خانہ بکھرنے سے اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے تناول نامہ میں تنولیوں اور ترکوں کی جنگیں، تنولیوں اور جنڈیریوں کی خونریز جنگ، تنولیوں اور درانیوں کی کشمکش اور جنگ، تنولیوں اور مجاہدین کی جنگ بالخصوص سکھوں کے ساتھ تنولیوں کی جھڑپیں اور جنگیں جو بے سرو سامانی کی حالت میں جذبے و جوش اور ولولے کے ساتھ لڑی گئیں فاضل مؤلف نے بڑی خوش اسلوبی سے ان کو قلمبند کیا ہے میں نے اس نادر و نایاب نسخہ سے استفادہ کیا ہے۔

سلاطین درانی

یہ تاریخ برصغیر میں درانی بادشاہوں کی سرگزشت ہے بالخصوص کشمیر میں درانی گورنروں (ناظم اعلیٰ) کے اسمائے گرامی اور ان کی مدت نیز ناظم اعلیٰ کشمیر عظیم خان کی سکھوں کے ساتھ جنگ

اور سپاہی پنجاب میں درانیوں کی کارگزاریوں کے علاوہ عظیم خان کا کشمیر سے براستہ تناول کابل جاتے ہوئے تناول میں قیام اور نواب خان ہندوال کے ساتھ جنگ۔ سلاطین درانی کا ایک قدیم نسخہ اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ بھارت میں موجود ہے دوسرا نسخہ ادبی ذوق رکھنے والی ایک جانی پہچانی شخصیت جناب جمنا داس اختر کی ذاتی لائبریری کی زینت ہے جو قرول باغ دہلی میں واقع ہے۔

تاریخ ہزارہ عہد سرکار انگریزی دولتمدار

اس تاریخ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم آفس لائبریری لنڈن میں موجود ہے اس پر تاریخ ۱۸۵۴ء درج ہے یہ تاریخ میجر جمبرلین مہتمم بندوبست اعلیٰ I کی فرمائش پر مہتاب سنگھ ذات کالیستھ نے تحریر کی۔

مہتاب سنگھ کا تعلق کان پور انڈیا سے تھا۔ جو ملازمت کی غرض سے ۱۸۲۴ء میں ہزارہ آیا اور سکھ دربار سے منسلک ہو گیا سکھوں کی انگریزوں سے شکست کے بعد اس نے انگریزی نوکری اختیار کر لی پھر آخری دم تک انگریزی ملازمت میں رہا اس تاریخ میں درانیوں، سکھوں مجاہدین اور تنولیوں کے حالات درج ہیں اس تاریخ سے تنولیوں کی دو بڑی شاخوں پلال اور ہندوال کی آپس میں نفرت و نفاق کا پتہ چلتا ہے اور ان کی آپس میں لڑائیوں پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز سکھوں کے ساتھ تنولیوں کی جنگوں کا حال، ملک کی تقسیم اور ہزارہ میں دوسری اقوام کے حالات جو سکھوں کے عہد میں رونما ہوئے تمام فارسی میں قلمبند ہیں جن کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی نے ۱۹۶۷ء میں کیا۔

تاریخ تنولیاں از سیّد مراد علی شاہ

اس تاریخ میں تنولیوں کے ابتدائی حالات، قومیت، ان کی افغانستان سے آمد تناول میں قیام دیگر اقوام کے ساتھ ان کی جنگیں تنولیوں کی آپس میں چپقلش اور لڑائیاں الغرض ابتدا سے لے کر محمد اکرم خان کے عہد تک جبکہ وہ نو عمر تھے درج ہیں۔ یہ تاریخ اردو میں سیّد

مرداد علی شاہ نے تحریر کی ۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے فاصل مؤلف نے بعض واقعات منظوم تحریر کیے ہیں۔ یہ تاریخ ایک سو سال بعد ۱۹۷۵ء میں جامع رضویہ اندرون لاہوری گیٹ لاہور کے زیر اہتمام دوسری بار شائع ہوئی ۱۸۷۵ تاریخ تنولیوں کے جملہ حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

"تاریخ المقدونی از شیخ نو الدین جمال

یہ تاریخ شیخ نورالدین جمال کی تحریر کردہ ہے جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی اس تاریخ میں تنولیوں کے ابتدائی حالات کے ساتھ ان کا شجرہ نسب بکٹیریین رقم کیا گیا ہے، مؤلف نے خوشنودی حاصل کرنے کی ایک کوشش کی جو بعد از بیش تاریخ سر محمد اکرم خان کے سی۔ ایس۔ آئی والئی امب ناکام ثابت ہوئی۔ شیخ نورالدین جمال سرکاری ملازم تھے اور صوبہ سرحد کے مختلف مقامات میں پڑھاتے رہے میں بعد میں انہوں نے صوبہ سرحد سے ہجرت کی اور بمبئی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔

تاریخ تنولیاں از سیّد مبارک علی

تاریخ تنولیاں سید مبارک علی کی تحریر کردہ ہے جس میں تنولیوں کے جملہ حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں بسیار کوشش کے باوجود یہ تاریخ دستیاب نہیں ہو سکی بعض مؤلفین نے حالات قلمبند کرتے ہوئے اس تاریخ کے حوالے دیئے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ معتبر تاریخ ہے۔

تنولی تاریخی آئینہ میں

یہ تاریخ محمد اسمٰعیل خان کوکلوی کی تحریر کردہ ہے۔ فاضل مؤلف نے ایشیا کا نقشہ پیش کرتے ہوئے دریائے تنبل اور درہ تنوبل دکھائے ہیں جن کا حرف ب حزف کرنے سے تنول اور تنل رہ جاتے ہیں۔ دریائے تنبل جو ترکستان کے پہاڑوں سے نکل کر دو شاخوں

میں تقسیم ہو کر سائبیریا کے میدانوں میں بہتا ہوا پھر یک جان ہو کر بحرہ منجمد شمال کی خلیج میں جا گرتا ہے تنولیوں کا تشخص بتایا ہے۔

قیاس آرائی پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے یقین ظاہر کیا ہے کہ قوم اس تشخص کو قبول کر لے گی بقول غلام نبی خان صاحب تنولی تاریخی آئینہ میں ان کی ایماء پر لکھی گئی ہے۔ جس کا اظہار میں صفحہ ۶۵ پر کر چکا ہوں کتاب میں تنولیوں کے حالات بہ تذکرہ درج ہیں قومیت بنی اسرائیل ظاہر کرنے پر زیادہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

افغان تنولی

جناب غلام نبی خانصاحب نے انور خان بن برہان الدین کو توخی ظاہر کیا ہے جن کے متعلق مشہور و معروف شہرت یافتہ مفکر و دانشور اور تاریخ دان سبط حسن اپنی کتاب "پاکستان میں تہذیب کا ارتقا" مطبوعہ ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں حرف بحرف اقتباس پیش خدمت ہے۔

پروفیسر بدھ پرکاش نے لسانی اور دستاویزی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ نہ ساکا قبیلے یہاں پہلے پہل آٹھویں، نویں صدی قبل از مسیح آئے تھے۔ وہ لوگ آریوں کی ہی مشرقی شاخ سے تعلق رکھتے تھے مگر ان کی تہذیب ویدک آریوں سے الگ تھی۔

مثلاً:۔ ان میں نسل کا سلسلہ ماں سے چلتا تھا اور ان کی عورتیں ایک وقت میں کئی مردوں سے شادی کر سکتی تھیں۔ یہاں آباد ہونے کے بعد انہوں نے نہ چھوت چھات اور ذات پات کی تمیز قبول کی اور نہ برہمنوں کی روحانی قیادت تسلیم کی جنی گر انکے راجا تخار اٹھا کر کہلاتے تھے سرحد میں توخی قبیلہ اب تک موجود ہے مذہبی رسوم خود ادا کرتے تھے ویدک آریوں کے برعکس یہ لوگ لسن پیاز (لسن چینی زبان کے لفظ ہوسوان سے مشتق ہے) کھاتے تھے۔ بھیڑ بکری کے علاوہ سور، گائے، اونٹ اور گدھے کا گوشت بھی بلا تکلف استعمال کرتے

تھے۔ شراب نوشی ان کا محبوب مشغلہ تھا اور ان کے بعض مذہبی رسمیں ایسی تھیں جن میں عورتیں اور مرد یکجا ہو کر شراب پیتے تھے، ناچتے گاتے تھے اور جنسی صحبتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ آریہ ورت کی اونچی ذات کے لوگ ساکاوں کے اس طرزِ معاشرت کو بُری حقارت سے دیکھتے تھے۔

تاریخ تناول

زیرِ نظر کتاب میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ مستند کُتب کے حوالاجات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تناول اور تنولیوں کے متعلق جو کچھ تواریخ و دیگر کتب میں ہے وہ اس کتاب میں ہے۔ بعض نادر و نایاب نسخوں سے استفادہ کرنے کا موقع بھی ملا ہے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے فروخت ہونے کے فوراً بعد اس کا دوسرا ایڈیشن پیشِ خدمت ہے۔ کمپوزنگ کی وجہ جو اغلاط رہ گئیں تھیں اب وہ دور کر دی گئی ہیں

اخوند میر اور اخوند درویزہ جنہوں نے سب سے پہلے تنولیوں کے واقعات بیان کیے

سب سے پہلے اخوند میر اور اخوند درویزہ نے تنولیوں کے متعلق واقعات اپنی کتب میں تحریر کیے ہیں اخوند میر نے اپنی کتاب چہار مکالہ میں تنولیوں کا ذکر کیا اخوند میر کا زمانہ اخون درویزہ سے پہلے کا ہے اخوان درویزہ نے بھی چہالہ مکالہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تناولی درہ تنال افغانستان سے آئے ہیں۔ اخون درویزہ اپنی کتاب تذکرہ ابرار و الا شرار میں تنولیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ظہیر الدین بابر اپنی فوجوں کو لے کر دریائے ابھار کے کنارے ہوتا ہوا امیداتی علاقہ میں اترا ان دنوں شہباز گڑھی کا موجودہ گاؤں نہیں تھا۔ کیونکہ بابر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس گاؤں کے قریب پہاڑی پانی کا قدرتی

نالہ بہتا تھا ظہیر الدین بابر اس پہاڑی چوٹی پر چڑھ کر گئے چوٹی پر شہباز نامی ایک ملحد کی قبر تھی بابر نے اسے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ ظہیر الدین بابر کے خیال میں ایسا پرفضا اور دلفریب مقام ایک ملحد کی قبر کے لیے موزوں نہیں اخون درویزہ کے قول کے مطابق جن دنوں یوسف زئیوں کے میدان علاقے پر سوات کے حکمرانوں کا قبضہ تھا اس زمانے میں تین بھائی جو سیّد تھے باہر سے آئے بڑے نیک اور خدا پرست تھے ان میں سے ایک کا نام سیّد احمد محمود تھا۔ وہ کلیانی کے قریب لنگر نامی گاؤں میں سکونت پذیر ہو گیا اپنی پارسائی اور نیک عملی کے سبب بہت جلد مشہور ہو گیا۔ جب اس کی وفات ہوئی تو مریدوں نے اسے کوہ لنگر کے ایک سرے پر دفن کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس علاقے میں خراساں سے شہباز نامی ایک شخص آیا دلہ زاک پشتونوں کی بجکزئی شاخ کے لوگوں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی یہ دلہ زاک اسلامی تعلیم سے بالکل نا آشنا تھے شہباز جو اپنے آپ کو قلندر کہا کرتا تھا۔ بڑا گمراہ، ملحد اور چالاک آدمی تھا اس نے ان جاہلوں کو اپنا مرید بنا لیا۔ اس ملحد نے سیّد احمد محمود کی قبر کھدوا کر اس کی ہڈیاں قبر سے باہر نکال دیں اور قبر خالی کر کے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس قبر میں دفن کرنا کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے مریدوں کو اکٹھا کر کے تنولیوں کے ایک گاؤں پر دھاوا بول دیا مگر اس جنگ میں یہ ملحد مارا گیا تنولی اس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے اور مرید اس کی بے سر لاش کو لے آئے اور اسے سید احمد محمود والی خالی قبر میں دفنا دیا اس کے بعد یہ شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہو گیا

اکبر بادشاہ کے عہد میں اس علاقے پر جب اس کا قبضہ ہو گیا تو وہاں ایک قلعہ بنا دیا گیا۔ اس سے وہ گاؤں لنگر کوٹ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ مغل امرا اس ملحد کی حقیقت سے لاعلم تھے اس لئے وہ اس کے مقبرے کو شہباز گڑھ کہتے تھے۔ پھر لوگوں میں یہ نام مشہور ہو گیا۔

صوبہ سرحد کے مشہور عالم اخون درویزہ کے حالات زندگی

اخون درویزہ کابل کے نواحی علاقہ جو ننگرہار کے نام سے مشہور ہے ۱۵۳۶ میں پیدا ہوئے آپکے والد کا نام گدا تھا اخون درویزہ چھوٹے ہی تھے کہ اپکے والد نے ننگرہار سے ترک وطن کیا اور مہمندوں کے علاقہ میں آکر آباد ہو گئے باقی ان کی ساری عمر اس قبیلے کے لوگوں میں گزری۔

اخون درویزہ کے پہلے استاد مصر احمد تھے انہوں نے ایک ہی نظر میں اپنے ہونہار شاگرد کے جوہر کامل اور ان کی علمی استعداد کا اندازہ لگالیا۔ مصر احمد کے مکتب سے اخون درویزہ نے ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا پھر انہوں نے مزید تعلیم کے لیے ہندوستان کے بڑے شہروں کا رخ کیا۔ ابھی تک صحیح طور پر اخون درویزہ کا اصلی نام معلوم نہیں ہوسکا تذکرہ نویس انہیں اخون درویزہ کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔ نہ ہی انہوں نے اپنی کسی کتب میں اپنا نام تحریر کیا ہے۔

ان کی تحریر کردہ کتب یہ ہیں۔

(۱) تذکرۃ الابرار والاشرار (۲) ارشاد الطالبین

(۳) ارشاد المریدین (۴) مخزن الاسلام

(۵) شرح السما الحسنی

ان کی کتاب تذکرہ الابرار والاشرار جس میں انہوں نے اولیا اور ملحدین کے علاوہ واقعات جو اپنے پیر و مرشد حضرت علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب سے خود انہوں نے زبانی سنے رقم کیئے یہ کتاب ان کی شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

اخون درویزہ کے زمانے میں صوبہ سرحد میں ایک شخص بایزید انصاری الملقب پیر روشن نے سرحدی علاقوں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا جو لوگ اس کے پیرو کار تھے وہ اپنی آزادی بحال کرنے کی غرض سے لڑنے کے لیے بایزید کے حامی بن گئے۔ شہنشاہ اکبر کو بھی اس تحریک

کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑی اخون درویزہ نے غلط عقیدوں کی وجہ سے اسے پیر تاریک قرار دیا۔ اور اسلام کے برخلاف اس کفر و شرک تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا انہوں نے اسلام کے برخلاف اس تحریک کے خلاف اسلامی محاذ قائم کیا۔ ان کی تعلیم کا یہ اثر ہوا غلط عقیدوں کو چھوڑ کر پٹھان بایزید کے خلاف ہو گئے یہ ان کی انتھک و بے لوث خدمت کا نتیجہ تھا۔ کہ کفر کا اٹھتا ہوا طوفان تھم گیا اگر ان کو اشاعت اسلام میں کامیابی نہ ہوتی تو آج سرحد میں کوئی مسلمان ڈھونڈنے سے نہ ملتا

اخون درویزہ کا مزار اقدس پشاور سے مشرق کی جانب ایک میل کے فاصلے پر ہے آپ نے ۱۶۲۸ میں انتقال فرمایا اہل پشاور کا عقیدہ ہے جو طالب علم غبی اور کند ذہن ہو وہ ان کے مزار پر سات مرتبہ حاضر ہو کر قرآن شریف کی سورہ تبارک الذی پڑھے تو غبی پن اور کند ذہنی جاتی رہتی ہے

مشہور اہل قلم جناب افضل خان جدون (مرحوم) جن کا تعلق نواں شہر سے تھا انہوں نے ۱۹۳۶ میں افغان سرحد میں اخوند میر کی کتاب "چہار مکالہ" سے اقتباس پیش کیا۔ اور تنولیوں کو افغان کا جدی بھائی ظاہر کیا افضل خان جدون (مرحوم) کا دوسرا اقتباس جو "اتحاد افغانستان" میں ۱۹۴۱ کو شائع ہوا وہ کاکڑوں کے متعلق تھا۔ یہ دونوں اقتباس "پشتون تاریخ کے آئینہ میں" مطبوعہ ۱۹۶۵ کے مؤلف جناب سید بہادر شاہ کاکاخیل کے علم میں تھے جو صوبہ سرحد میں کافی عرصہ سے تاریخی مواد اکٹھا کر رہے تھے۔ اور افضل خان جدون (مرحوم) سے اچھی طرح واقف تھے۔ اکثر تاریخی موضوعات پر ان سے بات چیت ہوتی رہتی تھی

افضل خان (مرحوم)، کے کاکڑوں سے متعلق اقتباس کو وہ شامل کتاب کرتے ہوئے باقاعدہ حاشیہ پر ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ تنولیوں کے متعلق اقتباس کو نظر انداز کر دیتے ہیں شاید بھول گئے ہوں۔ لیکن اخون درویزہ کے حوالے سے بابر کے عہد کا ذکر کرتے ہوئے تنولیوں کا حوالہ دیتے ہیں پھر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے مؤلفین پشتون تواریخ تنولیوں کو افغان نہیں گردانتے۔

تناول کا دورہ کرنیوالے پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم

یہ اعزاز سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کو حاصل ہے

سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہیں جنہوں نے اپنے عہد وزارت کے دوران تناول کا دورہ کیا ورنہ اس سے پہلے کوئی وزیر اعظم تو کجا اعلیٰ افسران تک اس علاقے کو نظر انداز کرتے رہے۔

صدر محمد ایوب خان اپنے عہد میں آرام کی غرض سے آئے اور انہوں نے شیروان کے سرکاری بنگلے میں چند دن آرام کیا اور چلے گئے گورنروں میں جناب لفٹیننٹ جنرل فضل حق پہلے گورنر ہیں جنہوں نے اس علاقے کا سرکاری دورہ کیا اور سرکاری ملازمین کے لئے ہل الاؤنس کا اعلان کرتے ہوئے چلے گئے ان کے عہد میں ہزارہ میں کچھ ترقیاتی کام ہوئے ہیں۔

سابق وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف ۱۹۹۳ یکم رمضان المبارک کے مبارک دن اپنے ہیلی کاپٹر کے ذریعے سرائے نعمت خان میں اترے ان کی آمد کی خبر یکدم چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ استقبال کے لئے اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ سرائے نعمت خان یونین کونسل کے سابق چیئرمین جناب بلند خان نے محمد نواز شریف کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا ایک ایسے موقعہ پر آپ کی آمد ہمارے لیے خوش آئند اور باعث افتخار ہے جس کے لیے ہم لوگ آپکے مشکور ہیں۔

بعد ازاں محمد نواز شریف نے لوگوں سے ان کی شکایات سنیں کچھ حصہ سڑک پختہ کرنے اور ڈگری کالج کی منظوری دی شومئی قسمت یہ دونوں سکیمیں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد محمد نواز شریف وزارت عظمیٰ سے سبکدوش ہو گئے۔

منقسم ہندوستان سے پہلے سرائے نعمت خان میں ہندوؤں اور سکھوں کی بڑی تعداد

آباد تھی یہ لوگ مالدار تھے اور تجارت کرتے تھے اس لئے سرائے نعمت خان تجارتی منڈی تھی، لوگ اپنی تمام ضروریات یہاں سے پوری کرتے تھے تقسیم ہند کے بعد یہ لوگ ہجرت کر گئے

ہندوستان چلے گئے ہندوستان میں انکے خاندان یکجا نہ رہ سکے بکھر گئے دہلی اور بمبئی میں سرائے نعمت خان کے لانبھے تجارت کرتے ہیں اور کافی آسودہ حال ہیں یہاں کے ایک لانبھے نے کرکٹ میں نام پیدا کیا اور دوسرا فارن سروس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔

الیکشن اکتوبر ۱۹۹۳ء

بے نظیر بھٹو نے اپنی انتخابی مہم کا اختتام تھنکا شریف میں بابا صاحب کے حضور میں حاضر ہو کر کیا اور کہا بابا جی آپ بزرگ ہستی ہیں کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں میری کامیابی کیلئے دعا کریں۔ پیر باصفا نے بے نظیر کو تین چھڑیاں ماریں وہ عام طور پر دو چھڑیاں مارتے ہیں تین چھڑیاں مارنے کا مطلب بے نظیر صاحبہ کی کامیابی تھی۔ بعد ازاں بے نظیر صاحبہ نے بابا صاحب کے بیٹے کو بتایا اگر میں کامیاب ہو گئی تو دوبارہ یہاں آؤں گی اور بابا صاحب کے قیام گاہ تک پختہ سڑک تعمیر کراؤں گی اب جبکہ بے نظیر صاحبہ کامیاب ہو کر وزیر اعظم بن چکی ہیں۔ دیکھئے وہ یہاں کب آتیں ہیں یا کہ نہیں۔ بہر کیف سڑک کا افتتاح وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد جناب آفتاب احمد خان شیرپاؤ نے مئی ۱۹۹۴ء کو کیا ہے جو اب زیر تعمیر ہے۔

شیروان کے مقام پر وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد کا جلسہ

۲ جون ۱۹۹۴ وزیر اعلیٰ سرحد جناب آفتاب احمد خان شیرپاؤ نے تناول کے مرکزی مقام شیروان میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کیا۔ سپاسنامہ کے بعد انہوں نے ڈگری کالج کے قیام کی منظوری دی اور تناول کے کسی مقام کو تحصیل کا درجہ دینے کا اعلان کیا۔ جس کا انتخاب بعد میں معززین علاقہ کریں گے انہوں نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ میں محمد ایوب خان تنولی کی صلاحیتوں کا معترف ہوں وہ بہترین پارلیمنٹرین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا گیا کہ کون سے مقام پر تحصیل ہیڈ کوارٹر بنایا جائے بہر کیف یہ جلد ہی طے ہو جائیگا

تناول ایک پسماندہ علاقہ ہے پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک اس پسماندہ علاقے کی تعمیر و ترقی و خوشحالی کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔ اس خلائی دور میں جب کہ دنیا ۲۱ ویں صدی کے درواز سے پر دستک دے رہی ہے کسی علاقے کو پسماندہ رکھنا اس کی جائز

ضروریات پوری نہ کرنا یہ بہت بڑا ظلم ہے یہ معاشی و اقتصادی قتل ہے۔

پروفیسر پورن سنگھ

پروفیسر پورن سنگھ ۱۸۸۱ کو ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے باپ کا نام کرتار سنگھ تھا۔ محکمہ مال میں پٹواری تھے پورن سنگھ نے میٹرک راولپنڈی سے کیا ۱۹۰۰ میں وظیفہ حاصل کیا پھر پڑھائی کے لیے جاپان چلے گئے۔ جاپان میں ان کی ملاقات سوامی رام تیرتھ کے ساتھ ہوئی پڑھائی چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا۔ ۱۹۰۳ میں ڈیرہ دون فارسٹ انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر لگ گئے اس کے بعد کچھ عرصہ گوالیار میں ملازمت کی پھر شیخوپورہ آ گئے۔ ۱۹۱۱ میں سیال کوٹ ایجوکیشنل کانفرنس میں بھائی ویر و سنگھ کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی پروفیسر پورن سنگھ پرانی کہانیاں لکھنے اور کہنے والوں میں سے ایک ہیں ان کی لوک کہانیاں پنجابی میں بہت مقبول ہیں۔ پنجابی زبان کے ادب میں پورن سنگھ کا ایک ممتاز مقام ہے وہ پنجابی ادب کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ایک ہیں ان کے نقش قدم پر میجر نریندر پال اور ڈاکٹر دیوان سنگھ نے چلنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ پنجابی کے علاوہ پروفیسر پورن سنگھ نے انگریزی میں بارہ کتابیں لکھیں ان کی مشہور و معروف کتاب سسٹر آن سپننگ ویل تین دن میں مکمل ہوئی جو ایک ریکارڈ ہے۔ پنجابی میں ان کی دو کتابیں بہت مشہور ہیں تیسری راجہ رسالو لکھ رہے تھے کہ دنیا سدھار گئے۔ "کھلے لیکھ" راجہ سالبا ہن جو راجہ رسالو کا باپ تھا اور رانی لوناں ان کا قصہ نثر میں تحریر ہے "کھلے میدان" آپکی پنجابی نظموں کی کتاب ہے جب یہ کتاب پہلی بار پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے دیکھی تو اس پر کڑی نکتہ چینی ہوئی۔ پھر ایک ممبر نے (جوان پنجاب دے) پڑھ کر سنائی تو اس کتاب کو بڑی داد ملی اور نقد انعام دیا گیا۔ آپ شاعرانہ طبیعت کے مالک تھے۔ والٹ وِٹ مین کی شاعری سے متاثر تھے۔ پوٹھوار کی ممتاز ادبی شخصیت پروفیسر کرم حیدری جو کئی کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں راولپنڈی سے شائع ہونے والے ایک رسالے شانتی کے وہ پرانے پرچے ۱۹۷۴ میں ان کے پاس تھے۔ جن میں پروفیسر پورن سنگھ نے لوک کہانیوں کے موضوع پر اظہار خیال کرتے اپنی تحقیق ۱۹۲۸ کے ذریعے روشنی ڈالی ان

واقعات اور مقامات کا ذکر کیا جو کہ ہزارہ ٹیکسلا، اٹک، راولپنڈی سے تعلق رکھتے ہیں ضلع ہزارہ میں راجہ رسالو سے تعلق رکھنے والے مقامات مانگل، دھرم پانی، کوکلاں، لوئی، مانگل و ڈور بتائے گئے ہیں۔ پروفیسر پورن سنگھ کا انتقال ۱۹۳۱ میں ڈیرہ دون میں ہوا۔

لالہ ہربنس لال گوسوامی

لالہ ہربنس لال گوسوامی ۱۸۹۸ کو ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے ایبٹ آباد کی تین شخصیات ایسی ہیں۔ جن کو علامہ اقبال سے گہری عقیدت تھی ان میں آخری نام لالہ ہربنس لال گوسوامی کا ہے۔ آپ اردو کے بہت اچھے شاعر تھے اپنا تخلص خضر گوسوامی استعمال کرتے تھے اکثر اپنی نظمیں علامہ صاحب کو دیکھاتے رہتے تھے لالہ کا کاروبار لاہور اور شیخوپورہ میں بھی تھا اس لیے علامہ اقبال کی صحبت سے فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔ آپ بڑی پر وقار شخصیت کے مالک اور تعصب سے بہت دور تھے پورے ہزارہ کی تاریخ ہندو عہد سے لے کر انگریزی دور تک ان کو از بر یاد تھی۔ انہوں نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا اور کوئی تاریخ مرتب نہیں کی اگر وہ تاریخ لکھتے تو وہ تاریخ ایک مستند سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ان کا زیادہ وقت تجارت کے بعد شعر و شاعری میں گذارا اور علامہ اقبال کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ علامہ اقبال صاحب ان کو خضر کے نام سے یاد فرماتے تھے بھارت کے نامور اداکار فلم ساز و ہدایت کار منوج کمار جن کا اصلی نام ہری کشن گوسوامی ہے آپکے بیٹے ہیں

منوج کمار ۲۴ جولائی ۱۹۳۷ کو ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے ۱۹۷۸ کو جب پاکستان آئے تو اپنے جنم بھومی کو دیکھنے آئے تھے تقسیم ہند کے بعد لالہ ہربنس لال گوسوامی دہلی چلے گئے صدر بازار دہلی میں منوج کمار پون سلائی مشین کے آرڈر بک کیا کرتے تھے اس کے

بعد دوبارہ کالج میں داخل ہوئے ۔ آخرکار یہ خاندان دہلی سے بمبئی چلا گیا اور منوج کمار نے فلموں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ آج منوج کمار کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے ہدایت کاروں میں ہوتا ہے ۔

لالہ ہربنس لال گوسوامی ۱۶ جولائی ۱۹۸۳ کو نہاتے ہوئے ڈوب گئے تھے ۔ ان کا کلام "سمرن" ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے منوج کمار نے شائع کرایا ان کا کچھ کلام اردو کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے ۔

مشہور ہدایت کار کے ۔ ڈی مہرہ جو متعدد لاثانی فلموں کے خالق ہیں اُن کے چھوٹے بھائی بلو مہرہ بھی ہدایت کار ہیں ان دونوں کا تعلق ایبٹ آباد سے ہے ۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں ۔ کہ ہم میں سے ہر شخص جس تک بھی میرا پیغام پہنچے نہ صرف پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کرے بلکہ اس عزم کا بھی اظہار کرے کہ ہمیں پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا ہے اور میں ملک کے ہر فرد کو خاص طور پر اپنے جوانوں کو یہ تاکید کرتا چاہتا ہوں کہ وہ تن دہی ہمت اور مستقل مزاجی کے صحیح اوصاف سے کام لیتے ہوئے دوسروں کی رہنمائی کریں ۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک اچھی اور اعلیٰ مثال قائم کریں ۔

قائد اعظم محمد علی جناح

لاہور کے شہریوں سے خطاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰ / اکتوبر ۱۹۴۷ء

عرض

(دوسری اشاعت)

کسی قوم یا ملک کا پورا ماضی تاریخ ہوتی ہے جس میں زندگی کا ہر شعبہ شامل ہوتا ہے ایک کہاوت ہے ۔ جو قوم اپنی تاریخ بھول جاتی ہے جغرافیہ اس قوم کو بھول جاتا ہے ۔ یہاں تاریخ خاموش ہو جاتی ہے ۔ وہاں تو تاریخ کے دشت و صحرا میں تاریخی کڑیاں جوڑنے والے ایسے بھٹکتے ہیں کہ صحیح منزل تک پہنچنے کے نقش و پا تک نہیں ملتے تو پھر وہ غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں ۔ ان میں چند ہی لوگ خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جو باوجود تھکن و تھکاوٹ اور نامساعد حالات و مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل پا لیتے ہیں ۔

اس کے ساتھ ہی کتاب اختتام کو پہنچتی ہے ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں میں نے جو کچھ لکھا ہے حوالہ جات کے ساتھ لکھا ہے بعض جگہ از پیشِ ضرورت ماخوذ سے اخذ شدہ اقتباس پیش کیے گئے ہیں ۔ میرا مقصد کسی شخص یا قوم کی دِل آزادی کرنا مقصود نہیں ۔ اگر پھر بھی مضامین کے کسی مندرجات سے کسی شخص یا قوم کو دکھ یا تکلیف پہنچے تو میں اُس کے لیے معذرت خواں ہوں ۔

فدا حسین

۲۶۱ ، سیکٹر آئی ۱/۱۰ اسلام آباد

پاکستان کا قیام

پاکستان نے بیسویں صدی میں جنم لیا ہے پاکستان کا ظہور علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر اور قائداعظم کے تدبر فہم و فراست کا شاہکار، ایک قوم کا نظریہ، ایک کارواں کی منزل مقصود ہے. قائداعظم کی بصیرت افروز قیادت کے باعث ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء پاکستان معرض وجود میں آیا۔

آزاد پختونستان کا مطالبہ

آزاد پختونستان کا مطالبہ:۔ جب ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو خان عبدالغفار خان نے مہاتما گاندھی سے کہا شمال مغربی صوبہ سرحد میں ایک خوفناک صورتحال پیدا ہو گئی ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں. مہاتما گاندھی نے کہا خان صاحب آپ کی آزمائش کا وقت ہے آپ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ پاکستان آپ کے لئے قطعی قابل قبول نہیں ہے چنانچہ ۲۱ جون ۱۹۴۷ء بنوں میں خدائی خدمتگاروں، پختونوں، کانگرسیوں کا مشترکہ اجلاس سرحد کانگریس کمیٹی کے صدر امیر محمد خان کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس نے متفقہ طور پر ایک آزاد پختونستان قائم کیا جائے جس میں اس مملکت کا آئین اسلامی تصورات مساوات، جمہوریت اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پر بنایا جائے۔ یہ اجلاس سارے پٹھانوں سے اپیل کرتا ہے نیک مقصد کے حصول کے لئے متحد ہو جائیں. اور کسی غیر پختون غلبے کے آگے نہ جھکیں.

خان عبدالغفار خان نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ہم نے پختونستان قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو تمام پٹھانوں کی ایک آزاد ریاست ہو گی.

پاکستان بنتے وقت صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت تھی اور ڈاکٹر خانصاحب وزیراعلیٰ تھے اُن کی بڑی کوشش تھی کہ صوبہ سرحد پاکسان میں شامل نہ ہو۔ اور یہ افغانستان کا حصہ بن جائے وہ اسے افغانستان کا حصہ قرار دیتے تھے یہی وجہ تھی اقوام متحدہ میں افغانستان واحد ملک تھا جس نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی شمولیت کی سخت مخالفت کی تھی.

اُس نے شمال مغربی سرحدی صوبے کو پاکستان کا حصہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا.

افغانستان اُسے پختونستان کے نام سے اپنے اندر شامل کرنے کا خواہاں تھا لیکن وہ اس ناپاک عزم کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا پاکستان ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ کو اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں شامل ہو گیا۔ پھر دوبارہ ۱۹۷۱ء میں ایک خفیہ سازش کے ذریعہ یہ طے پایا گیا صوبہ سرحد افغانستان پنجاب و سندھ ہندوستان و بلوچستان ایران میں ضم کر کے مغربی پاکستان کا وجود ختم کر دیا جائے لیکن یہ گٹھ جوڑ بھی ناکام رہا۔

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم:۔ ۶/ اور ۷/ جولائی ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا ریفرنڈم میں پاکستان کو کل ۲۸۹/۲۴۴ ووٹ ملے ہندوستان ۳۰۰۰ سے کم ووٹ ملے اس ریفرنڈم کو جن مسلم لیگی لیڈروں نے کامیاب بنایا ان میں پیر مانکی شریف. پیر زکوڑی شریف، فدا محمد خان، سردار بہادر خان، جلال جلاس خان (جلال بابا). ارباب سکندر خان خلیل کے نام قابل ذکر ہیں. ریفرنڈم کے نتائج سے بالکل واضح ہو گیا سرحد کے عوام ان کی حمایت ہرگز نہیں کرتے جب ریفرنڈم میں پاکستان جیت گیا تو ڈاکٹر خانصاحب کو استعفیٰ دے دینا چاہیئے تھا. انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر خانصاحب اور ان کے ساتھیوں نے پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کو اسلامی دینے سے انکار کیا اور سابقہ روایات کی بنا پر مخالفت کا رویہ اپنائے رکھا. ان کی اس گستاخانہ حرکت پر قائداعظم نے ڈاکٹر خان کو وزارت سے برطرف کر کے خان عبدالقیوم خان کو صوبہ سرحد کا وزیراعلیٰ مقرر کیا.

ماخذ اردو

نمبر شمار	نام کتب اردو	تصنیف و تالیف
	تاریخ مخزن پنجاب	غلام سرور قریشی لاہوری
	پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر	از میاں عبدالرشید
	روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب و سرحد (اردو ترجمے کے ساتھ)	کرنل چارلس میسن
	پکھل نامہ	خواجہ امیرالدین
	ظفرنامہ	دیوان امرناتھ
	سلاطین درانی	اورنٹل پبلک لائبریری پٹنہ انڈیا
	عباسی شمالی پاکستان میں	سردار محمد ایوب خان
	تاریخ ہند قدیم (جلد اوّل)	اکبر شاہ خان نجیب آبادی یکم جولائی ۱۹۳۳ء
	شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	مولانا عبیداللہ سندھی
	سکھ عہد کے مصور اور انکی عکاسی	لاہور دربار
	آزادی کی تلاش	میاں اکبر شاہ بدرشی
	آئینہ ایبٹ آباد لاثانی	فدا حسین
	ماہ نامہ فرقان مجلد نمبر	مولانا مودودی
	ایڈورڈ گزٹ مئی ۱۹۱۲ء	منشی قلندر خان تنولی
	ایڈورڈ گزٹ ۱۹۱۲ء	، ، ،
	نسب التنولی	، ، ،
	ہری سنگھ نلوہ	بابا پریم سنگھ ہوتی
	تاریخ المقدونی	شیخ نورالدین جمال
	تناول نامہ	خواجہ امیرالدین
	اقوام کشمیر	منشی دین محمد فوق
	پہچان	محمد الیاس مرزا

ماخذ انگریزی

نمبر شمار	نام کتب انگریزی	تصنیف و تالیف
۱	الیگزینڈر آن دی انڈس ٹریک	سر۔ ارل بیٹن
۲	گیٹ آف انڈیا	سر تھامسن ھولڈیچ
۳	انشنٹ انڈیا	سی۔ جے۔ رمپسن
۴	افغانستان	لیفٹیننٹ جنرل۔ میکونن
۵	انشنٹ جیگرافی آف کشمیر	سر اے کنگھم
۶	گلوسری آف دی ٹرائیب اینڈ کاسٹ آف دی پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پراونس	سر ڈینزل برلٹس د کمشنر مردم شماری
۷	ہسٹری آف دی ہزارہ ۱۸۷۲ء	کرنل ویسن
۸	دی پنجابی مسلم	کرنل جے۔ ایم۔ واٹیکلی
۹	دی پٹھان	سر الف کیرو (گورنر صوبہ سرحد) ۱۹۴۶ ۱۹۴۷
۱۰	دی لینڈ اینڈ دی پیپل آف پاکستان	ہربرٹ فیلڈمین
۱۱	کراس دی بارڈر	ای۔ الیور
۱۲	ہسٹریکل سٹڈیز مسلم انڈیا سیریز II	ڈاکٹر مسز لال بہا
۱۳	دی رومانس آف انڈیا فرنٹیئر	لیفٹیننٹ سرجارج میکمن
۱۴	مغل ٹرائب	پروفیسر رام راج ملہوترہ
۱۵	دی گریٹ چنگیز خان ڈائنسٹی	ڈاکٹر۔ ایم۔ ڈبلیو۔ بلٹر
۱۶	سکس اینڈ افغانیز	سر سی۔ ایم۔ وائڈ (۱۸۳۲-۳۳)
۱۷	کابل (سفرنامہ)	سر۔ الیگزینڈر برنس (۱۸۳۶-۳۸)
۱۸	ہیوگل ٹریولز	بیرن چارلس ہیوگل
۱۹	ہیرو آف ڈھلی	پیٹرسن
۲۰	سکس	کیپٹن۔ کنگھم
۲۱	میونٹی رپوٹس جلد ہشتم حصہ دوئم	گورنمنٹ آف انڈیا
۲۲	دی ادھدر سائٹر آف میڈل	مسٹر ایڈورڈ تھامین
۲۳	فلور اینڈ فونا آف پنجاب	ولیم جان
۲۴	پیسیج ٹو دی پشاو	رچرڈ۔ ری ویز
۲۵	امپریل گزیٹر آف این ڈبلیو ایف پی	گورنمنٹ آف انڈیا

انگریزی وار دو ماخذ

نام کتب	تصنیف و تالیف
تاریخ پنجاب	کنہیا لال ہندی
پاکستان میں تہذیب کا ارتقا	سبط حسن
پشتون تاریخ کے آئینے میں	سید بہادر شاہ ظفر کاکاخیل
ہسٹریکل سٹڈیز مسلم انڈیا سریز I	ڈاکٹر مسنر لال بہا
ہزارہ گزیٹیئر ۱۸۸۳/۸۴	گورنمنٹ پبلکشن
سوشل اکنامک ہسٹری آف کشمیر (۱۹۲۵/۱۹۴۶)	لال چند

انگریزی کی بعض کتب میں امبولنیا کی جگہ امبولیما تحریر ہے صرف ایک لفظ ایم یا این کی جگہ یہ تضاد پیدا ہو گیا ہے اگر امبولی کے اگے ایم استعمال کیا جائے تو امبولیما بنتا ہے اگر این استعمال کیا جائے تو امبولنیا بنتا ہے۔ صیح لفظ امبولنیا ہے جو بدھوں کی ٹیکسٹ کتب میں درج ہے زیر نظر کتاب میں یہاں کہیں امبولیما لکھا گیا ہے امبولنیا پڑھا جائے۔

قارئین اکرام۔ زیر نظر کتاب کے حصول کے لیے جو پہلے ایڈریس دیا ہوا تھا وہاں سے میں اسلام آباد منتقل ہو گیا ہوں کتاب کا دوسرا ایڈیشن بڑے بک سیلروں کے علاوہ نئے ایڈریس سے دستیاب ہو گا۔

اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۴	۲	سو	نیوُ	۳۵۲	۳	مذفون	مدفون
۲۵	۲		جلدوں میں	۳۵۲	۳	قلنذ	قلندر
۳۲	۱۲	۱۹۸۶	۱۹۸۵	۳۵۲	۱۷	مزارت	مزار
۳۲	۱۳	۱۹۸۹	۱۹۸۶	۳۵۲	۶	۹۹۷ء	۹۹۷ھ
۳۳	۹	الیگزنیڈ	الیگزنیڈر	۴۰۲	۱	-	لی
۳۴	۱	سرکسی	سرکشی	۴۰۵	۴	فورا	فوراً
۴۱	۳	بشترام	بغرام	۴۰۷	۶	کنوارکندل	کنوارگندل
۷۰	۸	کے	کی	۴۱۱	۱۰	سکندرمرزا	اسکندرمرزا
۸۵	۱۳	گھوڑسوار	گھڑسوار	۴۱۹	۱۱	پرفیسر	پروفیسر
۱۴۳	۱۳	موری دفعہ	دوسری دفعہ	۴۲۰	۱۶	لوازمات	لوازمات کے ساتھ
۲۲۳	۶	دلوقامت	دیوقامت			فلور	فلورا
۲۸۵	۵	سُرن	سِرن				
۲۷۹	۱۵	فتہ	فتنہ				
۳۵۲	۲	دیگرسے	دیگرے				

۲۶۴ صفحہ پر سُرخی
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن شریف جس کا وزن ۲۵ سیر سے زیادہ ہے۔